
READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
ردا ڈائجسٹ
DECEMBER
2016
پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام
READING SECTION
Online Library For Pakistan
READING SECTION
Online Library For Pakistan
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
ناول: فریحہ
READING
Section
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

ردا ڈائجسٹ

چیف ایڈیٹر

صالحہ محمود

ایڈیٹرز

سعدی محمود جعفری

نمائندہ امریکہ، فراز جعفری

E-Mail. frazjafri@aol.com

نمائندہ UAE، عمیر علی جعفری

Mail: sagrahil@emirates.net.ae

نمائندہ لندن، شبانہ آصف نجات



سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
720 روپے

34535726

دسمبر 2015ء
جلد نمبر 20 شمارہ نمبر 12
قیمت 60 روپے

مستقل سلسلے



صالحہ محمود

گوشہ آگہی

اللہ کی عطا کردہ سرد راتیں زندگی میں حسن اور خمار بھرتی ہیں وہیں غریبوں کے تن ڈھانپنے کے لیے چند گز کپڑا بھی ضروری ہوتا ہے۔ بارش میں بھیگتے ہوئے ہم سوچتے تھے تمام عمر بارش برستی رہے اور ہم بھیگتے رہیں۔ وہیں شعور آگہی کے پہلے در پر ہوش آیا تو دیکھا تین ہٹی کے نیچے کئی انسان پانی میں ڈوب کر مر گئے کھلی قبروں کو قبرستان میں دیکھ کر لرز اٹھی تو لب بول اٹھے۔

یارب! رک جائے یہ بارش
قرب وجوار میں میری ماں بھی سوتی ہے

یقیناً زندگی کا حسن سرد راتوں میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ شاید ہم ایسا محسوس کرتے ہیں۔ اس لیے شدید گرمیوں کے بعد ایک دو ماہ کے لیے سردی میسر آئے تو ہم خوش ہو گئے۔ خوش ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی اور بہت نعمتیں ہیں۔ یوں تو اللہ کے عطا کردہ دن اور رات کیا شجر و شاخ گل سبھی سربجود ہوتے ہیں؟ اس کائنات میں رب نے طلسم کا ایک ہجوم پھیلا رکھا ہے۔ سمندر، دریا اور تالاب، شجر و شاخ، بوٹے، ستارے بھرے آسمانوں پر جگمگاتے چاند تارے کہیں کوئی کجی نہیں۔ بس کجی ہے تو ہمارے دلوں میں کہ ہم اپنے رب کے بتائے ہوئے رستے سے بھٹک گئے ہیں اور بھٹکنے والا انسان نابینا ہے۔ نابینا وہی شخص ہے جو اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے دیانت اور امانت ہماری نمایاں خصوصیت ہونی چاہیے۔ ایک سچا مسلمان اتنا قابل اعتماد ہو کہ دشمن بھی اس کی سچائی ایمانداری پر رشک کرے۔ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا زندہ رہنے کے لیے سانس لینا، اللہ کے بتائے ہوئے رستے پر چلنا ہماری زندگی کے لیے بے حد اہم ہے۔ میں ایک بات پھر ذاتی طور پر بتاتی چلوں۔ کینہ، حرص، حسد، بغض، عداوت گھروں کے اندر آپس کی چھیڑ چھاڑ، طنز، ساس، نندوں کے آپس میں اختلافات، حادثات کے سبب بنتے ہیں اور بڑھتی ہوئی عمر کی خواتین کے لیے جسمانی طور پر کوئی مہلک مرض شدت اختیار کر لیتا ہے۔ دل کو صاف رکھیے ذہن کشادہ رکھیے۔ آپ کا جسم پرسکون رہے گا۔ ہر وقت آپس کی رنجش ذہن اور دل کو متاثر کرتی ہے۔

دسمبر بھری صبحیں اور شامیں لکھنے کے لیے بہت موزوں ہیں۔ لہٰذا آپ سب اچھے اچھے موضوعات پر لکھیں ردا سال آخر نمبر ہے۔ یقیناً ایک دن سال نو نمبر بھی آئے گا۔ اس حوالے سے آپ سب نئے سال کا استقبال کریں۔ اچھا سوچیں اچھا ہوگا۔ نئے لکھنے والے ردا سے اپنا رابطہ رکھیں ردا آپ سب کا ہے۔

آپی

صالحہ محمود

ردائے سنت

حکومت اور فیصلوں کا بیان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں تمہیں 5 باتوں کا حکم دیتا ہوں۔ (1) جماعت کو لازم پکڑنا۔ (2) امیر کی بات سننا (3) امیر کی اطاعت کرنا (4) ہجرت کرنا (5) جہاد فی سبیل اللہ کرنا۔ بلاشبہ جو آدمی جماعت سے ایک بالشت کے برابر دور ہوا اس نے اسلام کا حکم ماننے سے انکار کیا مگر یہ کہ وہ جماعت میں واپس آجائے اور جس آدمی نے جاہلیت کا نعرہ بلند کیا، اس کا شمار دوزخیوں میں ہوگا۔ اگرچہ وہ روزے رکھے، نمازیں ادا کرے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے۔'' (ترمذی۔ عن حارث اشعریؓ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب کسی مخلوق (امیر / حاکم) کے حکم سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہو تو اس کی اطاعت نہ کی جائے۔ (شرح السنہ۔ عن نواس بن سمعانؓ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کسی 10 آدمیوں کا بھی امیر مقرر کیا گیا تو اسے قیامت کے دن گلے میں زنجیر ڈال کر لایا جائے گا۔ پھر یا تو اس کا عدل اسے زنجیروں سے نجات دلائے گا یا اس کا ظلم اسے تباہ و برباد کر دے گا۔'' (دارمی۔ عن ابی ہریرہؓ)

(وضاحت: یعنی امیر کو عدل و انصاف سے کام کرنا چاہیے اپنی امارت میں کسی پر ظلم نہ ہونے دے اور نہ ہی خود کسی پر ظلم کرے)۔

میرے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کرتے ہوئے فرمایا: ''میں تمہیں بے وقوفوں کی امارت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتا ہوں۔'' میں نے پوچھا۔ ''وہ کیا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے بعد امراء ہوں گے جو لوگ ان کے پاس گئے اور ان کی جھوٹی باتوں کو بھی سچا کہا اور ان کے ظلم کرنے میں ان کا ہاتھ بٹایا اور ان کے ظلم کے باوجود ان کی مدد کی تو وہ مجھ سے نہیں ہیں اور میں ان سے نہیں ہوں اور نہ ہی وہ میرے حوض کوثر پر آئیں گے اور جو لوگ ان کے پاس نہیں گئے اور ان کی جھوٹی باتوں کو بھی سچا کہا اور ان کے ظلم کرنے میں ان کا ہاتھ بٹایا اور ان کے ظلم کے باوجود ان کی مدد کی تو وہ مجھ سے نہیں ہیں اور میں ان سے نہیں ہوں اور نہ ہی وہ میرے حوض کوثر پر آئیں گے اور جو لوگ ان کے پاس نہیں گئے اور نہ ان کی جھوٹی باتوں کو سچا کہا اور نہ ان کے ظلم پر ان کی مدد کی، پس ایسے لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور یہ لوگ میرے حوض کوثر پر آئیں گے۔'' (ترمذی، نسائی۔ عن کعب بن عجرہؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''افضل جہاد اس آدمی کا ہے جو ظالم بادشاہ کے

سامنے سچی بات کہے۔" (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ۔عن ابی سعید خدری)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"جب اللہ تعالیٰ کسی حاکم کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو سچ بولنے والا وزیر عطا کرتے ہیں۔ اگر حاکم بھولتا ہے تو وہ یاد کرا دیتا ہے اور اگر اسے یاد ہوتا ہے تو وہ اس کی مدد کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ نہیں فرماتے تو اس کے لیے برا وزیر مہیا فرماتے ہیں اگر وہ بھولتا ہے تو اسے یاد نہیں دلاتا اور اگر اسے یاد ہوتا ہے تو بھی اس کی مدد نہیں کرتا۔" (ابوداؤد، نسائی۔عن عائشہؓ)

میں نے معاویہؓ سے کہا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس آدمی کو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی کام پر حاکم بنا دیتا ہے اور وہ لوگوں کی حاجات، شکایات اور ان کے مسائل حل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتوں، اس کی شکایات اور اس کے مسائل کو حل نہیں فرماتے۔" چنانچہ معاویہؓ نے (یہ حدیث سننے کے بعد) ایک آدمی کو لوگوں کی ضرورتوں اور شکایات سننے پر مقرر کر دیا۔

(ابوداؤد، ترمذی۔عن عمرو بن مرہؓ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جس آدمی کو لوگوں کا حاکم مقرر کیا جائے پھر وہ مظلوم اور ضرورت مند انسان کے لیے اپنا دروازہ بند کر لے تو اللہ رب العزت اپنی رحمت کے دروازے اس کے لیے اس دن بند کر دیں گے جس دن اللہ کی رحمت کی اسے شدید ضرورت ہو گی۔" (بیہقی۔عن ابی الشماخ الازدیؒ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"قاضی 3 قسم کے ہیں۔ ایک قاضی جنت میں ہوگا جب کہ دو قاضی دوزخ میں ہوں گے۔ وہ قاضی جنت میں ہو گا جس نے حق و صداقت کو معلوم کیا اس کے مطابق فیصلہ کیا اور وہ قاضی جس نے حق و صداقت کو معلوم کیا لیکن فیصلہ کرنے میں ظلم کیا وہ دوزخ میں ہو گا اور جس قاضی نے لوگوں کے درمیان جانچ پڑتال کے بغیر فیصلہ کیا وہ بھی دوزخ میں ہو گا۔"

(ابوداؤد، ابن ماجہ عن بریدہؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جس آدمی کو ہم کوئی ذمہ داری سونپیں اور اس کا وظیفہ مقرر کر دیں تو اس (وظیفہ) کے علاوہ جو مال وہ لے گا وہ خیانت ہوگی۔"

(ابوداؤد۔عن بریدہؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جس آدمی کو ہم نے کہیں عامل (ملازم) بنایا۔ اگر اس کے پاس بیوی نہیں ہے تو وہ شادی کر کے بیوی حاصل کرے اور اگر اس کے پاس خادم نہیں ہے تو وہ خادم حاصل کرے اگر اس کا گھر نہیں ہے تو وہ گھر حاصل کرے اور جو آدمی اس کے علاوہ کچھ اور لے گا تو وہ خیانت کرنے والا ہے۔"

(ابوداؤد۔عن مستورد بن شدادؓ)

(وضاحت: اسلامی حکومت کے ملازم کے لیے سہولت ہے کہ وہ بیت المال سے حق مہر اور دیگر ضروری اخراجات مثلاً رہائشی مکان اور خادم کے اخراجات وغیرہ لے سکتا ہے۔)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے اور لینے والے پر لعنت کی ہے۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ۔عن عبداللہ بن عمرو)

......☆......

شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 23

تجھ سے مانگوں میں تجھ کو

حباب جیسے خیالات اور سوچوں سے واپس آ گئی۔
''کب سے آیا ہوں، کھانا وغیرہ نہیں ملے گا۔'' ضمران آفس سے کچھ دیر سے آیا تھا۔ گھر کے تمام



افراد ہی کھانا کھا چکے تھے۔ وہ کچن سے فارغ ہو کے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

''اوہ سوری میری آنکھ لگ گئی۔ کھانا میں ابھی لاتی ہوں۔'' وہ جھٹ کھڑی ہو گئی۔

''ایسا کرتا ہوں وہیں ڈائننگ روم میں آ رہا ہوں۔ وہیں کھاؤں گا تم نے کھایا کھانا؟'' اس نے پوچھا۔

''جی۔'' اس نے سر ہلایا اور وہ نکل گئی۔ ضمران کی نگاہوں میں دیکھنے کی اس میں ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی یا پھر اسے اپنی ہی غلطیاں نظر آ رہی تھیں۔

''تم اب کیا بنا رہے ہو؟'' حباب نے مزمل کو فرائی پین میں کچھ فرائی کرتے دیکھا۔

''کچھ نہیں کباب پڑے تھے انہیں انڈوں کے ساتھ مکس کر کے سینڈوچ بنا رہا ہوں۔'' اس نے بتایا۔

''ارے آلو قیمہ بنا تو لیا ہے۔'' وہ سالن کی پتیلی چولہے پر رکھنے لگی۔

''بھابی میرا موڈ یہ بھی کھانے کا تھا۔'' وہ بولا۔

اتنے میں رضوانہ بھی آ گئیں۔ وہ عشاء کی نماز پڑھ کے اٹھیں تھیں۔



''مزمل! حد ہوتی ہے کھانا پینا کرلیا اب یہ کون سی کھانے کی تک ہے۔ پورا کچن پھیلا دیا ہے۔'' وہ اسے ڈانٹنے لگیں۔

''امی! آپ جائیں میں سب سمیٹ لوں گا۔'' وہ رضوانہ کو شانوں سے پکڑ کے کچن سے باہر لایا۔

حباب کچن پھر سمیٹنے لگی تھی۔ ضمران بھی کھانے کے لیے آگیا تھا۔

''تم تو میری بہو کا ناک میں دم کردیتے ہو۔ کب سے کچن میں لگی تھی۔ تم نے پھر پھیلا دیا۔''

''اپنی بہو کے لیے دوسری ہیلپر بہو لے آئیے۔''

''شرم نہیں آتی اپنے بھائی کی دوسری شادی کروائے گا۔'' ضمران نے اس کو گدی سے پکڑا۔

''ضروری ہے میں آپ کی بات کررہا ہوں۔ میں تو آدم بھائی کی شادی کی بات کررہا ہوں۔'' اس نے گدی چھڑائی۔ حباب اور رضوانہ ہنسنے لگی تھیں۔

''آدم کے لیے تو کوئی ایسی لڑکی ڈھونڈنی پڑے گی جو چپ رہے۔''

''امی! ان کے ساتھ، چپ رہنے والی کا گزارہ نہیں ہوگا، کیونکہ آدم بھائی جتنے مین میخ والے ہیں ان کی طرح ہی کوئی لائیے۔''

''امی! آدم کے لیے نوین کیسی رہے گی؟'' حباب نے اچانک ہی بول دیا۔

''کیا نوین، بھابی آپ آدم بھائی کے سامنے بول بھی نہیں دیجیے گا۔'' وہ اپنے فرائی کیے کباب اور انڈے ڈائننگ ٹیبل پر رکھ چکا تھا۔

''ویسے حباب نے بات ٹھیک کی ہے۔'' رضوانہ کو جیسے سمجھ آگئی۔

''آدم بھائی تو سر گھر پر اٹھالیں گے وہ پھپھو کی کسی بھی بیٹی کو برداشت نہیں کرتے ہیں۔'' مزمل آدم کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔

''امی! میں نے بس ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ آپ نوین کو چھوڑیں کوئی دوسری ہی لڑکی دیکھیں۔'' حباب بھی ڈر ہی گئی۔

''نہیں حباب! تم نے میرے دماغ میں ڈال دی ہے، اس طرح راشدہ کا بھی موڈ ٹھیک ہوجائے گا۔''

''دیکھا امی کو ابھی بھی اپنے سسرال والوں کی ہی پڑی ہے۔'' مزمل نے کہا۔

''زیادہ بڑوں کی طرح نہیں بولا کرو تم سے پوچھ کے نہیں رشتے کروں گی۔'' انہوں نے اسے سرزنش کی۔

''ارے امی! آپ کو آدم سے تو پوچھ کے کرنا پڑے گا اور آپ جانتی ہیں آدم کے مزاج کو پھپھو سے ویسے ہی وہ خوش نہیں ہوتا اور ان کی کسی بیٹی سے شادی کرے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔'' ضمران بھی آدم کے مزاج سے واقف تھا۔

''اچھا، اچھا بس کرو جو مجھے کرنا ہوگا میں کروں گی۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کے ان دونوں کی ہی بات کو رد کردیا۔

حباب تو لب کچلنے لگی۔ اسے اپنی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہ رہا تھا کیسے اس نے یہ بات کردی۔

''بھابی! آپ کو بھی ابھی بولنا تھا۔''

''مجھے کیا پتا تھا۔'' وہ شرمندہ بھی ہورہی تھی۔

جب کہ ضمران نارمل انداز میں چیئر گھسیٹ کے بیٹھا حباب کھانا لگانے لگی۔

☆......☆

''تم لوگ کان کھول کے سن لو میں جو فیصلہ کر چکا ہوں۔ وہی ہوگا۔'' انہوں نے راشدہ کو درشت اور قطعیت بھرے لہجے میں گویا جتایا۔

''بیٹی کی مرضی کے بغیر تو رشتہ نہیں کر سکتے۔'' وہ ان سے لڑ بیٹھیں۔

''دیکھو! تم نے اب تک جو کیا میں کچھ نہیں بولا۔ حتیٰ کہ تم نے اپنے بھائی کا گھر خراب کرنے میں بھی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ میں جب بھی نہیں بولا اور تم نے اپنی بیٹی کو بالکل ہی ناکارہ کر دیا ہے۔ تم نے یہ تک نہیں سوچا لڑکیوں کی عزت کتنی نازک ہوتی ہے مگر تم کچھ سوچتی تو یہ حرکتیں تو نہیں کرتیں کہ تمہاری بیٹی۔'' وہ انہیں سخت سست سنا رہے تھے۔

''ضرور یہ نوین نے آپ سے بکواس کی ہوگی۔'' راشدہ، سرفراز صاحب کے ایسے غضب ناک انداز سے ڈر تو گئی تھیں مگر پھر بھی ان پر حاوی ہونے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''نوین تم لوگوں کی طرح بے وقوف نہیں ہے کہ ہر بات مجھے بتائے اور میں کیا دیکھ نہیں رہا تھا۔ راشدہ تم نے میری نرمی کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے، میں نے تم پر کبھی روک ٹوک نہیں کی تو تم سر پر چڑھتی گئیں۔ جیسی خود سر ہو ایسی ہی نوشین کو بھی بنا دیا۔'' نوشین اپنے کمرے کے باہر کھڑی سب سن رہی تھی وہ تو راشدہ کی تیز آواز پر لاؤنج سے اٹھ کے باہر آ گئی تھی۔

''راشدہ! تم کیسی ماں ہو، بیٹیوں کو اچھی تربیت اور اچھی باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم نے سوائے نوشین کو بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اپنی بھابی سے بدلے کے چکر میں اپنی ہی بیٹی کی تم نے غصے اور نفرت میں شخصیت خراب کر دی۔'' سرفراز صاحب ان کی غلطیاں گنوا رہے تھے۔

''راشدہ! تم کیسی ماں ہو اپنی بیٹی کو تباہ کر رہی ہو تمہیں اس سے ذرا پیار نہیں۔''

''آپ مجھ پر غلط الزام تراشیاں کر رہے ہیں۔'' راشدہ کے پاس تو صفائی میں وضاحت دینے کے لیے الفاظ ہی نہیں تھے۔

''میں الزام تراشیاں نہیں کر رہا، تمہیں بتا رہا ہوں تم کیا کیا کرتی آ رہی ہو اور اب میں تمہیں اپنی بیٹی کی زندگی برباد کرنے نہیں دوں گا۔ نوشین کے لیے بہت اچھا رشتہ ہے یہ میں ہاتھ سے جانے نہیں دوں گا۔'' وہ دوٹوک لہجے میں گویا ہوئے۔

''نوشین مانے گی ہی نہیں۔'' راشدہ کو جیسے پورا پورا یقین تھا۔

''نوشین کو میں سمجھاؤں گا کیونکہ تم نے ابھی تک ماں بن کے اسے اچھا اور برا سمجھایا ہی نہیں۔'' وہ اتنے طنزیہ اور غصہ ہو رہے تھے راشدہ اچھل ہی گئیں۔

نوشین کی تو جیسے دل و دماغ کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ آج سے پہلے اس نے ابو کا ایسا انداز نہیں دیکھا تھا۔ اسے ابو کی باتیں خاصی دل کو لگی تھیں ابو کو اس کی کتنی فکر تھی اور امی نے آج تک کبھی اسے اچھا برا سمجھایا ہی نہیں، بس نفرت غصہ اور بدلہ ہی ذہن میں رہا۔ ضمران کو حاصل کرنا اس کی ضد بن چکا تھا۔ اسے ضمران سے محبت تو نہیں ہوئی اس کے بس شروع سے راشدہ نے یہ دماغ میں بٹھایا ضمران سے اس کی شادی ہوگی۔ نوشین نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ ضمران اسے ایسا کوئی رسپانس دیتا ہی نہیں ہے وہ پھر یک طرفہ بھی کوئی محبت ہوئی جب کہ نوشین نے خود کو کھنگالا اسے بھی کون سا ضمران سے محبت تھی وہ تو بس بے

وقوفی میں فضول حرکتیں کرتی جا رہی تھی۔ راشدہ کو شروع سے رضوانہ سے خار تھا۔ اس لیے کہ ان کے چار بیٹے تھے اور وہ جلن اور حسد میں مبتلا تھیں۔ کیونکہ ان کی تین بیٹیاں تھیں۔ انہیں بیٹے کی کمی شدت سے محسوس ہوتی تھی۔ شروع سے انہوں نے اپنی بیٹیوں کی پیدائش پر کبھی خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا جب کہ سرفراز صاحب نے انہیں کبھی بیٹے نہ ہونے کا کبھی طعنہ تک نہیں دیا تھا۔ ان کے ساتھ نرمی کا بھی سلوک رکھتے تھے۔ کبھی روک ٹوک نہیں کی جواب میں راشدہ نے اپنا غصہ اپنی بیٹیوں پر ہی نکالا تھا۔ نوشین کو آج بہت رونا آ رہا تھا۔

ابو نے ٹھیک کہا تھا اس کی شخصیت ہی امی نے خراب کر دی تھی۔ وہ کیوں ایسی بے وقوف بن گئی اور اپنی بہنوں کو دشمن سمجھنے لگی۔ کرن اور نوین اسے کتنا سمجھاتی رہیں کہ وہ غلط کر رہی ہے۔

''آہ...... میں نے اپنی شخصیت جو خراب کی ہے ہمیشہ کیوں امی کے کہنے پر چلتی گئی۔'' وہ تکیے میں منہ چھپا کے پھوٹ پھوٹ کے رو رہی تھی اسے آج سب سے شرمندگی ہو رہی تھی۔

☆......☆

ہیثم تیزی سے اندر آیا تھا۔ وہ عصر کی نماز پڑھ کے پنج سورہ پڑھ رہی تھی۔ ہیثم اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ بیڈ پر بیٹھی تھی جب کہ وہ اپنے کپڑے وارڈ روب سے نکالنے لگا۔ کن انکھیوں سے خوشنما کو بھی دیکھے جا رہا تھا۔

''اسے یوں اچانک سے چلنے کا کہوں گا تو بہت غصہ کرے گی۔'' ہیثم کو اسے فیس کرنا بھی بہت مشکل لگ رہا تھا۔ کئی دنوں سے دونوں میں کوئی بات چیت بھی نہیں ہو رہی تھی۔

''جب یہ پتا چلے گا رمنا کے رشتے کی میں پہلے ہی بات کر آیا ہوں اور چیخے گی۔'' اس نے اپنا اسکائی بلیو قمیض شلوار نکالا پریس بھی کروانا تھا۔ کام والی پہلے ہی چلی جاتی تھی، کپڑے پریس کروائے تو کس سے، جو ہم سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، رہی ماہ رخ وہ ٹھیک طرح کرتی نہیں ہے وہ بالوں میں ہاتھوں کی انگلیاں پھنسائے سوچ میں گم تھا۔

خوشنما پنج سورہ پڑھ کے فارغ ہو گئی تھی۔

''کپڑے پریس کرنے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''آں ہاں۔'' اس نے چونک کے سر اٹھایا۔

''اگر تکلیف نہیں ہو تو کر دو۔'' وہ صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

خوشنما نے بیڈ سے اس کا قمیض شلوار اٹھایا اور جانے لگی۔

''خوشنما ایک منٹ رکنا۔'' اس نے یکدم ہی پکار لیا۔

وہ رک گئی۔ ہیثم کا پرسوچ اور پریشان چہرہ دیکھنے لگی۔

''جی۔'' وہ اس کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔

وہ خوشنما کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

وہ دو قدم پیچھے ہو گئی۔ دل کی دھڑکن تیز ہوئی تھی۔ جب سے اس نے ہیثم سے بات چیت بند کی تھی۔ پتا نہیں احساسات ہی بدل گئے تھے۔ راتوں کو وہ گھبرا کے اٹھ جاتی تھی۔ اسے ایسا لگا ہیثم اس کے بہت قریب آ جاتا ہے مگر جب آنکھ کھول کے دیکھتی تو ہیثم بے خبر کروٹ لیے سو رہا ہوتا تھا۔

''اشعر کی امی رمنا کا رشتہ لے کے جا رہی ہیں۔ تمہیں بھی ساتھ چلنا ہوگا۔'' وہ رک رک کے گویا ہوا۔
''سارے معاملات طے کر لیے مجھے اب بتا رہے ہیں۔'' وہ تو کب سے تیار بیٹھی تھی کہ وہ کوئی بات نکالے اور وہ ہیثم پر برس پڑے۔
''دیکھو! تم نے حالات ہی ایسے کر دیے ہیں، میں سب طرف سے پریشان ہوں۔ کیا کروں۔ نانا جان کی بات مانو یا اشعر کا معاملہ سیٹ کرواؤں، تم سے یہ سارے حالات چھپے تو نہیں ہیں۔'' وہ بری طرح منتشر ہو رہا تھا۔ خوشنما پزل ہوگئی کیونکہ ہیثم کو اس طرح پریشان کبھی نہیں دیکھا تھا۔
''ابھی آپ رمنا کی بات کریں۔''
''اشعر کو رمنا پسند آئی ہے، وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا کہ پہلے تمہارے گھر والوں سے بات کر لوں تو ہی بات آگے بڑھاؤں گا تمہارے امی ابو نے مشکل سے رضامندی دی ہے۔'' وہ بتانے لگا۔
''تم سے کیسے بات کرتا تم نے میری عزت تو دو کوڑی کی کر کے رکھ دی ہے۔ کس منہ سے بات کروں تمہارا خطاوار ہوں تم پتا نہیں مجھ سے چاہتی کیا ہوں۔'' وہ بہت مضمحل اور رنجور ہو رہا تھا۔
''کچھ دیر، میں نکلنا ہے۔ اشعر کی امی انتظار کر رہی ہوں گی۔'' اس نے پھر بات ہی پلٹ دی اور واش روم میں گھس گیا۔
خوشنما کو اس پر ترس آنے لگا۔ اس نے واقعی حد کر دی تھی اب تو اس کی سزا ختم کر دے کتنی تو وہ عزت و اہمیت دیتا ہے اس گھر میں بھی کیسے نزہت مامی سے لڑ گیا تھا اس کی خاطر اگر وہ اب اسے یہاں لایا تھا تو اسے عزت و اہمیت بھی دے رہا تھا اور کیا چاہیے تھا اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا تھا۔ خوشنما اتنی تو سنگدل نہیں تھی کہ اسے یوں تڑپتا دیکھتی رہے۔
''بس کر دو خوشنما! اور کتنا جھکاؤ گی اسے اپنی غلطیاں مان تو رہا ہے تم سے کتنی معافیاں مانگ چکا ہے اتنی بھی سنگدل نہیں بنو معاف کر دو اوپر والا بھی تو معاف کر دیتا ہے پھر ہم بندے کیا چیز ہیں۔'' اندر سے کوئی ہیثم کی حمایت کر رہا تھا۔
''ہاں اب بس کر دو بہت ہو گیا۔'' وہ خود سے ہمکلام تھی۔
''کپڑے جلدی پریس کر دو جلدی جانا ہے۔'' وہ واش روم سے نکلا تو خوشنما کو ایسے ہی کھڑے دیکھا۔
''جی جی اچھا۔'' وہ گڑبڑا گئی تیزی سے قدم اٹھاتی کمرے سے نکل گئی ہیثم نے اس کی ہمکلامی سن لی تھی مگر اسے سمجھ نہیں آیا تھا وہ کسے کہہ رہی تھی۔

☆......☆

حسنیٰ اس کے کمرے میں آنے سے پہلے ہی سونے کی تیاری کر لیتی تھی۔ شہریار دو دن سے اس کی یہ حرکات و سکنات دیکھ رہا تھا۔ ابھی بھی وہ چادر تان کے لیٹی ہوئی تھی مگر اسے ایسا کیوں لگ رہا تھا وہ جاگ رہی تھی۔
''حسنیٰ! تم جاگ رہی ہو نا؟'' وہ اس کے سر پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔
مگر وہ تو ساکت و جامد ہو کے لیٹی رہی کیونکہ شہریار نے بالکل ٹھیک اندازہ لگایا تھا۔ وہ جاگ رہی ہے۔
''حسنیٰ اٹھ جاؤ۔'' وہ تیز لہجے میں گویا ہوا۔

''مجھے نیند آرہی ہے۔'' وہ بمشکل آواز کو نکال کے بولی تھی۔

''نیند آرہی ہے یہ تو مجھے بھی نظر آرہا ہے مگر مجھے تم سے بات کرنی ہے۔'' اس نے حسنیٰ کی چادر گھسیٹ کے اتار دی۔

اور وہ سرخ سرخ روئی روئی آنکھوں میں ناگواری لیے شہریار کو سنجیدہ دیکھ رہی تھی۔

''تمہاری یہ کیا حرکت ہے روز تم میرے آنے سے پہلے سونے کا ڈرامہ کر کے لیٹ جاتی ہو۔'' وہ خاصا برہم ہو رہا تھا۔

حسنیٰ نے لب بھینچ کے منہ دوسری طرف ہی کر لیا۔

''جب مجھے نیند آئے گی تو ہی سوتی ہوں مجھے ڈرامے کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ڈرامے تو آپ نے میرے ساتھ کیے ہوئے ہیں۔'' آخر کب تک برداشت کرتی وہ روہانسی ہو گئی۔

شہریار حیرانگی سے اس کی بات پر غور کرنے لگا۔ اس کا چہرہ بہت مرجھایا ہوا بھی ہو رہا تھا۔

''پل پل میری تضحیک کرتے ہیں، ہر ایک کے سامنے میری عزت دو کوڑی کی کر دیتے ہیں۔ میرا اتنا بڑا گناہ تھا آپ کو ریجیکٹ کرنے کا، آپ پل پل میری ذات کو تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں۔ میرے وجود کو تنقیدی الفاظ میں سب کے سامنے بولتے ہیں۔ میرا اتنا بڑا گناہ تھا کہ آپ نے میری عزت نفس کو مجروح کیا ہے اور ابھی بھی کر رہے ہیں آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟'' وہ پھٹ پڑی تھی۔

''میں، ہاتھ جوڑ کے آپ سے معافی مانگتی ہوئی اپنے وہ سارے الفاظ واپس لیتی ہوں جو میں نے آپ کو کہے تھے مگر پلیز مجھے بار بار جھڑکنا بند کر دیں۔'' وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کے اندر کی سسکیوں کو روکنے لگی۔

''مجھے تو کبھی کوئی محبت سچی ملی ہی نہیں۔ پیدا ہوتے ہی ماں نے پھپھو کی گود میں ڈال دیا۔ نہ مجھے سگی ماں کی محبت ملی اور نہ پالنے والی ماں کی محبت سب اپنے ہی مطلب کے ہوتے ہیں۔ میری ذات اتنی غیر اہم ہے جس کا دل چاہا اپنی مرضی چلاتا میری تو کوئی مرضی ہی نہیں رہی کبھی کسی نے مجھ سے پوچھا ہی نہیں میری ماں نے ڈانٹ ڈپٹ کے سوا کچھ نہیں دیا اور منہ بولی ماں نے سوائے اپنا سہارا بنائے رکھا اور آپ نے بھی مجھے بے وقعت کر دیا۔ حسنیٰ تو آپ کے کسی کے پاس تھی ہی نہیں وہ بس حکم سننے کے لیے دنیا میں آئی ہے۔'' وہ اپنے اندر کی محرومیاں آج زبان پر لے آئی تھی۔

شہریار کو شدت سے ندامت و شرمندگی ہو رہی تھی۔ اسے نہیں پتا تھا حسنیٰ اتنی نازک احساسات کی مالک ہے وہ تو اسے ہمیشہ لاابالی اور لاپرواہ سمجھتا رہا تھا۔ اسی لیے ہی وہ اسے ہر وقت ڈی گریڈ کرنے کے چکر میں لگا رہتا تھا۔ جب سے شادی ہوئی تھی وہ اسی کے کہنے پر تو چل رہی تھی۔ اس کی تو مرضی واقعی کہیں بھی نہیں تھی۔

''مجھے زندگی میں سب کچھ ملا زندگی کی ساری آسائشیں مگر مجھے محبت کہیں بھی نہیں ملی۔'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''مجھ سے جتنی بھی غلطیاں ہوئی ہیں، معاف کر دیجیے گا۔ اگر معافی کے قابل سمجھتے ہوں تو؟'' لہجہ طنزیہ اور روکھا بھی ہو گیا تھا۔

''زندگی بغیر محبت اور اپنائیت کے ٹھیک نہیں گزرتی جب میں آپ کو پسند نہیں تھی، موٹی بھدی لگتی تھی۔

کیوں کی شادی۔ نہیں ... آپ کو مجھ سے بدلہ جو لینا تھا کیونکہ آپ کی سوچ یہ تھی میں مغرور اور بددماغ ہوں۔ مجھے آپ ہی سبق سکھا سکتے ہیں۔ کوئی اور نہیں۔'' شہریار لب بھینچ کے رہ گیا حسنیٰ نے لمحوں میں اسے فرش پر پٹخ دیا تھا۔ وہ کتنا کچھ سوچتی تھی۔ وہ تو اسے سمجھتا ہی نہیں تھا۔

''آپ پلیز لائٹ آف کردیں مجھے سونا ہے۔'' وہ پھر لیٹ گئی تھی۔

شہریار کے پاس الفاظ ہی نہیں تھے کہ وہ کچھ بولتا مگر اسے آج یہ ادراک ہو گیا تھا حسنیٰ بہت بدگمان ہے اسے محبت اور پیار کی ضرورت ہے ورنہ وہ ایسے ہی اس سے دور ہوتی جائے گی اور وہ اپنی محبت کو ایسے بکھرنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

☆......☆

نوشین کو ایسا لگ رہا تھا اس کا نیا جنم ہوا ہو وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ اس نے سچے دل سے اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی تھی۔ نوین اور کرن اس کے ایسے بدلتے روپ پر حیران تھیں البتہ راشدہ کو جیسے چپکی لگ گئی تھی۔ تینوں ہی کچن میں گھسی ہوئی تھیں۔

''نوشین بیٹا! آپ کچھ کر رہی ہیں؟'' سرفراز صاحب نے کچن میں دیکھا وہ کھانا لگانے کی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ ''ابو! کھانا لگانے لگی ہوں۔'' اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے بیٹا! آپ لوگ کھانا لگائیں پھر مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' انہوں نے اسے بغور دیکھنے کے بعد کہا۔ جی اچھا ابو!'' اس نے سعادت مندی سے سر ہلایا۔ ابو اسی رشتے کی بات کریں گے۔'' کرن نے اس کے کان میں کہا۔

''کون سے؟'' وہ جیسے انجان بنی۔

''زیادہ بنو مت۔'' وہ ہنسی تھی۔ تینوں نے کھانا لگایا اور راشدہ کو نوین اور کرن زبردستی لے کے آئی تھیں۔

''آج تو پھر بھی ہمیں رات کے کھانے میں دیر ہو گئی ہے۔'' کرن نے کہا۔

راشدہ خاموش تھیں سرفراز گاہے بگاہے انہیں دیکھے جا رہے تھے کھانے سے فارغ ہو کے وہ نوشین کو بلا کے گئے تھے۔

نوشین سر جھکائے خاموش ہی ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ راشدہ کا ابھی بھی منہ بنا ہوا تھا۔

''دیکھو بیٹا! میں لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھوں گا۔ میرا دوست اپنی فیملی کے ساتھ امریکہ سے پاکستان آیا ہے اور اس اتوار کو وہ اپنی بیگم اور بیٹے کے ساتھ آئیں گے۔ میں چاہتا ہوں تمہارا رشتہ یہاں ہو جائے باقی اللہ کی مرضی۔''

''ابو جیسے آپ کی مرضی۔'' اس نے سعادت مندی سے رضامندی دی۔ سرفراز صاحب حیران ہی رہ گئے۔ البتہ راشدہ کے تو پتنگے ہی لگ گئے۔

''ارے ایسے کیسے مان رہی ہو۔''

''راشدہ! تم چپ رہو تمہارا کام ختم تم نے جو کرنا تھا کر لیا۔ اب مجھے کرنے دو جو مجھے کرنا ہے۔'' انہوں نے ہاتھ اٹھا کے درشت لہجے میں انہیں سرزنش ہی کی تھی۔

''امی! اب مجھے سمجھ آ گیا ہے۔ میں اس راستے پر چل رہی تھی جس پر کوئی منزل ہی نہیں تھی اور جسے میں اپنی منزل سمجھ رہی تھی۔ وہ اوپر والے نے پہلے سے ہی کسی کی منزل بنا دیا تھا۔ میں تو خود غلط راستے پر

جا رہی تھی۔'' نوشین اتنی گہری سوچ کے ساتھ بہت دھیمے لہجے میں بول رہی تھی۔
سرفراز صاحب کو اس کی ایسی بات کرنے پر بہت خوشی اور سکون ملا تھا۔ راشدہ تو دانت پیس رہی تھیں۔
''ابو! آپ نے جو بھی میرے لیے فیصلہ کیا ہے میں دل سے اس پر راضی ہوں۔''
''جیتی رہو، میری بیٹی آج تم نے مجھے خوش کر دیا اور احساس دلا دیا تم میری بیٹی ہو۔'' سرفراز صاحب نے اس کی پیشانی چوم لی۔
''میری دعا ہے میری بیٹی کے لیے سدا خوش رہو۔''
''میری مرضی کے بغیر آپ یہ رشتہ کریں گے۔'' راشدہ ابھی بھی اپنی انا کے بت کو لیے بیٹھی تھیں۔
انہیں ایسا لگ رہا تھا اگر وہ ہار مان گئیں تو سب ان پر ہنسیں گے اور سب سے زیادہ ان کی بھاوج رضوانہ اور وہ رضوانہ کو خوش نہیں رہنے دینا چاہتی تھیں۔
''راشدہ! کب تک اکیلی لڑتی رہو گی مان لو جو کچھ تم کرتی رہی ہو۔ وہ سب غلط تھا اگر اپنی غلطی مان لو گی تو تمہاری شان میں کمی نہیں آ جائے گی، غلطی مان لینے سے انسان اور بڑا ہو جاتا ہے۔''
''امی! ابو بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں اپنی نفرت اور غصے کو دور پھینکیں۔ کیونکہ نفرت اور غصے نے ہمیں سب سے دور کر دیا تھا سب کی نظروں میں ہم کتنے چھوٹے ہو گئے تھے۔'' نوشین انہیں سمجھانے لگی۔ کیونکہ اسے اپنی غلطیوں پر بہت شرمندگی تھی کتنوں سے وہ لڑ چکی تھی اور اس نے سوچ لیا تھا اپنی آئندہ زندگی شروع کرنے سے پہلے سب سے معافیاں مانگے گی۔ سب سے پہلے حباب سے کیونکہ اس کی ازدواجی زندگی کو وہی تو خراب کر رہی تھی۔
''نوشین! تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' راشدہ تو جلے پیر کی بلی کی طرح ہو رہی تھیں۔
''امی پلیز! بس بہت ہو گیا۔'' راشدہ نے اس کے اٹھے ہاتھ کو دیکھا۔
''امی! کبھی آپ نے ہم بیٹیوں کو پیار و محبت سے کچھ سمجھایا ہی نہیں اور ابو سے کبھی قریب ہونے ہی نہیں دیا۔'' راشدہ حیرانگی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ نوشین کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔
''امی! آپ نے اپنے ساتھ تو کیا کیا میرے ساتھ بھی ظلم کیا۔'' وہ رو رہی تھی۔
''ابو! قصور آپ کا بھی ہے آپ نے ہم سب کو اتنی ڈھیل کیوں دی۔'' وہ واضح الفاظ میں یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ امی کو ڈھیل کیوں دی ورنہ راشدہ تو ہنگامہ ہی کر دیتیں۔
''اچھا چلو چھوڑو ان باتوں کو ہم سب لوگ کل عتیق بھائی کے گھر چلیں گے۔''
''کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' راشدہ پھٹ پڑیں۔
''راشدہ! بس کرو اپنی اکڑ اور بت کو توڑ دو ورنہ تم خود اندر سے ٹوٹتی چلی جاؤ گی۔ کیونکہ اس میں صرف تمہارا ہی نقصان ہو گا میں اس دفعہ تمہاری ایک نہیں سنوں گا اپنی مرضی سے سب کروں گا بے عزتی تمہاری ہو گی۔'' سرفراز صاحب اتنے سنجیدہ تھے ان کے لب و لہجے سب درست تھا۔
نوشین کھڑی ہو گئی تھی کیونکہ وہ چاہتی تھی ابو امی کو اچھی طرح سمجھا دیں تاکہ وہ بعد میں کوئی ایسی بات نہیں کریں۔
''سوائے تم نے ہنگامے کرنے کے کچھ نہیں کیے ہیں۔''
''ہاں میں ہی بری ہوں۔'' وہ روہانسی ہو گئیں۔

''برا بھی تم نے اپنے آپ کو خود کیا، سدھر جاؤ ورنہ بہت برا ہوگا۔'' وہ بہت برہم ہو رہے تھے اور راشدہ سہم سی گئیں۔ آگے سے ان سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔
نوین اور کرن باہر کھڑی سب سن رہی تھیں جو ابو کو پہلے کرنا چاہیے تھا وہ آج کیا تھا۔

☆......☆

''امی! اس دفعہ راشدہ پھپھو سچ کا ہی برا مان گئی ہیں۔ جب سے ابو یہاں آئے ہیں وہ ایک دفعہ بھی نہیں آئیں۔'' طلحہ کو تشویش کے ساتھ حیرانگی بھی تھی۔
''راشدہ کو اللہ کرے عقل آجائے بچیوں کے ساتھ پتا نہیں کیا کر رہی ہے نوشین تو بالکل ہی اپ سیٹ ہوگئی ہے۔''
''آپ کو تو ابھی بھی ان کے ساتھ ہمدردی ہے۔'' مزمل کو برا لگا۔
''بچیاں بری نہیں ہیں۔ بس راشدہ کی ضد اور انا کی وجہ سے وہ سب مجبور ہوتی ہیں۔'' سب ناشتے سے فارغ ہو کے لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ سنڈے کو سب ہی ساتھ ناشتہ کرتے تھے عتیق احمد ٹی وی پر نیوز چینل لگائے بیٹھے تھے۔
''نوین اور کرن تو پھر بھی راشدہ کی باتوں میں نہیں آتی ہیں مگر نوشین اس کے کہنے پر چلتی ہے۔'' عتیق احمد نے کہا۔
''ابو! آپ کو برا نہیں لگ رہا، امی آپ کی بہن اور بھانجیوں کے بارے میں بات کر رہی ہیں۔'' مزمل نے پوچھا۔
''کوئی غلط بات نہیں کر رہی ہے ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔'' انہوں نے تائید کی۔
''امی! آج دوپہر میں کیا پکانا ہے۔'' حباب کچن سمیٹ کے آگئی تھی۔
''انہیں بس کھانا پکانے کی پڑی رہتی ہے۔'' طلحہ نے کہا۔
''بھوک کا شور بھی تم ہی سب سے زیادہ مچاتے ہو۔'' اس نے طلحہ کے سر پر چپت لگائی۔
''ارے بیٹا! ایسا کرو چکن پلاؤ بنالو، رات کو پھر دیکھتے ہیں کیا پکائیں۔'' رضوانہ نے اس وقت کا تو مسئلہ نمٹایا۔
''پلیز لہسن کی چٹنی ضرور بنائیے گا، پلاؤ کے ساتھ۔''
''دیکھا آرڈر بھی اسی کے چلتے ہیں یہ کھانا ہے وہ کھانا ہے۔'' ضمران نے ہنس کے کہا۔
''زبان کو چٹخارہ چاہیے۔''
''ارے رضوانہ! کیوں بچوں کو بولتی ہو یہی کھانے کے دن ہیں۔'' عتیق احمد نے طلحہ سے لاڈ دکھائے۔
''دیکھا ابو کو میرا کتنا خیال ہے۔''
''چل اٹھ یہاں سے کب سے پڑا ہوا لوٹ رہا ہے۔'' رضوانہ نے اس کی پشت پر دھپ لگائی۔
''میں آج آدم سے نوین کے لیے بات کروں گی۔''
''امی کیوں آپ گھر میں بے سکونی کروائیں گی آدم بالکل نہیں مانے گا۔'' ضمران نے کہا۔ حباب کو تو گھبراہٹ ہو رہی تھی کہ اس نے تو مذاق میں یہ بات کی تھی رضوانہ تو اس بات کو لے کے ہی بیٹھ گئی تھیں۔

''دیکھ لو تم کیونکہ تم آدم کے مزاج سے واقف ہو۔'' عتیق احمد گویا ہوئے۔
''میں چاہتی ہوں کہ نوین اس گھر میں بہو بن کے آئے کیونکہ وہ اچھی لڑکی ہے بات کو سمجھتی ہے اور پھر راشدہ کا بھی موڈ ٹھیک ہو جائے گا۔''
''تم راشدہ کو نہیں دیکھو آدم راضی ہوا تو کرنا کوئی زبردستی نہیں کرنا، میرے بیٹے کے ساتھ۔'' انہوں نے گویا رضوانہ کو سمجھایا۔
تھوڑی دیر میں آدم بھی اٹھ کے آ گیا تھا۔ سنڈے کی وجہ سے اسے ذرا دیر تک سونے کا موقع مل جاتا تھا۔ ورنہ تو وہ صبح ہی میڈیکل اسٹور چلا جاتا تھا۔ کچھ دنوں سے عتیق احمد بھی ساتھ جانے لگے تھے۔
''میرا بیٹا! اٹھ گیا۔'' رضوانہ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔
''آدم بھائی! امی کو آپ سے کچھ مطلب ہے اس لیے اتنا پیار کر رہی ہیں۔'' طلحہ نے لقمہ دیا۔
''بدتمیز ماں کے پیار کو بھی مطلب کہہ رہا ہے۔'' انہوں نے اس کے دھپ لگائی۔
''مجھے کچھ سن گن لگ تو گئی ہے۔'' وہ کہنی ٹکا کے بڑے صوفے پر عتیق احمد کے قریب ہی بیٹھا۔
حباب تو تیزی سے نکل گئی۔ کیونکہ وہ ویسے ہی ڈری ہوئی تھی طلحہ اور مزمل کو بھی ضمران نے اشارے سے جانے کو کہا۔
''کیسی سن گن؟'' رضوانہ نے اسے بغور دیکھا۔
''امی! میں نے کل رات بھائی کی اور آپ کی گفتگو کچن میں سنی تھی۔''
''کیا تم وہاں کب تھے؟'' وہ تو حیران رہ گئیں۔
''میں موبائل کا چارجر طلحہ سے لینے اس کے کمرے میں جا رہا تھا۔ آپ سب کے کچھ شور کی آوازیں تھیں سن لیا۔'' وہ اطمینان سے بولا۔
''امی! پھر تو آپ کا مسئلہ ہی آسان ہو گیا۔ آدم کو شروع سے بات بتانے کی ضرورت نہیں۔'' ضمران نے کہا۔
''رضوانہ! میں اپنے بیٹے پر کوئی زبردستی نہیں چاہتا راشدہ کی جو حرکتیں رہی ہیں اس کے بعد میرے بیٹے کیسے قبول کریں گے۔'' عتیق احمد نے کہا۔
''ابو! آج تک ہم بیٹوں نے امی کی کوئی بات بھی رد نہیں کی ہے۔'' وہ اٹھ کے بیٹھا۔
''اس بات پر تو مجھے بھی فخر ہے تم چاروں کی تربیت رضوانہ نے بہت اچھی کی ہے۔'' وہ شرمندہ تھے۔ کیونکہ جب ان کے بچے چھوٹے تھے وہ رضوانہ کا ساتھ تک دینے کے لیے نہیں تھے۔ کس مشکلوں سے بچوں کو پالا ان کے ماں باپ کے گھر کے حصے میں سے ان کے بھائی نے حصہ دیا تھا۔ سر چھپانے کی جگہ مل گئی تھی اور پھر اس گھر کو انہوں نے بیٹوں کی کمائی سے بنایا تھا۔
''آدم! تمہیں نوین پسند ہو تو اس رشتے پر رضامندی دینا، کوئی زبردستی اپنی ماں کی وجہ سے یہ فیصلہ نہیں کرنا کہ اپنی ماں کا ہمیشہ کہنا مانا ہے۔'' اس بار بھی ایسا ہی کرو گے اور میں نہیں چاہتا میری وجہ سے پھر کوئی غلط بات ہو جائے۔''
''ارے ابو! آپ ایسی بات کیوں کر رہے ہیں۔'' آدم نے انہیں ریلیکس کیا کیونکہ اس نے نوٹ کیا تھا جب سے وہ یہاں آئے تھے ان سب سے شرمندہ ہی رہتے تھے۔

''پھر بیٹا! اپنے دل سے فیصلہ کرنا۔'' انہوں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔
''تو پھر سنیے امی وہ لڑکی فیشن بہت کرتی ہے اور میک اپ۔'' وہ سر کھجانے لگا۔
''کیا......؟'' وہ تو حیران رہ گئیں۔ کیونکہ آدم سے اتنی جلدی رضا مندی، یقین نہیں آیا۔
''ارے فیشن میک اپ تو نوشین کرتی ہے نوین اور کرن نہیں کرتی ہیں۔'' ضمران نے جھٹ وضاحت دی۔
''لیکن پتا نہیں مجھے ایسا لگتا ہے وہ بھی کرتی ہے۔'' وہ منمنایا۔
نوین سے اس کی دو ایک بار تکرار اور بحث ہوگئی تھی۔ اس نے پھر آنا بھی کم کر دیا تھا لیکن جب سے عتیق احمد نے بتایا تھا نوین نے ہی انہیں سمجھا کے یہاں بھیجا تھا تو اسے ایک لمحے کو نوین کا خیال آنے لگا تھا۔ وہ اس سے یقیناً ڈرتی تھی۔ بات بھی کم کرتی تھی۔ وہ اسے بھی نوشین کی طرح ہی سمجھتا تھا مگر وہ بہت مختلف تھی۔
''اب تم میک اپ کو ایشو بنا کے انکار نہیں کرنا۔'' ضمران نے مسکرا کے کہا۔
''خیر میں ایسا تو بالکل نہیں کرنے والا بٹ آپ لوگ یہ سوچ لیں پھپھو راضی ہو جائیں گی رشتہ کرنے پر۔''
''راشدہ اگر راضی نہیں ہوئی تو کیا ہوا ہم زبردستی منائیں گے۔'' رضوانہ، آدم کی نیم رضا مندی پا کے جیسے خوش ہوگئیں۔
اتنے میں مزمل حباب کو بلا کے لے آیا وہ ان سب کے سامنے جھینپ رہی تھی کیونکہ یہ بات بھی تو اسی کی نکالی ہوئی تھی۔
''مبارک ہو بھابی! آپ کی دیورانی آنے والی ہے اور آپ کی تجویز کردہ۔'' مزمل نے شوخی سے کہا۔
''حباب نے نوین کا نام لے کے جیسے میری مشکل ہی آسان کر دی ہے۔'' رضوانہ نے اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھا۔
طلحہ نے تو بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ آدم نے کشن اٹھا کے مارا۔
''ابھی وہاں سے کوئی جواب نہیں ہے اس لیے زیادہ خوش نہیں ہو۔''
''آدم بھائی جواب ہاں میں ہی آئے گا۔'' اسے جیسے مکمل یقین ہی تھا۔
عتیق احمد اپنے چاروں بیٹوں کو بڑے فخر سے دیکھ رہے تھے۔

☆......☆

رمنا اور اشعر کا رشتہ طے ہوگیا تھا۔ حالانکہ اشعر اس سے پہلے بھی اپنی خواہش ظاہر کر چکا تھا۔ اسے موقع ہی نہیں ملا تھا۔ گھر جا کے امی اور ابو سے بات کرنے کا کیونکہ اسی دوران فاران کا مسئلہ کھڑا ہو چکا تھا۔ گھر کی فضا ابھی تک مکدر ہی تھی مگر زندگی کچھ معمول پر آگئی تھی۔ نزہت مامی کچن میں بھی نظر آنے لگی تھیں۔
خوشنما کی کوشش ہوتی تھی اس کا اور ان کا سامنا نہیں ہو۔ کیونکہ جب وہ نخوت سے منہ بناتی تھیں اسے اپنی تضحیک ہی لگتی تھی۔
اس وقت بھی وہ روٹیاں بنا کے کچن سے نکل رہی تھی کہ ان سے ٹکراؤ ہوگیا۔ جھٹ سلام کر دیا۔
''وعلیکم السلام!'' بڑی نرمی سے جواب دیا تھا۔ خوشنما تو حیرت و انبساط میں ڈوب گئی۔ آج پہلی دفعہ

نزہت مامی نے اس کے سلام کا جواب دیا تھا وہ بھی اتنی نرمی سے۔
وہ شاید چائے وغیرہ بنانے آئی تھیں اس کی اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ پوچھ لے اور کچھ بنا دے۔ وہ کچن سے نکل گئی۔

''شاہدہ مامی میں نے روٹیاں بنا دی ہیں۔'' سنڈے تھا سب ہی اپنی اپنی مرضی سے جب موڈ ہوتا تھا کھانا کھاتا تھا۔

ہیثم لگتا تھا نانا جان کے روم میں تھا۔ اس نے ابھی تک ناشتہ نہیں کیا تھا۔ وہ اپنی انا کی وجہ سے اس سے مخاطب بھی نہیں ہوئی تھی۔ مگر جب یہ سوچتی ہیثم نے اس کے ساتھ اب تک اچھا ہی کیا تھا اس کے کڑوے کسیلے جملوں کے جواب میں کبھی بھی برا بھلا نہیں کہا تھا جب کہ وہی اسے سناتی ہی رہتی تھی۔ رمنا کا رشتہ بھی اشعر سے لگوا دیا تھا ابو اور امی کی رات دن کی فکر رمنا اور ایمن کی شادی تھی۔ وہ دوسرے فرض سے بھی سبکدوش ہونے جا رہے تھے اور یہ خوشنما کے لیے خوش کن بات ہی تھی۔

وہ نہانے کی تیاری کرنے لگی۔ ظہر کی نماز بھی پڑھنی تھی۔ اتنے میں وہ ایزی سے قمیض شلوار میں ملبوس بڑی گہری سوچ کے ساتھ اندر آیا تھا۔

اس نے ہیثم کو دیکھا جو اسے ہی بغور دیکھ رہا تھا۔ گھبرا کے اس نے نگاہیں اپنے بالوں میں برش چلانے پر مرکوز کر دیں۔

'اپنے دل میں میرے لیے احساس ہے جب ہی نانا جان سے یہ بات بھی کر لی۔ اسے بڑی خوشی ہو رہی تھی خوشنما اس کے لیے نرم گوشہ رکھتی ہے جب ہی تو اس نے یہ نکاح والا معاملہ نانا جان کو بتا دیا ورنہ وہ کتنا پریشان تھا۔

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں نانا جان کے علم میں ساری بات آ چکی ہے۔''

''کون سی بات؟'' وہ ڈریسنگ ٹیبل کے مرر سے اس کا کھلتا ہوا چہرہ دیکھ چکی تھی۔

''یہی کہ میں نے کوئی نکاح نہیں کیا اور جس لڑکی کو میں گھر لایا تھا وہ تم تھیں۔''

''سچ تو بتانا تھا نانا جان بہت پریشان تھے آپ کی طرف سے اس لیے میں نے سچ بتا دیا۔'' وہ نگاہ چرانے لگی۔

''اس کا مطلب تم بھی میرے لیے نرم جذبات رکھتی ہو۔'' وہ مبہم مسکراہٹ لیے اسے معنی خیزی سے دیکھتے ہوئے قریب آ گیا۔

''میں نے ایسا کب کہا؟'' وہ گڑبڑا گئی اور کھلے بالوں کو لپیٹ کے جوڑا بنا لیا۔

''خوشنما تم اب مجھ سے جھوٹ بول رہی ہو۔'' وہ سمجھ گیا تھا۔ ساری لڑکیاں انا کے چکر میں اپنا نقصان ہی کرتی ہیں اور خوشنما کو وہ ایسا کرنے نہیں دے گا اس سے اقرار تو سن کے ہی رہے گا۔

''میں کیوں جھوٹ بولوں گی آپ نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے وہ سب کیا کم تھا جو میں بھول کے آپ کے لیے ایسا سوچنے لگوں گی۔'' خوشنما کے ہاتھوں سے تو پسینہ ہی پھوٹنے لگا تھا۔ ہیثم اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

''سنو جھوٹ کو چھپانا بہت مشکل ہوتا ہے اور پھر جب میں تم سے اتنی محبت کرنے لگا ہوں مجھے یقین ہے میرے سچے جذبے ہی تمہیں میرے پاس لائیں گے۔''

''محبت اور جذبے۔'' وہ تمسخر اڑانے لگی۔
''یہ محبت اور جذبے اس وقت کہاں چلے گئے تھے۔''
''یار تم وہ بات دہرانا بند نہیں کرو گی لوگ تو برے دنوں کو بھول جانا پسند کرتے ہیں اور تم انہیں یاد ہی کرتی رہتی ہو یہ یاد کیوں نہیں رکھتی ہو میں تمہیں کتنا چاہنے لگا ہوں۔ محبت کرنے لگا ہوں تمہیں وارفتگی سے محسوس کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے خوشنما کو شانوں سے تھاما وہ گھبرانے لگی۔ وہ اتنی جلدی تو نہیں پگھلنا چاہتی تھی۔
''کیا کر رہے ہیں چھوڑیں۔''
''تم کب سمجھو گی مجھے۔'' اس نے شانے چھوڑ دیئے۔ خوشنما اپنے کپڑے اٹھا کے واش روم میں گھس گئی۔
''دیکھتا ہوں تم مجھ سے کب تک بچو گی اقرار تمہیں کرنا ہی پڑے گا اور یہ میں کروا کے ہی رہوں گا۔ اس نے بھی جیسے مصمم ارادہ باندھ لیا تھا وہ خوشنما کو تمام تر جذبوں سمیت جیت ہی لے گا۔

☆......☆

اس کے سامان کی وہ پیکنگ کر رہی تھی۔ ایک ایک چیز کی لسٹ بنائی تھی۔ سارے کپڑے پریس کر کے رکھے تھے۔ وہ بہت خاموش سی ہو گئی تھی۔ شہریار نے بھی بلاوجہ روک ٹوک ختم ہی کر دی تھی۔ وہ حیران بھی تھی شہریار تو ایک منٹ بھی اسے سنائے بغیر نہیں رہتا تھا۔
''اور کچھ چیز رہ گئی ہو تو وہ بھی مجھے بتا دیں میں آپ کے سوٹ کیس میں رکھ دوں گی۔'' اس نے تاول تہہ کر کے اس کے بیگ میں رکھے۔
''آں ہاں بتا دوں گا۔'' وہ بیڈ کی بیک کراؤن سے ٹیک لگائے لیٹا تھا۔
حسنیٰ کاسنی کاٹن کے ایمبرائیڈری کے ملگجے سے سوٹ میں الجھے بکھرے بالوں کے ساتھ بیٹھی تھی اس نے خود پر بھی توجہ دینا چھوڑ دی تھی دونوں کی شادی کو تین ماہ کا عرصہ ہی بمشکل گزرا تھا۔
''اچھا میں کچن میں جا رہی ہوں امی کے لیے روٹیاں بنانی ہیں۔''
''حسنیٰ کیا تم ابھی تک ناراض ہو۔'' وہ رک رک کے پوچھنے لگا۔ وہ حسنیٰ کے چہرے کے رنگ بھی دیکھ رہا تھا جو پھیکے پڑ رہے تھے۔
''بھابی بنا دیں گی۔'' وہ اس کا راستہ روک کے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔
''بنا تو دیں گی مگر پھر آپ کی امی کی باتیں سننے کا مجھ میں دم نہیں شادی سے پہلے اپنی امی کی باتیں سنتی تھی اور شادی کے آپ کی امی کی میں تو جیسے باتیں ہی سننے کے لیے پیدا ہوئی ہوں۔'' وہ بہت افسردہ ہو رہی تھی۔
شہریار نے جز بز ہو کے لب بھینچے وہ طنزیہ بھی ہوتی جا رہی تھی حسنیٰ تو ایسی نہیں تھی یا پھر وہ اسے سمجھتا تھا کہ وہ ہر بات کو سیریس نہ لینے والی ہو مگر وہ تو ہر بات کو اتنا گہرائی سے محسوس کرنے لگی تھی۔ اس کے ہونٹوں کی ہنسی بھی جیسے کہیں گم ہو گئی تھی۔
''میں اماں کو سمجھا دوں گا۔''
''کیا کیا سمجھائیں گے۔ کمرے میں پردے نہ لگنے کا، طعنہ دیتی ہیں۔ کہتی ہیں کہ ہم نے تو اس لیے

نہیں لگائے تھے کہ تم جہیز میں لاؤ گی۔''

''اف یہ اماں بھی پتہ نہیں کیسی باتیں کرنے لگی ہیں۔'' وہ شرمندگی سے اپنی عرق آلود پیشانی صاف کرنے لگا۔

''وہ ایسی باتیں ہمیشہ سے کرتی آرہی ہیں۔ ابھی کوئی نئی نہیں کرتی ہیں۔'' اس نے طنز کرنے کے ساتھ شہریار کو شرمندہ کیا۔

''حسنیٰ تم اتنی روکھی کیوں ہو رہی ہو۔''

''جب زندگی ہی روکھی ہو گئی ہو تو طبیعت اور مزاج میں اس کا اثر آجاتا ہے۔'' وہ سائیڈ سے ہو کے جانے لگی۔

''اوہو تم تو آرٹسٹ ہونے کے ساتھ فلاسفر بھی بن گئی ہو۔'' مسکرا کے اس کے چہرے کو دیکھنے لگا۔

''انسان کوئی اوپر سے فلاسفر بن کے نہیں آتا یہ سب حالات اور واقعات بناتے ہیں۔'' وہ شہریار کو دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔

''اور یہ آرٹسٹ تمہیں کن حالات و واقعات نے بتایا۔'' وہ اسے باتوں میں لگا کے اس کا موڈ ٹھیک کرنا چاہ رہا تھا۔

''وہ سب میرے بے فکری کے شوق تھے مجھے ماحول ہی ایسا دیا گیا کہ اپنی مرضی سے کچھ بھی کروں۔''

''اچھا اپنی مرضی سے اس دن تو کہہ رہی تھیں تمہاری کوئی مرضی نہیں تھی۔ سب نے اپنی مرضی سے چلایا ہے۔'' سینے پر باز و لپیٹ کے وہ جیسے اسے لاجواب ہی کرنا چاہ رہا تھا۔

''میری مرضی میرے شوق کے لیے تھی اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کے لیے نہیں میری زندگی پر سب نے اپنی مرضی مسلط کی ہے۔''

''ارے واہ تمہارے پاس تو ہر طرح کا جواب ہے۔'' وہ ہنسا۔

''پلیز مجھے جانے دیں۔''

''جا تو میں رہا ہوں تم مجھے ایسے ہی جانے دو گی۔'' اس نے حسنیٰ کا ہاتھ تھام لیا آنکھوں میں معنی خیزی تھی۔

''آپ اپنی مرضی سے آئے ہیں اور اپنی مرضی سے جا رہے ہیں۔ میں کون ہوتی ہوں اختیارات رکھنے والی۔'' آنکھوں میں نمی در آئی ان تین ماہ کے عرصے میں اسے شہریار سے سچ مچ کی محبت ہو گئی تھی۔ اسے اس کی عادت ہو گئی تھی۔ وہ حیران تھی کہ شہریار اس کے لیے اتنا اہم ہو گیا تھا کہ اس کے بغیر رہنے کا سوچ کے ہی آنکھیں ڈبڈبانے لگی تھیں۔ حالانکہ وہ بے عزت کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔ پھر بھی وہ اس کے دل کے قریب ہو گیا تھا۔

''سارے اختیارات تو اب تم ہی رکھتی ہو۔'' اس نے شانوں سے پکڑ کے اسے اپنے سامنے کیا۔

حسنیٰ نے بے یقینی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا کہیں یہ مذاق تو نہیں یا خواب وہ اسے کئی لمحے تک دیکھتی رہی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔'' اس نے بیڈ پر بٹھایا، حسنیٰ کو حقیقت سمجھنے میں دیر لگ رہی تھی۔ کہیں یہ شہریار کا دوسرا روپ تو نہیں ہے، عزت کرنے کا وہ سارے طریقوں سے اس کا تمسخر اڑا چکا تھا۔

''ارے کیا ہوا؟'' شہر یار نے اس کا ہاتھ چوم لیا۔
''تمہارے ہاتھ بہت نرم ملائم ہیں۔ پینٹنگ سیکھنے کے ساتھ کیا ہاتھوں کو نرم ملائم بنانے کا بھی کورس کر رہی تھیں۔''
''جی نہیں۔'' وہ جھینپ گئی اور اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔
''یہ بھی کوئی طنز ہے یا مذاق۔'' وہ جیسے کسی خوش گمانی میں نہیں رہنا چاہتی تھی۔ یہاں تو اسے سب کتنا خوب صورت کہتے تھے۔ اس کی فرینڈز اور مما اسے تو دیکھتے نہیں تھکتی تھیں۔ باقاعدگی سے پارلر ضرور بھیجتی تھیں تاکہ خوب صورت ہی نظر آئے۔ سارا زمانہ اس کی تعریفیں کرتا تھا اور اسے بھی تو کتنا غرور ہو گیا تھا اس کے لیے لڑکوں کی کمی ہے مگر جب شہر یار اسے بے دردی سے سناتا تھا اس کا دل ہی خراب ہو جاتا تھا۔ ہر وقت موٹی ہونے کا طعنہ دیتا تھا اور وہ بھی کانشس رہنے لگی تھی۔
''میں کوئی مذاق اور طنز نہیں کر رہا بلکہ سچ کہہ رہا ہوں یہ الگ بات ہے کہ مجھے عادت نہیں ہر وقت تعریفیں کرنے کی اور میں کہتا ہوں انسان کی صورت سے زیادہ وہ سیرت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔'' وہ ساتھ ہی اس پر یہ واضح کرنا چاہتا تھا وہ خوب صورتی کے پیچھے بھاگنے والوں میں سے نہیں ہے۔ وہ حقیقت پسند اور بردبار طبیعت کا تھا۔ حسنیٰ سے اسے بچپن سے ہی کچھ لگاؤ تھا اور پھر بڑے ہونے کے ساتھ محبت کا جذبہ بھی پروان چڑھا مگر جب حسنیٰ نے اس کا رشتہ رد کیا شہر یار کو بہت غصہ آیا تھا مگر اسے بھی ضد تھی وہ اپنے آپ کو بہت اعلیٰ بنا کے دکھائے گا اس کی جاب کینیڈا میں لگی تو نسرین کی نگاہ شہر یار پر ہی ٹک گئی وہ حسنیٰ کو حاصل کرنے کے لیے خود کو اس مقام تک لایا تھا۔
''میں نے تو کبھی یہ بھی نہیں سوچا کہ میں خوب صورت ہوں لیکن آپ موٹی موٹی کہتے تھے مجھے بہت غصہ آتا تھا۔''
''اگر تم خوب صورتی سے زیادہ اپنی سیرت اور عادت پر دھیان دیتیں تو تمہیں یہ دن دیکھنا نہیں پڑتا خود کو گھر کے کاموں میں لگاتیں تو موٹی بھی نہیں ہوتیں۔''
''میری امی کرواتی تو تھیں سل تک پر چٹنی پسوائی انہوں نے مما نے تو مجھے ہل کر پانی نہیں پینے دیا۔''
''پھپھو کو تمہاری فکر تھی اسی لیے وہ تم سے کام کرواتی تھیں تاکہ تمہیں عادت ہو۔''
''یہ کیسی فکر تھی کہ بیٹی پر اتنے کام لاد دو۔'' وہ بولی۔
''پھپھو کو تمہاری شادی کی فکر تھی جب کہ تمہاری مما تو کبھی کہتی ہی نہیں ہوں گی کہ تمہاری شادی ہو۔'' شہر یار اس کے ذہن و دل پر لگی بدگمانی کی دھند صاف کرنے میں لگ گیا۔
''ہاں یہ آپ نے ٹھیک کہا۔''
''اگر تمہاری مما بھی کام کرواتیں تو تم ایسی نہیں ہوتیں بلکہ بڑھ بڑھ کے کام کرتیں۔''
''میں کبھی شادی کے متعلق سوچتی ہی نہیں تھی۔ سب کچھ تو مل جاتا تھا۔''
''حسنیٰ زندگی ان آسائشوں کے سہارے پر ہی نہیں گزاری جاتی ہے کہیں نہ کہیں زندگی کے حصے میں ہمیں کسی کی ضرورت ضرور پڑتی ہے۔'' اس نے پھر حسنیٰ کا ہاتھ پکڑا۔
''تم بڑی ہو گئی ہو اور شادی شدہ بھی کوئی تم پر زبردستی اپنی مرضی نہیں مسلط کرے گا۔ پھپھو نے جو بہتر سمجھا وہ کیا اور ایک ماں، بیٹی کو چاہتی ہے کہ گھر کے کام کاج میں طاق ہو۔''

''میری امی نے کون سا میرے لیے کچھ کیا اپنے گھومنے پھرنے کی پرواہ کی اور مجھے مما کی گود میں کیوں دیا۔'' اسے یہی احساس تو مارتا تھا۔

''پھپھو کو صرف تمہاری پھپھو کا خیال کیا تھا کہ وہ اکیلی ہیں پھر انہوں نے خود تمہیں مانگا تھا۔ پھپھو کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ تم ان سے بالکل ہی متنفر ہو جاؤ گی۔''

''یہ آپ ایسے کیسے کہہ سکتے ہیں۔'' وہ حیرانگی سے پوچھنے لگی۔

''پھپھو نے اس دن خود اماں سے کہا تھا جب وہ تمہیں گھر لے جانا چاہ رہی تھیں۔ تم تو غصے میں اٹھ کر چلی گئی تھیں۔''

''ہوں۔'' وہ اتنا ہی بول سکی۔

''حسنیٰ آنٹی دادی جان بلا رہی ہیں۔'' زین کی آواز آئی۔

''اف مجھے روٹی بنانی ہے۔'' وہ تیزی سے اٹھ کر جانے لگی۔

شہریار اپنی بات ادھوری رہ جانے پر ہتھیلی پر مکا مار کے رہ گیا۔

☆......☆

حباب نے آج بڑے دل سے کمرے کی صفائی کی اور خود بھی نہا دھو کے اچھا سا سوٹ پہنا آج وہ اور رضوانہ آدم کا رشتہ لے کے راشدہ پھپھو کے ہاں جا رہی تھیں اور وہ اس لیے بھی خوش تھی کہ ضمران سے معافی مانگ لے گی اپنے سرد رویے کی۔ حسنیٰ نے اسے سمجھایا تھا اور اس کی سمجھ بھی آ گیا تھا ضمران تو اس سے بہت محبت اور پیار کرتا تھا جواب میں وہ اسے اگنور ہی کرتی آ رہی تھی۔ بلیو جدید اسٹائلش سوٹ میں وہ اپنے دراز بالوں کی چوٹی بنائے لائٹ میک اپ میں بہت دلکش اور حسین ترین لگ رہی تھی۔ عتیق احمد مٹھائی وغیرہ مزمل کے ساتھ خود جا کے لائے تھے۔

ضمران بھی تیار ہو کے آ گیا تھا۔ فان کلر کے قمیض شلوار میں نک سک سے تیار ڈیشنگ لگ رہا تھا۔

''آپ لوگ اتنی تیاریاں کر کے جا تو رہے ہیں وہاں کے حالات کا تو پتا کر لیتے کیونکہ راشدہ پھپھو، کافی عرصے سے آئی نہیں ہیں۔'' طلحہ نے ان سب کی تیاری دیکھنے کے بعد کہا۔

''جاتے وقت کوئی فضول بات نہیں کرو اچھا سوچ کے جا رہے ہیں۔ اچھا ہی ہوگا۔'' رضوانہ اسکن کلر کے نیٹ کے کپڑوں میں بہت سوبر اور پروقار لگ رہی تھیں۔

''امی میں تو ایک بات کہہ رہا ہوں۔'' وہ جز بز ہو کے صوفے پر ہی نیم دراز ہو گیا۔

حباب ایک لمحے کو ٹھٹھک کے سوچ میں پڑ گئی وہ ضمران سے مخاطب ہوئی۔

''سینے طلحہ ویسے ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' ضمران نے بغور اسے دیکھا آج کیسے استحقاق سے وہ اس سے مخاطب ہوئی تھی۔ کچھ دنوں سے اس کی حرکات و سکنات بھی نوٹ کر رہا تھا وہ اس سے روکھی گفتگو نہیں کر رہی تھی بلکہ اس کی ہر چیز اور بات کا خیال کر رہی تھی۔

''آپ کی امی ابھی تک نہیں آئیں۔'' رضوانہ کو اپنی ساس کا بھی خیال تھا۔ رات ہی تو وہ عتیق احمد سے کہہ رہی تھیں انہیں ضرور لے کے جانا ہوگا۔

''میں نے انہیں نہیں کہا تھا جانے کو اور نہ ہی رشتے کے بارے میں۔''

''مگر کیوں۔'' رضوانہ نے حیرانگی سے انہیں دیکھا۔

''وہ راشدہ کو پہلے سے بتا دیتیں اس لیے میں نہیں چاہتا تھا کہ وہاں یہ بات پہلے نہیں پہنچنی چاہیے تھی۔'' عتیق احمد خاصے سنجیدہ تھے۔

ضمران اور حباب کچھ بولنا ہی چاہتے تھے۔ عتیق احمد کے ہاتھ کے اشارے نے انہیں چپ رہنے کو کہا۔

''کوئی بھی بحث نہیں ہوگی میں جو بہتر سمجھ رہا ہوں وہ کر رہا ہوں جب تک راشدہ یہ رشتہ قبول نہیں کر لیتی میں امی کو خود سے نہیں بتاؤں گا۔ کیونکہ امی راشدہ کو مجبور بھی کر سکتی ہیں اور میں راشدہ کے دماغ کو اچھی طرح جانتا ہوں، کیا کیا سوچ سکتی ہے۔''

''ارے آپ بھی کیا باتیں لے کے بیٹھ گئے۔''

''رضوانہ تم میری بات کاٹنے کی کوشش مت کرو ہر جگہ تمہاری نہیں چل سکتی مانتا ہوں مجھ سے زیادہ بچوں پر حق تمہارا ہے مگر میں ہر بات کا ازالہ کرنے کے لیے صحیح اور غلط میں فرق ضرور رکھوں گا کوئی فیصلہ وہ بھی بچوں کے معاملے میں غلط نہیں ہونے دوں گا۔'' وہ لب بھینچ کے رہ گئیں۔ آدم نے بھی ان کی بات سنی تھی۔ عتیق احمد ایک ذمے دار باپ کی طرح ہر بات کا خیال کر رہے تھے اور اسے یہ خوشی ہوئی تھی۔ وہ ان سب کو بہت عزیز رکھتے تھے۔

''اب جلدی نکلو بہت دیر ہوگئی ہے۔'' عتیق احمد نے پھر ان سب کو چلنے کا کہا۔

ابھی وہ سب جانے کے لیے نکل ہی رہے تھے۔

سرفراز صاحب کو دیکھ کر سب متحیر زدہ رہ گئے۔ راشدہ اور ان کی تینوں بیٹیاں بھی تھیں راشدہ کا اتنی تیاریاں دیکھ کر ماتھا ٹھنکا تھا۔

نوشین کرن اور نوین ان سب سے سلام دعا کرنے لگیں ان سب کو نوشین کے اتنے بدلے روپ پر حیرانگی ہو رہی تھی۔

''آپ سب لوگ لگتا ہے کہیں جا رہے تھے۔''

سرفراز صاحب نے مٹھائی کے بڑے بڑے دو ڈبے گولڈن ریپنگ میں پیک دیکھے۔

''مامی لگتا ہے کسی خاص مقصد کے لیے جا رہی ہیں آپ لوگ؟'' نوین نے حباب کو بھی اتنا نک سک سے تیار دیکھا۔

''ہاں۔'' وہ مسکرائی تھیں۔

''پھوپھا جان! آج آپ کو اتنے عرصے بعد اپنے گھر میں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔'' ضمران کو واقعی ان کی آمد پر بہت خوشی ہو رہی تھی۔

''میں یہاں آنا چاہتا تھا مگر اس شرمندگی میں نہیں آتا تھا راشدہ نے جانے کیا کیا کہہ کے عتیق بھائی کو آپ سب کی طرف سے بدظن کر کے گھر روکا ہوا تھا میں کتنا راشدہ کو سمجھاتا تھا مگر انہیں تو جیسے یہ ضد سوار تھی کہ رضوانہ بھابی کو خوش نہیں رہنے دے گی کیونکہ انہیں جانے کیوں آپ سب سے اتنا بیر تھا۔'' راشدہ لب بھینچے سر جھکائے جانے غصہ میں تھیں یا شرمندگی میں تھیں۔

(جاری ہے)

آسیہ مظہر چوہدری

اس مٹی کا قرض

''السلام علیکم بی جان کیسی ہیں آپ؟'' فون کے دوسری جانب سلینہ تھی۔

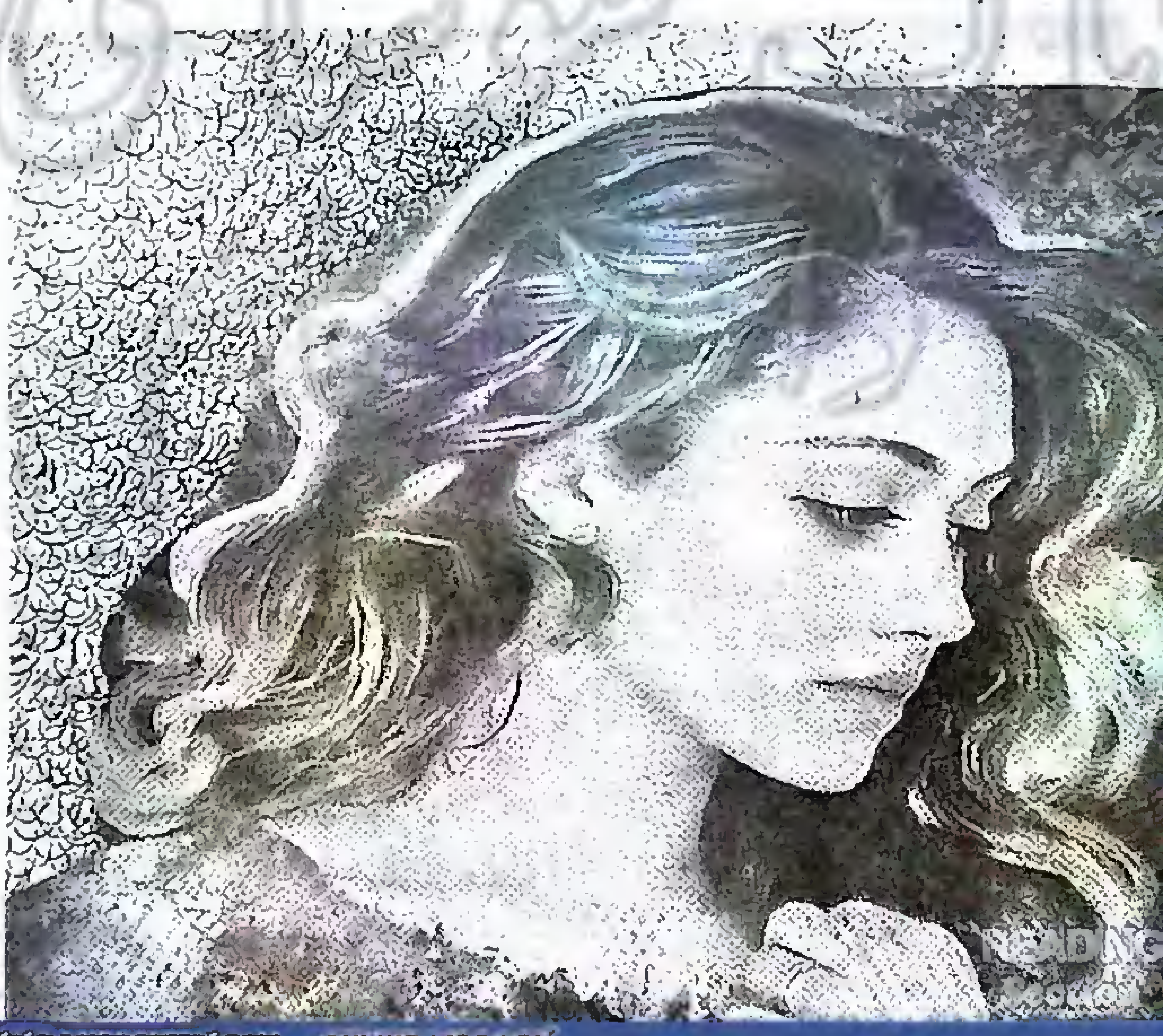
''ارے...... وعلیکم السلام کیسی ہو میری جان اور بڑے دن بعد فون کیا خیریت تو تھی ناں؟'' بی جان نے سلام کا جواب دیتے ہوئے شائستگی سے پوچھا۔

''جی بی جان! سب خیریت تھی۔ بس وہ حماد کے چھوٹے چچا اپنی فیملی کے ساتھ امریکہ سے آئے ہوئے تھے، بس ان کی مصروفیت تھی۔'' سلینہ نے خیریت کی بابت بتایا۔

''ہوں چلے گئے کیا؟'' بی جان نے پوچھا۔

''نہیں اب اسلام آباد اپنے گھر چلے گئے ہیں۔''

''بچے ٹھیک ہیں؟''



''جی بی جان! سب ٹھیک ٹھاک ہیں آپ بتائیں عدیل کا کوئی فون آیا۔'' سلینہ نے بھائی کے بارے میں دریافت کیا۔

''ہاں کل آیا تھا میرے بچے کا فون۔ اللہ اسے لمبی زندگی دے میں اس کی خوشیاں دیکھوں۔''

بی جان کے لہجے میں شفقت اور نرمی کی مٹھاس دبی تھی۔ دوسری جانب سلینہ نے آمین کہا اور مسکرا دی۔

''اچھا بی جان! جس کام کی وجہ سے میں نے فون کیا وہ تو میں بھول ہی گئی۔'' سلینہ کو کچھ یاد آیا تھا۔

''ہاں بولو۔'' بی جان ہمہ تن گوش ہوئیں۔

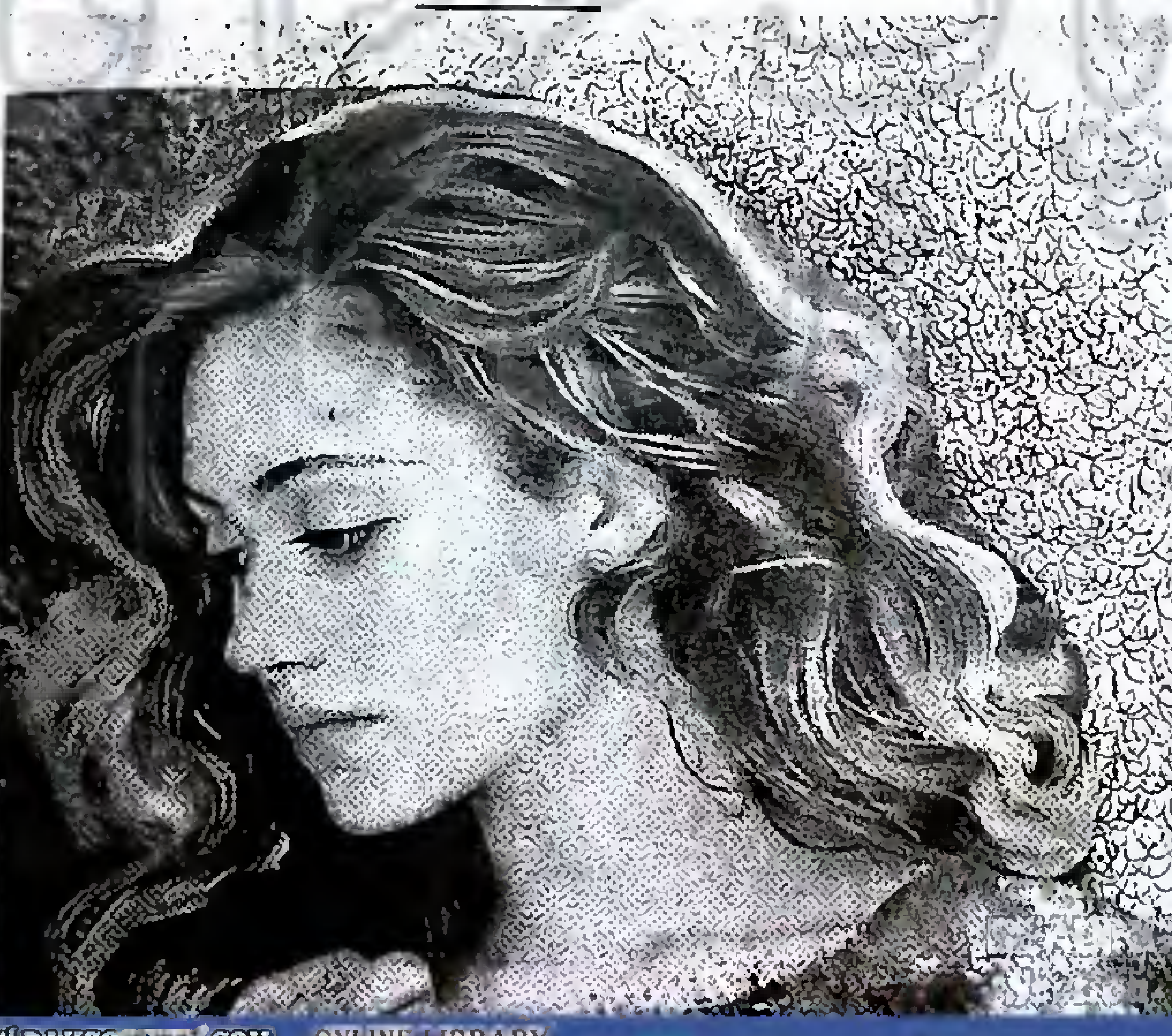
''بی جان! عدیل کے بارے میں کیا سوچا ہے آپ نے۔''

''کیا مطلب؟'' بی جان ناسمجھی کے عالم میں گویا ہوئیں۔

''ارے مطلب یہ بی جان کہ کب اس کو رشتہ ازدواج میں باندھنا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

''سلینہ تمہاری گھما پھرا کر بات کرنے والی عادت ابھی تک گئی نہیں۔ سیدھی طرح نہیں بتا سکتی تھیں۔''

مکمل ناول



بی جان نے اسے ڈپٹا اور پھر بولیں۔
''میری تو یہ دلی خواہش ہے کہ عدیل کے سر پر سہرا سجا دیکھوں لیکن وہ مانے تو ناں۔'' بی جان نے افسردگی سے اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا تھا۔
''بی جان! اس کی منگنی کو دو سال ہونے کو آرہے ہیں، کل میں، ثمینہ آنٹی کے ہاں گئی تو انہوں نے باتوں ہی باتوں میں اس قصے کی جانب اشارہ کیا تو میں کچھ نہ کہہ سکی۔ بی جان بیٹیوں کے ماں باپ کی سو مجبوریاں ہوتی ہیں وہ کب تک اسے گھر بٹھائیں، آخر لوگ تو باتیں بناتے ہیں کہ پتا نہیں کیا وجہ ہے جو لڑکی ابھی تک گھر بٹھائی ہوئی ہے۔'' سلینہ نے تفصیلاً بات کی تھی اور اس کی یہ باتیں سن کر بی جان بھی سوچ میں پڑ گئی تھیں۔
''اچھا...... اب فون کیا تو میں سنجیدگی سے بات کروں گی۔'' اماں بی نے جواباً کہا تھا۔
''گھر کب تک آرہا ہے؟'' سلینہ نے پوچھا۔
''کہہ رہا تھا کہ شاید ہفتے تک چکر لگائے۔'' بی جان نے بتایا۔
''اچھا بی جان! شاید زینب اٹھ گئی ہے اب فون رکھتی ہوں۔'' سلینہ نے اجازت چاہی تھی اور بی جان نے اللہ حافظ کہہ کر فون کریڈل پر رکھ دیا۔

☆......☆

''ماہا بیٹا! آج تین چار ڈشز ساتھ اور بنا لینا۔'' ثمینہ بیگم نے کچن میں آتے ہی ماہا سے کہا تھا۔
''کیوں امی جان مہمان آرہے ہیں کیا؟'' اس نے جواباً پوچھا۔
''ہاں سلینہ آرہی ہے اور ساتھ شاید اس کی ساس وغیرہ۔'' ثمینہ نے ٹماٹر شاپر سے نکال کر ٹوکری میں رکھتے ہوئے کہا اور دو ٹماٹر علیحدہ نکال کر کاٹنے لگیں۔
''امی کوئی خاص بات ہے؟'' وہ جھجکتے ہوئے بولی تھی۔
''پتا نہیں۔ اب یہ تو ان کے آنے پر ہی پتا چلے گا۔'' ثمینہ بیگم کاٹے ہوئے ٹماٹر پلیٹ سے ڈھک کر فریج میں رکھنے کے لیے مڑ گئیں جب کہ ماہا کچھ سوچ کر آپ ہی آپ مسکرانے لگی۔
سوہنی دھرتی اللہ رکھے قدم قدم آباد
قدم قدم آباد تجھے قدم قدم آباد تجھے
ٹی وی پر کوئی قومی میوزیکل پروگرام چل رہا تھا اور بی جان، شبو (نوکرانی) کے ساتھ بیٹھیں اُون کے گولوں سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں کہ اچانک شبو اکتا کر بولی۔
''بی جان! یہ کیا لگا رکھا ہے کوئی ڈرامہ لگا ئیں ناں اسٹار پلس لگا دیں انڈیا کے بڑے اچھے ڈرامے لگتے ہیں۔'' ابھی شبو کی بات ادھوری ہی تھی کہ بی جان نے اس کی کمر پر زور کا دھمو کا جڑا۔ شبو اس پر بلبلا کر رہ گئی۔
''اری کم بخت کیڑے پڑیں موئے انڈیا کو، ستیاناس ہو جو فحاشی کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں اور تیرے جیسے لوگ ڈوب مریں جو فحاشی کے پروگرام دیکھتے ہیں چلو بھر پانی میں ڈوب مر کم بخت ماری، ارے یہ وہی ہیں جن کو مسلمان ایک آنکھ نہیں بھاتے، پاکستان کو تباہ کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں دہشت گردی پھیلا رہے ہیں لیکن ہم مسلمان بس انڈیا کے ڈرامے گانے فلمیں دیکھ دیکھ کر آنکھیں بند کر بیٹھے ہیں۔ ارے ذرا

اپنے کشمیر کی مثال لو، ارے ہمارے پاکستان کا جگر کا ٹکڑا ان مردودوں کے پاس ہے، ارے وہاں لاکھوں مسلمان روز شہید ہو رہے ہیں۔ عورتوں کی عزت لٹتی ہیں۔ بچے اسکولوں میں نہیں جا سکتے۔ یہ سب ہمیں نظر نہیں آتا۔ میں ان کم بختوں کے ڈرامے دیکھ لوں۔''

بی جان کو جلال آ گیا تھا وہ کبھی بھی غصہ ہوتی تھیں لیکن جب ہوتیں تو پھر کسی کی نہیں سنتیں اور اپنے پاکستان سے تو انہیں حد سے زیادہ پیار تھا۔ لگاؤ تھا۔ اس کے خلاف تو وہ ایک لفظ نہیں سن سکتیں تھیں اور دوسری بات وہ ایک جانباز سپاہی کی بیوی تھیں تو کیسے پاکستان سے پیار نہ ہوتا، جنہوں نے سپاہی فضل کے ساتھ شادی کی۔ پہلی رات یہی کہا تھا کہ وہ پاکستان کی خاطر ہر دکھ تکلیف برداشت کریں گی۔ پھر انہوں نے یہ عہد خوب نبھایا۔ شوہر کو پاکستان کی خاطر قربان کر دیا۔ یہ بڑا دکھ انہوں نے ہنس کے برداشت کیا تھا۔ پر دوسرا دکھ انہوں نے اپنا آبائی گھر اپنے تین سالہ عدیل اور پانچ سالہ سلینہ کے ساتھ چھوڑا تو انہوں نے اف تک نہ کیا وہ خوش تھیں کہ وہ اپنے پاکستان کی خاطر یہ سب برداشت کر رہی ہیں اور اب وہ شبو کی بات سن کر ہتھے سے اکھڑ گئیں کیونکہ شبو نے ان کے مزاج کے خلاف جو بات کی تھی۔

☆......☆

''ارے ماہا! کہاں ہو، دو دن سے یونی نہیں آ رہی۔ زرینہ بھی تمہارا پوچھ رہی تھی۔'' وہ واش روم سے باہر نکلی ہی تھی کہ فون کی بیل نے اسے متوجہ کیا۔ اس نے لپک کر جلدی سے فون اٹھایا ہی تھا کہ نازنین کی چہچہاتی آواز سن کر وہ مسکرا کر رہ گئی۔

''میں مصروف تھی تمہیں پتا تو ہے۔'' وہ شرمائی شرمائی سی بولی تھی۔

''ارے واہ تو موصوف کی وجہ سے چھٹیاں ہو رہی ہیں۔'' نازنین چٹکلے چھوڑنے لگی تھی۔

''اب تمہاری اوٹ پٹانگ باتیں یونیورسٹی آ کر سنوں گی۔ فی الحال I am busy.۔'' اس نے جان چھڑائی۔

''اچھا، اچھا اب زیادہ مس ورلڈ بننے کی ضرورت نہیں۔ پتا ہے کیپٹن عدیل فضل کی زوجہ محترمہ بننے جا رہی ہو۔'' وہ ابھی بھی شرارت کے موڈ میں تھی۔

''بدتمیز کہیں کی۔'' ماہا نے جواباً کہا۔

''ارے اب تو ہم بدتمیز ہی لگیں گے ناں تمیز والے جو مل گئے ہیں۔'' وہ اب کہاں باز آنے والی تھی۔ شرارت پر شرارت کیے جا رہی تھی۔

''توبہ ہے تم سے اللہ حافظ۔'' اس نے فوراً فون کاٹ دیا اور باہر کی جانب چل دی۔

☆......☆

''ارے یار عدیل! گھر کب جا رہا ہے تو؟'' سلیمان نے واش روم سے آتے عدیل سے پوچھا تھا۔

''بس یار! پروگرام بنا رہا ہوں لیکن ٹائم ہی نہیں نکل رہا بی جان بس ناراض ہو رہی ہیں لیکن یار تمہیں تو پتا ہے ناں سوات کے حالات کیا ہیں۔ میجر شیر دل بار بار بلا رہے ہیں اور شاید حالات زیادہ سنگین ہونے پر آپریشن کرنا پڑے تجھے پتا ہے میجر عرفان کتنے سخت ہیں اور آج کل ان ہی کی ڈیوٹی ہے۔'' اس نے گیلا تولیہ اسٹینڈ پر لٹکایا اور اسٹڈی ٹیبل پر آ بیٹھا۔

''ارے یار! تیری تو منگیتر بھی ہے ناں؟'' سلیمان نے پوچھا۔

''ہاں یار! بس زیادہ ٹینشن تو اس بات کی ہے وہ میری اور ماہا کی شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن میں ابھی اس کے لیے تیار نہیں ہوں یار۔'' سلیمان اس کا بچپن کا دوست تھا۔ اس لیے وہ اس سے ہر دل کی بات کہہ لیا کرتا تھا۔

''لیکن عدیل! یہ بھی تو غلط ہے نا کہ کسی کو انتظار کی سولی پر لٹکایا جائے۔'' سلیمان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

''بس یار! یہی تو سوچ رہا ہوں، کیا کروں۔''

''تو ماہا بھابی سے بات کر پھر آگے کا معاملہ سوچنا۔'' سلیمان نے اسے معقول مشورہ دیا اور عدیل محض سر ہلا کر رہ گیا۔

☆......☆

''ماہا آپی! نیچے مہمان آئے ہیں۔ امی کہہ رہی ہیں جلدی نیچے آئیں۔'' زویا نے آتے ہی امی کا بلاوا دیا اور جھٹ باہر نکل گئی۔ وہ کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھی، کپڑے ٹھیک ہی تھے، بس منہ ہاتھ دھونا تھا۔ وہ جھٹ سے واش روم میں گھس گئی اور دو منٹ بعد وہ نیچے کچن میں تھی۔ کچن میں بوا اور زویا مختلف چیزیں پلیٹوں میں بھر رہی تھیں۔ اسے آتے دیکھ کر بوا مسکرا دیں جب کہ زویا نے وکٹری کا نشان بنایا۔ وہ اس کی شرارت سمجھ کر ہنس دی۔

''چلیں ماہا آپی! چیزیں تیار ہیں ٹرالی باہر لے جائیں۔'' زویا نے پلیٹیں رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''زویا! کون...... کون آیا ہے؟'' اس نے باہر جاتے ہوئے پوچھا۔

''آپ کی نند صاحبہ تشریف لائی ہیں۔'' زویا مسکراتے ہوئے بولی اور کچن سے باہر نکل گئی جب کہ اس نے بھی زویا کی تقلید میں باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

☆......☆

سوات کے حالات کافی خراب ہو رہے تھے۔ فوجی جوانوں کی تعیناتی سوات میں موجود کیمپوں میں کی جا رہی تھی۔ میجر فرقان، میجر شیر دل، کیپٹن عدیل کی ڈیوٹی بھی آج کل وہیں تھی۔ اس افراتفری میں وہ گھر فون بھی نہ کر سکا کہ اپنے نہ آنے کی اطلاع کر دے۔ پتا تھا بی جان اور سلینہ ناراض ہوں گی لیکن وہ کوشش بھی نہ کر سکا اب سوچ رہا تھا کہ اگلے ہفتے کا کوئی پکا پروگرام بنائے لیکن جیسے حالات تھے ناممکن تھا اور اسے گھر سے زیادہ یہاں کی فکر تھی۔ اس لیے وہ سب کام پس پشت ڈالے آپریشن کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

''اری، شبو کسی وقت تو تیزی سے ہاتھ چلا لیا کر، تجھے چائے بنانے بھیجا تھا۔ پائے پکانے نہیں اری کم بخت سو گئی کیا۔'' بی جان نے لاؤنج میں بیٹھتے ہی شبو صاحبہ کو اونچی ہانک لگائی تھی۔

''آئی بی جان۔'' شبو زور سے بولی۔

''ارے جہاں آراء تیری شبو تو بڑی سست اور کاہل ہے۔'' بی جان کی خاص سہیلی فریدہ آپا آئیں ہوئی تھیں۔ فریدہ آپا اور بی جان کی دوستی کافی پرانی تھی۔ فریدہ آپا کے شوہر کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔ ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔ تینوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ ایک بیٹی امریکہ اور دوسری دبئی میں مقیم تھی۔ فریدہ آپا بیٹے اور بہو کے ساتھ رہ رہی تھیں۔ بیٹا ابھی تک بے اولاد تھا۔ بس فریدہ آپا کو یہی غم کھائے جا رہا تھا کہ بیٹے کی گود ابھی تک سونی ہے۔ وہ کب دادی بنے گی اور بی جان انہیں سمجھاتی تھیں کہ اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ وہ

اپنے بندوں کو مایوس نہیں کرتا، بس اچھی امیدیں رکھنی چاہئیں۔ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے لیکن فریدہ آپا جب بھی آتیں یہ موضوع ضرور گوش گزار کرتیں۔

''ارے او شبو تیرا ستیاناس کہاں مرگئی۔'' بی جان نے دوبارہ ہانک لگائی تھی لیکن اس دفعہ مس شبو کو رحم آگیا تھا وہ چائے سمیت تشریف لے آئی تھی۔

''توبہ ہے شبو، بڑی کاہل ہے تو۔'' فریدہ آپا نے اس کی شان میں قصیدہ کہا۔

''ارے فریدہ بی! آپ بھی ناں ہر وقت شبو کاہل، شبو کاہل لگائے رکھتی ہیں۔ جب بھی آتی ہیں کبھی تو محبت بھرا جملہ کہہ دیا کریں جیسے شبو ڈارلنگ، سوسوئیٹ، اینڈ کیوٹ اف شرم آگئی۔'' وہ آنکھیں مٹکا مٹکا کر بولی پھر سے لالو لال ہوگئی۔

''ہائے توبہ تیری یہ شبو تو نری ایکٹر ہے۔'' فریدہ آپا اس کے یہ چونچلے دیکھ کر بوکھلا گئیں جب کہ بی جان نے اسے خونخوار نظروں سے گھورا تھا لیکن جب وہ متوجہ کہاں تھی لیکن بی جان کا کمر پر جوتا لگنے پر ہڑبڑا کر اچھل پڑی تھی۔

''تیری شرم میں ابھی نکالتی ہوں۔'' بی جان نے دوسرا جوتا اتارتے ہوئے کہا لیکن وہ تیزی سے بھاگ گئی۔

☆......☆

یہ کون سی ہیں
جن کے ہاتھوں سے اشرفیاں چھن چھن چھن
دھرتی کے پیہم پیاسے
کشکول کو بھرتی جاتی ہیں

آج صبح ہی اطلاع ملی تھی کہ سوات کے آپریشن میں موجود دو فوجی کمپنیوں کو دھماکے سے اڑا دیا گیا تھا جس کے نتیجے میں سولہ فوجی جوان شہید ہو چکے تھے۔ یہ افسوس ناک خبر سن کر ہر آنکھ اشکبار تھی۔ بی جان نے جب یہ خبر سنی تو دہل کر رہ گئیں۔ انہوں نے فوراً سے پیشتر عدیل کو فون ملایا تھا لیکن ہر بار رابطہ منقطع ہو جاتا تھا۔ بی جان کو پریشانی نے آگھیرا تھا۔ انہوں نے فوراً سلینہ کو کال ملائی۔

''سلینہ میرا بچہ۔'' بی جان نے روتے ہوئے کہا تھا۔

''ارے بی جان! صبر کریں پلیز۔'' سلینہ ان کے رونے سے گھبرا گئی تھی۔

''سلینہ میرا عدیل فون نہیں اٹھا رہا۔'' بی جان خوف و خدشے سے لرز رہی تھیں۔

''ارے بی جان میری اور کامران کی عدیل سے بات ہوئی ہے وہ خیریت سے ہے۔ جو سانحہ ہوا ہے اس میں مصروف ہے اور ابھی آپ کو فون بھی کرے گا۔ مت روئیے آپ۔'' سلینہ نے انہیں تسلی دی تھی بی جان یہ سن کر مطمئن ہوگئی تھیں۔

''ارے ماہا، جلدی سے سلینہ کو فون تو ملاؤ ابھی ابھی نیوز چینل سے دہشت ناک خبر سن کر میرا تو دل گھبرا گیا ہے۔'' ثمینہ بیگم نے اس کے کمرے میں آتے ہی پریشانی سے کہا تھا۔ وہ یہ سن کر ساکت رہ گئی تھی۔

''امی جان! خیریت تو ہے، کہیں......'' کسی خدشے کے تحت الفاظ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر منہ سے نکل رہے تھے۔

''اللہ خیر ہی کرے فون کر و جلدی۔'' ثمینہ بیگم نے دوبارہ کہا اور تیزی سے باہر نکل گئیں۔
وہ تذبذب سے کھڑی تھی کہ فون کرے یا نہیں، ہچکچاہٹ بھی آڑے آ رہی تھی لیکن بہر حال فون تو کرنا تھا۔
اس نے فون بک سے سلینہ کا نمبر نکالا اور پھر لیس کا بٹن دبا دیا۔ تیسری بیل پر ہی فون اٹھا لیا گیا تھا۔
''ہیلو، جی کون؟'' دوسری جانب سلینہ مخاطب تھی۔
''السلام علیکم سلینہ آپی۔'' وہ جھجکتی ہوئی بولی۔
''وعلیکم السلام، ماہا تم کیسی ہو؟''
''میں ٹھیک، آپ کیسی ہیں۔'' وہ بولی۔
''میں بھی ٹھیک۔''
''وہ امی آپ سے بات کرنا چاہتی ہیں۔''
''اوکے دو۔'' سلینہ نے کہا اور وہ فون ہولڈ کرتی امی کے کمرے کی جانب چل دی۔
''عدیل بس اب تم جلدی سے گھر آ جاؤ، مجھے کچھ نہیں سننا۔'' بی جان، عدیل پر غصہ ہو رہی تھیں۔
''بی جان! مجھے آپ یہاں کی کنڈیشن ایسی نہیں ہے کہ میں آ سکوں۔'' اس کا لہجہ نرم اور فکر سے لبریز تھا۔
''تو ٹھیک ہے تم دو دن کی چھٹی لے لو تو نکاح کر کے واپس چلے جانا۔'' بی جان نے دھما کا کیا۔
''بی جان! اتنی جلدی کیسے؟'' وہ لڑکھڑا گیا تھا۔
''اتنی جلدی...... ! ارے واہ عدیل دو سال کی منگنی کو تم جلدی کہہ رہے ہو، بیٹا ہر ذمہ داری میں تناسب رکھنا چاہیے۔ مجھے تم سے زیادہ اپنے ملک کی فکر ہے لیکن دنیا داری اور رشتوں کو بھی دیکھنا چاہیے۔ وہ لڑکی والے ہیں اور تم جانتے ہو لڑکی کے ماں باپ کی کیا کیا مجبوریاں ہوتی ہیں۔ بس میں اور کچھ نہیں کہوں گی تم سمجھدار ہو۔''
''لیکن بی جان......'' بی جان نے فوراً فون کاٹ دیا تھا۔

☆......☆

''ہاں سلینہ! میں تو پریشان ہو گئی تھی، چلو شکر ہے تسلی ہو گئی۔'' وہ ثمینہ کو فون پکڑا کر وہیں پاس ہی بیٹھ گئی تھیں اور اب ان کی گفتگو سن رہی تھی۔
''سلینہ! ایک بات کہوں؟'' ثمینہ نے اس کی جانب دیکھا تو وہ گھبرا گئی۔
''جی آنٹی کہیے۔'' دوسری جانب سلینہ بولی۔
''سلینہ میں اب چاہتی ہوں ماہا کے فرض سے جلد سبکدوش ہو جاؤں، پھر مجھے زویا کی طرف بھی دھیان دینا ہے۔ وہ بھی عمر کے ایک حصے کو پہنچ رہی ہے۔ میں چاہتی ہوں جلد سے جلد دونوں کے فرض سے فارغ ہو جاؤں میں۔''
''جی آنٹی! میں بھی یہی چاہتی ہوں اور بی جان کی بھی یہی خواہش ہے کہ ماہا جلد از جلد ہمارے گھر آ جائے اور بی جان اور میری عدیل سے بات ہوئی ہے بس وہ جیسے ہی گھر آئے گا نکاح کر لیں گے۔'' سلینہ نے ان کی بات کے جواب میں کہا۔ ادھر ماہا سے بیٹھنا دوبھر ہو رہا تھا۔ وہ شرم سے پانی پانی ہو گئی تھی۔ ثمینہ بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر مسکرا دیں۔
''اچھا سلینہ اللہ حافظ۔'' ثمینہ نے فون بند کر دیا۔

''امی سب ٹھیک ہے ناں۔''

''ہاں بیٹا! سب ٹھیک ہے بس تم جلدی سے زرمین کو فون کرو۔'' انہوں نے فون سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

''کیوں امی۔'' ماہا نے ناسمجھی کے عالم میں پوچھا۔

''تمہارا ویڈنگ ڈریس، وہی ڈیزائن کرے گی اس لیے پاگل۔'' ثمینہ نے اسے چپت لگائی وہ یہ سن کر شرما گئی۔

☆......☆

پھر دونوں طرف شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ دوسری طرف عدیل حد سے زیادہ مصروف ہو گیا تھا کیونکہ آرمی چیف نے ان سب کی تعیناتی متاثرہ علاقوں میں لگا دی تھی۔ ایسے میں اسے سلیمان کی بات بھی بھول چکی تھی نہ وہ سلینہ کو فون کر سکا تھا اور نہ ماہا کا نمبر لے سکا تھا۔ وہ کافی مصروف تھا کیونکہ وہ چاہتا تھا جانے سے پہلے وہ اپنے ذمے لگے تمام کام نمٹا لے۔ کیونکہ بی جان نے اور سلینہ نے فون پر بتا دیا تھا کہ وہ نکاح کی ڈیٹ فکس کر چکی ہیں۔ بس اس کے آنے کے دو دن بعد نکاح کر دیا جائے گا۔ وہ دو ہفتے کی چھٹیاں پہلے ہی لے چکا تھا اس لیے اسے اس طرف کی پریشانی نہیں تھی۔ پریشانی تو بس صرف ایک بات کی تھی لیکن وہ اس پریشانی کو بیان کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں رکھتا تھا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے گھر والے اس کی وجہ سے پریشان ہو جائیں۔ اس لیے وہ خاموش ہو جاتا تھا کیونکہ اس کی نظر میں خاموشی ہی بہترین ذریعہ تھا۔ خاموشی سب راز چھپا لیتی ہے گہرائی کے غلاف میں لپیٹ لیتی ہے۔ گہرائی کے اندر تک۔

☆......☆

سلینہ اور ثمینہ دونوں کے بازاروں کے چکر بار بار لگ رہے تھے۔ بی جان نے جہیز لینے سے منع کر دیا تھا لیکن ثمینہ بیگم چاہتی تھیں کہ وہ بیٹی کو خالی ہاتھ نہ بھیجیں جوان کی استطاعت ہے اس کے مطابق ہر چیز دیں سلینہ بھی بری کی تیاریوں میں مگن تھی۔ ویسے تو یہ فنکشن عدیل کے کہنے پر چھوٹے پیمانے پر رکھا گیا تھا۔ صرف قریبی اور چیدہ چیدہ رشتے داروں اور قریبی عزیزوں کو مدعو کیا گیا تھا لیکن بی جان کی خواہش تھی کہ وہ اپنے سارے ارمان پورے کریں۔ فضل ولا کو دلہن کی طرح سجایا جا رہا تھا اور مس شبو بھی اپنی تیاریوں میں مصروف تھیں اور کیوں نہ ہوتیں آخر اس کے چھوٹے صاحب کی شادی تھی۔

''اری او شبو! اور کتنی اپنی کالی چمڑی کو چمکائے گی۔ بس کر دے بھوتنی لگ رہی ہے۔'' بی جان نے اس کی شکل دیکھ کر کہا تھا اور بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی تھی۔

''ہائے بی جان! میری گوری رنگت نرم جلد کو کالی چمڑی کہہ کر تذلیل نہ کریں۔ پورے پانچ سو کا محلے کے پارلر سے وائٹ فیشل کروایا ہے۔'' اس نے منہ بسورتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''پانچ سو کا فیشل!'' بی جان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''ہاں تو اور کیا ایک ہزار والا بھی تھا۔ وہ شادی پر کرواؤں گی۔'' شبو نے اگلا منصوبہ گوش گزار کیا۔ بی جان کو اچھو لگ گیا تھا یہ سن کر۔ انہوں نے اسے گھور کر دیکھا۔

''ارے کم بخت تجھے جو دو ہزار روپے کپڑوں کے لیے دیا تھا۔ وہ تو ان اللے تللوں میں خرچ کر آئی ارے تیرا ستیاناس ہو۔'' بی جان نے اسے کوسا تھا۔

''وہ تو سلینہ باجی نے لے کر دینا تھا جوڑا، میں نے ان سے کہا تھا۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ پتا تھا بی جان کا جوتا حملے کے لیے تیار ہو رہا ہے۔

''ارے تیرا ستیاناس کم بخت شبو۔'' بی جان نے یہ سن کر جوتا کھینچ مارا لیکن وہ تیزی سے بھاگ لی تھی۔

''عدیل آ رہا ہے بی جان! ابھی ابھی اس کا فون آیا ہے۔'' بی جان زیورات کے ڈیزائن چیک کر رہی تھیں جب سلینہ نے آ کر اطلاع دی۔

''اللہ خیر سے لائے میرے بچے کو، تم کامران کو بھیجو۔ ایئر پورٹ جہاز کتنے بجے لینڈ کرے گا۔'' بی جان نے پوچھا تھا۔

''بی جان! میں اور حماد جائیں گے کامران کو کوئی کام تھا وہ لاہور گئے ہوئے ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے، شبو کو میرے پاس بھیجنا اور ہاں ثمینہ کو دوبارہ فون کیا تم نے؟'' بی جان نے سلینہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تھا اور گولڈ کیک ہاتھ میں پکڑی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''جی بی جان! ماہا سے بھی ہوئی تھی اور آنٹی سے بھی۔ وہ بھی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔'' سلینہ نے جواب دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے اور ہاں سنو۔'' انہیں نے جاتی سلینہ کو پکارا۔

''جی بی جان۔'' سلینہ پلٹی۔

''فریدہ کو فون کر دینا، تمہیں پتا ہے اس کا، ذرا دیر سے پیغام دیا تو منہ پھلائے رکھے گی۔''

''اچھا بی جان۔'' سلینہ مسکراتے ہوئے پلٹ گئی جب کہ بی جان جیولر کو فون کرنے چل دیں۔

☆......☆

فلائٹ 2:30 کی تھی لیکن کچھ پرابلم کی وجہ سے لیٹ ہو گئی تھی۔ سلینہ، دو بجے ہی ایئر پورٹ کے لیے نکل گئی تھی اور وہاں پہنچ کر اس کی کوفت اور بڑھ گئی کیونکہ فلائٹ کا نیا ٹائم 4:20 تھا۔ وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔ اسلام آباد ایئر پورٹ کی گہما گہمی حسب معمول عروج پر تھی۔ مسافر آ رہے تھے کچھ جانے کے لیے تیار تھے۔ وہ Waiting room میں بیٹھ کر انتظار کرنے لگی۔ حماد اس کی گود میں تھا اچانک اس کی ساتھ والی نشست پر ایک خوبرو سا مرد آ بیٹھا تھا جسے دیکھ کر اس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔

☆......☆

انسان کے اندر بہت سی خواہشیں سر ابھارتی ہیں وہ چاہتا ہے اس کی تمام خواہشیں پوری ہوں لیکن کبھی کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ کچھ خواہشیں ادھوری بھی رہ جاتی ہیں۔ سلینہ، فضل علی کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوا تھا۔ بظاہر وہ اب خوش و مطمئن تھی لیکن اس کی ایک خواہش نہ پوری ہونے کی کسک ابھی بھی اس کے دل میں موجود تھی لیکن اس نے سمجھوتا کر لیا تھا۔ کئی دفعہ سمجھوتہ کرنے سے انسان کی پوری زندگی آسان اور سہل ہو جاتی ہے اور جو سمجھوتہ نہیں کرتے اپنے آپ کو بڑی شے سمجھتے ہیں وہ منہ کی کھاتے ہیں۔ ان کا غرور، تکبر انہیں لے ڈوبتا ہے۔ پھر وہ تہی داماں رہ جاتے ہیں وہ لاحاصل رہ جاتے ہیں اور جو اللہ پر بھروسا کرتے ہیں اس پاک ذات سے ہر شے مانگتے ہیں ہر خواہش کرتے ہیں وہ پاک اور اعلیٰ ذات ان کو ہر آسائش پہلے سے زیادہ دیتا ہے۔ کیونکہ وہ غفور رحیم ہے، بے نیاز ہے اور اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے۔ آپ اسی کے آگے جھولی پھیلائیں اس سے دعا مانگیں وہ آپ کی دعا ضرور قبول کرے گا۔ دعائیں کبھی رد نہیں ہوتیں۔ دعائیں تقدیر کو

بدل دیتی ہیں۔ دعا میں بڑی طاقت ہے۔ سلینہ نے بھی اپنے لیے بہتری کی دعا کی تھی اور جو اس کے لیے بہتر تھا اسے مل گیا تھا۔ وہ خوش تھی اور اپنے رب کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتی تھی۔

شیر دل آفندی سے اس کی میل ملاقات کالج کے کیفے ٹیریا میں ہوئی تھی۔ شیر دل آفندی کا تعلق صوبہ سرحد کے کسی قبیلے سے تھا۔ وہ یہاں اعلیٰ تعلیم کے لیے آیا تھا۔ بس پہلی ملاقات ہی میں دل کا دروازہ وا ہو گیا تھا، شیر دل آفندی شادی کا خواہش مند تھا لیکن سلینہ جانتی تھی نہ اس کے گھر والے یہ رشتہ قبول کریں گے اور نہ شیر دل کے قبیلے والے اسے بہو تسلیم کریں گے۔ اس نے یہ بات شیر دل آفندی کو دوٹوک کہہ دی تھی۔

''سلینہ! ہم کورٹ میرج کرلیں گے۔'' اس نے مشورہ دیا تھا اور سلینہ اس کے مشورے پر ساکت رہ گئی تھی۔

''دل، تم ایسی بات کرو گے مجھے اندازہ نہیں تھا۔ میں ایسی محبت کو ٹھوکر مارتی ہوں جو میرے خاندان کی رسوائی کا سبب بنے۔ بس یہ ہماری آخری ملاقات ہے آج کے بعد ہمارے راستے الگ الگ ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ رکی نہیں تھی اور تیز تیز قدم اٹھاتی کیفے ٹیریا سے باہر نکل گئی تھی اور ساتھ ساتھ اس کی زندگی سے بھی ایک ناکام، خاموش، خودغرض محبت کا خاتمہ ہو گیا تھا اور دور سربہ کیف چوٹیاں ان کی اس محبت پر ہنس رہی تھیں۔ ایک دو تین اور کھیل ختم...... محبت کا قصہ تمام۔

اور آج اسے یوں اپنے روبرو دیکھ کر وہ جم گئی تھی جیسے اس میں ہلنے کی بھی طاقت نہ رہی ہو۔

''سلینہ تم......'' اس کے لہجے میں جوش تھا۔

''ہاں شیر دل! تم یہاں کیسے۔'' اس نے اپنے حواسوں پر قابو پالیا تھا۔

''ہاں میں امریکہ جا رہا ہوں۔ آج کی فلائٹ سے لیکن اس فلائٹ میں کافی ٹائم ہے۔'' اس نے جواز پیش کیا۔

''ہوں میں بھی یہاں اپنے شوہر کو ریسیو کرنے آئی ہوں۔'' اس نے جھوٹ بولا تھا۔ یہ سن کر شیر دل ساکت رہ گیا۔

''تم نے شادی کرلی؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں یہ میرا سب سے چھوٹا بیٹا ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر بتانے لگی۔

''اور تمہاری شادی ہوئی؟''

''ہاں میرا بھی ایک بیٹا ہے۔'' یہ سن کر پتا نہیں اسے صدمہ محسوس ہوا تھا۔

''خوشی ہوئی تم سے مل کر۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم خوش ہو نا؟'' شیر دل نے اچانک اس سے پوچھا۔

''ہاں بہت، اوکے تم سے بات کر کے اچھا لگا بائے۔'' یہ کہہ کر وہ خراماں خراماں چلتی Waiting room سے باہر نکل آئی جب کہ شیر دل اس کے اس اجنبی انداز پر حیران رہ گیا تھا۔

☆......☆

جہاز بس کچھ دیر میں لینڈنگ کر رہا تھا۔ ایئر ہوسٹس مسافروں کو احتیاطی تدابیر بتا رہی تھی۔ وہ ایک سیٹ پر اکتایا ہوا بیٹھا تھا۔ جہاز کے لیٹ ہونے سے اس کے ایک دو کام ادھورے رہ گئے تھے۔ اسے میجر زمان سے ملنا تھا لیکن اب ناممکن تھا۔ وہ سلینہ کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا کہ جہاز کی غلط ٹائمنگ نے اسے

کس قدر کوفت میں مبتلا کیا ہوگا۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اس کی نظر سامنے لگے ٹی وی پر پڑی وہاں کوئی ڈاکومنٹری چل رہی تھی آرمی کے متعلق۔ اور اب ایک نظم چل رہی تھی جسے سن کر اس کی ساری کوفت واکتاہٹ کہیں دور جا سوئی تھی۔ یہ نظم جرأت و بہادری اور بے خوفی کا سبق دے رہی تھی کہ بزدل اور ڈرپوک لوگ نہ صرف یہ کہ کوئی خطرہ مول لینے سے گھبراتے ہیں بلکہ یہ دلیر اور جرأت مند لوگوں کی راہ میں روڑے بھی اٹکاتے ہیں۔ گوناگوں مشکلات اور خدشات کا اظہار کر کے یہ باہمت لوگوں کو آگے بڑھنے سے روکتے ہیں لیکن ہمارے بہادر سپاہی ایسے لوگوں کو خوب قابو کرنا جانتے ہیں اور خاص کر کے پاکستان کے فوجی بھائی تو ایسے لوگوں کو ٹھیک کرنا خوب جانتے ہیں۔ ہمت، بہادری، جرأت مندی ہی تو ہمارے پاکستانی فوجی بھائیوں کا شیوا ہے۔

☆......☆

جہاز لینڈ کر چکا تھا اور عدیل اگلے چند لمحوں کے اندر سلینہ کے پاس کھڑا احماد کو چٹاچٹ چوم رہا تھا۔
''سلینہ چھوٹی! کیسا لگا انتظار کرنا؟'' وہ پیار سے اسے چھوٹی کہہ کر بلاتا تھا۔
''اف...... کیا بتاؤں عدیل ایک تو یہ ہمارے ملک کے جہاز بھی ناں......'' وہ جھنجھلائی ہوئی بولی۔
''اوہ سسٹر! ملک کو نا کہو برا بھلا'' وہ اس کے سر پر چپت لگاتے بولا تھا۔
''سوری ملک کے پیارے راج دلارے بھائی جان۔'' وہ ہنس پڑی تھی۔ جواباً عدیل بھی مسکرا دیا۔
''اچھا جلدی کرو، بی جان تین چار دفعہ فون کر چکی ہیں۔'' اس نے حماد کو اسے دیا۔

''ایک ہینڈسم لڑکے کے ہوتے ہوئے بہن گاڑی چلائے!'' وہ ناراض ہوتے ہوئے بولا تھا۔
''ہینڈسم لڑکا لمبی سواری کا سفر کر کے آرہا ہے۔ اس لیے مس سلینہ ہی کار ڈرائیو کریں گی۔'' اور پھر گاڑی میں دونوں کے ایک ساتھ قہقہے گونج پڑے تھے۔
ماہا نے جب سے سنا تھا عدیل آرہا ہے تو اس کی حالت بے چین روح کی سی تھی۔ شادی میں بھی دو دن باقی بچے تھے۔ اس لیے ایک انجانا سا ڈر اور میٹھی سی خوشی بسی تھی۔ دل تھا کہ قابو میں ہی نہیں آرہا تھا۔
کیا یہ محبت کی علامتیں نہیں ہیں؟ اف یہ محبت بھی ناں نری بھول بھلیاں ہے جو اس بھول بھلیاں میں قدم رکھ دے پھر وہ اس سے باہر نہیں نکل پاتا۔ آگے ہی جاتا جاتا ہے۔ گم ہو جاتا ہے۔ اس محبت کو بھی کتنے گن آتے ہیں۔ اپنے جال میں جکڑنے کے یہ محبوب کو داسی بنا چھوڑتا ہے جو پریم کی پوجا کرتا ہے۔ یہ پریم کو اس میں حلول کر دیتا ہے۔ جیسے ماہا کے اندر عدیل کی محبت حلول ہو گئی تھی۔

☆......☆

وہ سب لاؤنج میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور بی جان تو عدیل کو دیکھ دیکھ کر نہال ہوئی جا رہی تھیں۔ آخر کیوں نہ ہوتیں عدیل ہی ان کا کل سرمایہ تھا۔ فضل علی کے خاندان کا اکلوتا وارث تھا۔
''بی جان! بس کر دیں۔ اب اسے ٹکٹکی باندھے دیکھنا اتنا بھی خوب صورت نہیں ہے یہ۔'' سلینہ نے ان کی اس کارروائی پر چوٹ کی۔
''ہش...... پرے ہٹ میرا لعل تو مجھے پوری دنیا سے پیارا ہے۔'' بی جان نے عدیل کو اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا تھا اور عدیل جواباً اسے ناک چڑھاتے ہوئے مسکرا دیا۔ سلینہ اس کے اس انداز پر کھول کر رہ گئی

تھی۔
''ٹھیک ہے بی جان! اب اسے ہی بیٹا بنائیں؟'' وہ مصنوعی ناراضی سے بولی۔
''ہائے ہائے لڑکی سٹھیا گئی ہے کیا، پگلی تو بھی مجھے اس سے بڑھ کر پیاری ہے۔ ایویں ہی شونہ مار یا کر۔''
بی جان نے یہ کہہ کر ساتھ ہی اس کی بے عزتی کر دی۔
''بی جان!'' وہ چیخی تھی اور اس کے اس انداز پر سب ہنس پڑے تھے۔

☆......☆

اور آخر کار آج نکاح کا دن بھی آ پہنچا تھا۔ بی جان اور ثمینہ وقت سے پہلے ہی ہال پہنچ چکی تھیں کیونکہ انہیں مہمانوں کو ریسیو کرنا تھا کچھ مہمان آ چکے تھے اور کچھ آہستہ آہستہ آ رہے تھے۔ ماہا، سلینہ کے ساتھ پارلر تھی اور اسے پارلر سے ہی ہال پہنچنا تھا۔
''ارے کامران ذرا سلینہ کو تو فون لگاؤ کہاں تک پہنچی ہیں۔'' بی جان کامران کے پاس آتے ہوئے بولی تھیں۔
''جی بی جان! میری ابھی بات ہوئی ہے۔ بس وہ دس منٹ میں پہنچ رہی ہیں۔'' کامران نے آگاہ کیا۔
''اچھا ٹھیک ہے اور یہ عدیل کہاں ہے دکھائی نہیں دے رہا۔'' بی جان نے اب کے عدیل کی بابت پوچھا تھا۔
''وہ بی جان اس کے کچھ دوست آئے ہیں ان کی طرف ہے۔'' کامران نے بتایا۔
''اچھا ٹھیک ہے۔'' بی جان یہ کہہ کر تیزی سے دوسری جانب بڑھ گئیں۔

☆......☆

حسن حاضر ہے محبت کی سزا پانے کو
کوئی پتھر سے نہ مارے میرے دیوانے کو

شبو میڈم بھی آج انوکھی ترنگ میں تھی۔ لال شرٹ، نیچے فیروزی غرارہ، فل میک اپ اپنے آپ کو وہ قیامت سمجھ رہی تھی اور اوپر سے اپنی بھدی آواز (اس کی نظر میں انتہائی سریلی) میں لتا کو کوس رہی تھی۔ لتا بھی اگر یہ سنتی تو ڈر جاتی مگر شبو میڈم تو آج اپنی محبت کو سزا دینے کی فل تیاری میں تھی۔
''اری او کم بخت کچھ شرم کر۔'' بی جان نے آتے ہی اسے دھمو کا لگایا تھا۔
''اف بی جان!'' وہ کراہ کر رہ گئی۔
''اف کی بچی تجھے میں سارے شہر میں ڈھونڈ رہی ہوں اور تو یہاں ڈھول پھاڑے بیٹھی ہے۔'' بی جی نے اسے لتاڑا تھا۔
''اچھا چلیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
''بی جان! آج ہزار والا فیشل کروایا ہے، کیسا ہے؟'' یہ کہتے ہی وہ بھاگ کھڑی ہوئی جب کہ بی جان یہ سن کر فقط مسکرا کر رہ گئیں۔ ناقابل یقین واقعہ۔

☆......☆

سوات کے حالات پہلے سے زیادہ بری نہج پر پہنچ چکے تھے۔ شدت پسند تنظیموں نے کئی علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا کئی افراد اپنے گھروں کو چھوڑ کر جا چکے تھے اور کچھ جا رہے تھے۔ آرمی فورس پہلے سے زیادہ تیزی

سے کارعمل میں مصروف ہو چکی تھی کچھ علاقے تو بازیاب کرا لیے تھے لیکن کچھ حساس اور گنجان آباد علاقے ابھی بھی ان کے قبضے میں تھے۔ ہمارے فوجی بھائی ان ناسوروں کو ختم کرنے میں پوری ہمت اور لگن سے کوشش کر رہے تھے اور انشاءاللہ انہیں اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہونا تھا۔ آمین۔

☆......☆

نکاح کی رسم ادا کر دی گئی تھی۔ رسم ادا ہوتے ہی کھانا کھول دیا گیا۔ لوگ کھانے پر ٹوٹ پڑے تھے جیسے پہلی مرتبہ کھا رہے ہوں۔ دھکے پہ دھکا دیا جا رہا تھا۔ ایک دوسرے کو کھینچ کھینچ پیچھے کیا جا رہا تھا۔ پلیٹیں بھری جا رہی تھی۔ عدیل یہ سب دیکھ کر افسوس بھری آہ بھر کر رہ گیا۔

''نظم وضبط تو جیسے ہمارے ہاں کے لوگوں میں بالکل ناپید ہو کر رہ گیا ہے۔'' بی جان بھی یہ سب دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھر رہی تھیں لیکن کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ قومیں کبھی ترقی نہیں کر سکتیں جو اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتیں۔

ماہا ریڈ لہنگے میں ملبوس ایک انوکھی چھب دکھا رہی تھی جب کہ عدیل بھی وائٹ شیروانی میں شہزادہ لگ رہا تھا۔ دونوں چاند سورج کی جوڑی لگ رہے تھے۔ نکاح ہوتے ہی فوٹو سیشن شروع ہو چکا تھا۔ تمام قریبی رشتے داران کے ساتھ دھڑا دھڑ تصویریں بنوا رہے تھے۔ پھر کچھ خاندانی رسمیں ہوئیں اور رخصتی کا وقت آ پہنچا تھا۔ ثمینہ نے بھی نم آنکھوں کے ساتھ بیٹی کو وداع کیا اور اس کے لیے تاعمر خوشیوں کی دعائیں مانگیں۔ ان کا روم روم اپنی اس لاڈلی بیٹی کے لیے دعا گو تھا اور یوں ماہا سب کی دعاؤں تلے فضل ولا رخصت ہو گئی۔

☆......☆

خدا کرے کہ میری ارض پاک پر اترے
وہ فصلِ گل جسے اندیشہ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے وہ کھلا رہے برسوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

''شبو! وہ دو مٹھائی کے ٹوکرے یاد سے گاڑی رکھوانا۔'' رخصتی کے بعد بی جان اور شبو ہال سے اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔

''جی بی جان! رکھوا دیئے ہیں بس بی جان جلدی چلیں اب ماہا باجی گھر بھی پہنچ چکی ہوں گی۔'' شبو کو بس گھر جانے کی جلدی تھی۔

''کیوں اس نے گھر ہی جانا ہے نا، کسی تھیٹر میں تو نہیں باؤلی نہ ہو تو۔'' بی جان نے اسے ڈپٹا۔

''اوہو، بی جان مجھے گھر جانا ہے ناں دلہن کی رسمیں کرنی ہیں۔'' اب کے اصل بات اس نے بتائی تھی بی جان نے اسے گھورا۔

''کم بخت یہاں سے جلدی کرے گی تو گھر جائے گی ناں۔'' شبو اس عزت افزائی پر منہ بسورنے لگی۔

''ہاں سلینہ ہم پہنچ رہے ہیں۔''

''چلو جلدی کرو سلینہ کا فون آیا ہے وہ گھر پہنچ چکے ہیں۔'' بی جان نے اسے بتایا اور گاڑی کی جانب چل دیں جب کہ شبو تیزی سے چیزیں اٹھانے لگی۔

☆......☆

''ہیلو جی کون؟'' سلینہ گھر پہنچی ہی تھی کہ اس کے موبائل پر کسی اجنبی کی کال آئی۔
''تم سے بات کرنی ہے سلینہ۔'' دوسری جانب شیر دل تھا۔ وہ بھونچکی رہ گئی۔
''تمہیں میرا نمبر کہاں سے ملا؟'' سلینہ شاکڈ سی بولی۔
''بس مل گیا۔ میں کل امریکہ سے آیا ہوں مجھے تم سے ملنا ہے۔'' اس نے آگاہ کیا تھا۔
''واٹ پاگل ہو گئے ہو تم، میرا اب تم سے کوئی رشتہ نہیں کہ میں تم سے ملوں ہاں دوستی تھی جو شادی سے پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔ اس لیے پلیز تم مجھے فون کر کے تنگ نہ کرو اور آئندہ اس نمبر پر کال نہ کرنا، یہ کامران کا نمبر ہے۔'' اس نے جھوٹ بولا تھا۔ پلیز صرف ایک دفعہ مل لو۔'' وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔
''شیر دل بائے۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے فوراً فون کاٹ دیا تھا۔
''یہ کیوں مجھ سے ملنا چاہتا ہے؟'' وہ سوچنے لگی لیکن کوئی سرا ہاتھ نہ لگا تھا۔ وہ نڈھال سی ایک جانب چل دی۔

☆......☆

''مے آئی کم ان سر؟'' سلیمان نے دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہا تھا۔
''یس کم ان۔'' میجر شیر دل نے مسکرا کر اجازت دی۔
''جی سر۔'' وہ پیشہ وارانہ انداز میں بولا۔
''بیٹھیے کیپٹن سلیمان۔'' میجر شیر دل نے سامنے رکھی کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گیا۔
''آپ نے فائل تیار کر لی۔''
''نہیں سر! بس تھوڑا کام رہ گیا ہے۔ انشاء اللہ ایک دو دن تک مکمل ہو جائے گی۔'' اس نے جواب دیا۔
''ہوں۔ عدیل نے فون کیا؟''
''ہاں سر! میں نے کیا تھا کل اس کا نکاح تھا، بزی ہوگا۔'' اس نے بتایا۔
''میری طرف سے بھی مبارک باد دیجیے گا۔''
''جی سر۔''
''او کے آپ جا سکتے ہیں۔'' میجر شیر دل نے کہا اور فائل کی جانب متوجہ ہو گئے جب کہ وہ تیزی سے باہر نکل آیا تھا۔
''ہیلو! کہاں مرے ہوئے ہو۔'' باہر آتے ہی اس نے عدیل کو فون ملایا تھا۔
''ارے یار! تو تو بیویوں کی طرح تفتیش کر رہا ہے۔'' دوسری جانب وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔
''ہاں چہک لے صرف چند دن، اس کے بعد تو بھابی سے روز جوتے پڑوایا کروں گا تجھے۔'' وہ بھنا اٹھا تھا۔
''اچھا سلیمان تجھے میں تھوڑی دیر بعد فون کرتا ہوں۔'' عدیل نے دوسری جانب سے فون کاٹ دیا تھا۔

☆......☆

''تم سے ایک سوال پوچھوں؟'' نکاح سے تین ماہ قبل سلیمان نے اچانک اس سے پوچھا تھا۔
''ہاں پوچھو۔'' اس نے جواباً کہا۔
''پوچھ لوں؟'' سلیمان شرارت سے مسکرایا تھا۔

''اب تم پوچھو یا نہ پوچھو میں تمہیں ایک زوردار تھپڑ ضرور دے ماروں گا۔'' وہ زچ ہوا تھا۔
''اچھا یار! پوچھ لیتا ہوں۔'' سلیمان ہنستے ہوئے بولا۔
''تم ماہا سے محبت کرنے لگے ہو اب یہ نہ کہنا یہ سب بکواس ہے۔'' وہ اسے شریر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا لیکن عدیل تو سکتے میں آ گیا تھا۔
''کیا ہوا یار؟'' سلیمان نے اس کا کندھا ہلاتے پوچھا لیکن اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔
''عدیل یار! سنو تو۔'' سلیمان فوراً اس کے پیچھے لپکا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
''میری بات اگر تمہیں بری لگی تو سوری۔''
''ہاں میں ماہا سے محبت کرنے لگا ہوں۔'' عدیل اتنا کہہ کر رکا نہیں اور تیزی سے ہاتھ چھڑا کر باہر کی جانب بڑھ گیا جب کہ سلیمان اس کے اس ردعمل پر حیران رہ گیا تھا۔
جس بات سے وہ خود نظریں چرا رہا تھا وہ بات کتنی آسانی سے سلیمان نے کہہ دی تھی۔ کیا محبت کا جذبہ یونہی ہر کسی پر آشکار ہو جاتا ہے۔ لیکن جو کچھ سلیمان نے کہا تھا وہ سچ تھا لیکن وہ اپنے جذبات کا اظہار نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا اگر کرتا تو اپنے سے کیا ہوا عہد توڑ ڈالتا اور یہ اسے قطعی گوارہ نہیں تھا کیونکہ اس عہد کو تو اس نے نبھانا تھا اور عہد توڑے نہیں جاتے پورے کیے جاتے ہیں۔

☆......☆

مختلف رسموں کے بعد اسے عدیل کے کمرے میں پہنچا دیا گیا تھا وہ جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئی پھول کی پتیوں نے اس کا استقبال کیا۔ سلینہ نے اسے بیڈ پر بٹھایا اور اس کا لہنگا درست کرنے لگی۔
''اچھا اب ایزی ہو کر بیٹھو بس عدیل آتا ہی ہوگا۔'' سلینہ اسے چھیڑنے کے انداز میں بولی تھی۔
''آپی! آپ میرے پاس ہی بیٹھیں پلیز۔'' اسے گھبراہٹ نے آگھیرا تھا۔
''ارے ایزی یار! کیا ہو گیا ہے تمہیں۔'' سلینہ اس کے انداز پر حیران ہوئی تھی۔
''آپی وہ......'' ابھی جملہ ادھورا ہی تھا کہ عدیل اندر آ گیا۔ سلینہ اس کی جانب پلٹی تھی۔
''ارے شکر ہے تم آ گئے ہو اب اپنی بیوی کو تم خود ہی سنبھالو محترمہ کو ڈر لگ رہا ہے۔'' سلینہ ہنستے ہوئے بولی۔
''ہیں......ڈر......! کس بات کا!'' وہ ناسمجھی کے عالم میں بولا تھا۔
''پتا نہیں اب تم خود ہی پوچھو۔'' سلینہ اتنا کہہ کر باہر کی جانب چل دی۔ جب کہ عدیل دروازہ لاک کر کے اس کی جانب آیا تھا۔
''ہاں محترمہ ماہا صاحبہ! کیسا ڈر لگ رہا ہے آپ کو بتانا پسند کریں گی۔'' اس کا انداز پرمزاح تھا۔
''وہ......مم......مجھے تو......ڈر نہیں لگ رہا۔'' وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔ عدیل مسکرا کر رہ گیا۔
''اچھا جی، اس کا مطلب ہماری بیگم صاحبہ کافی بہادر ہیں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر گویا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ پکڑنے پر اس کا دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔
''ماہا! آپ خوش تو ہیں ناں؟'' عدیل نے اچانک اس سے پوچھا۔
''جی۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا اور شرم سے نظریں جھکا لی۔

''ماہا! میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' ماہا نے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''دیکھیے ماہا! میں اتنی جلدی شادی کے حق میں نہیں تھا۔ آپ کو پتا ہے ہماری فیلڈ کا یہ ان محبتوں کو ٹائم نہیں دے پاتی۔ اس فیلڈ کی محبت بس صرف ایک چیز سے ہوتی ہے اور وہ ہے ہماری دھرتی ماں۔ ماہا میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتا تھا صرف بی جان اور سلینہ کی ضد کی وجہ سے مجبور ہو کر یہ شادی کی پلیز تم کوئی دوسرا مطلب نہ سمجھنا۔ مجھے بہت پہلے سے ہی یہ ادراک ہو چکا تھا کہ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں لیکن میں تم سے اظہار نہیں کر پاتا تھا۔ حالانکہ ہماری منگنی دو سال رہی ہے لیکن ہماری بات چیت ان دو سالوں میں نہ ہونے کے برابر ہوئی ہے میں اظہار اس وجہ سے نہیں کر پاتا تھا ماہا کیونکہ میں نے عہد کیا تھا میری پہلی محبت دھرتی ماں ہے اگر میں اظہار کرتا تو میں وعدہ خلاف ہوتا۔ جو مجھے قطعی منظور نہیں تھا اور رہی شادی کی بات تو اس سے انکاری میں اس وجہ سے تھا کہ ماہا ہماری جاب ہی ایسی ہے کہ سر جان کی بازی لگانی پڑتی ہے اگر مجھے کچھ......'' ماہا نے فوراً اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''اللہ نہ کرے آپ کو کچھ ہو، عدیل میں ہر قدم پر آپ کے ساتھ ہوں۔ مجھے کوئی گلہ شکوہ نہیں ہے اگر تھا بھی تو اب ختم ہو گیا ہے پلیز آپ آئندہ ایسی بات نہ کیجیے گا۔'' اس نے نرم لہجے میں جواب دیا تھا اور ہاتھ ابھی تک عدیل کے ہونٹوں پر موجود تھا۔ جسے عدیل نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔

''ماہا! بس مجھے تمہارا ساتھ چاہیے اور کچھ نہیں۔''

''میں آپ کے ساتھ ہوں عدیل۔'' وہ مسکرائی تھی اور عدیل بھی اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

محبت نے محبوب کو داسی بنا دیا تھا۔ وہ پریم کی پوجا کر رہا تھا اور پریم اس کے اندر حلول ہو گیا تھا۔

محبت جیت گئی

اور محبوب بھی جیت گیا

اور

محبت کے خوب صورت احساس کو فتح ہو گئی تھی۔

عدیل کی دو ہفتے کی چھٹیاں ختم ہو رہی تھیں اس لیے وہ جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ ماہا اس کے جانے کا سن کر اداس تھی اور پتا نہیں کیوں آنکھوں سے بار بار آنسو نکل رہے تھے۔ عدیل یہ سب دیکھ تھا لیکن خاموش تھا۔

اس وقت بھی وہ سب لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ سلینہ بھی حماد اور زینب کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔

''ارے عدیل! کم از کم ایک ماہ کی تو چھٹیاں لیتے۔'' سلینہ نے اس کے جانے کا سن کر کہا تھا۔

''ارے چھوٹی بس مجبوری ہے۔ ورنہ خوب صورت لوگوں کو چھوڑ کر جانے کا دل کب چاہتا ہے۔'' عدیل نے سامنے بیٹھی ماہا کو دیکھ کر کہا تھا اور ماہا یہ سن کر جھینپ گئی تھی۔

''ہاں یہ تو ہے۔'' سلینہ بھی اس کی شرارت سمجھ کر مسکرا دی جب کہ ماہا اور چائے لانے کا کہہ کر اٹھ گئی تھی۔

''بی جان! آپ کیوں نہیں کچھ کہتیں اسے۔'' سلینہ نے کب سے چپ بیٹھی بی جان کو مخاطب کیا تھا۔

''سلینہ! وہ ٹھیک کہتا ہے اس کی ضرورت ہے وہاں لوٹ آئے گا جلدی۔ اب تم سب یہ باتیں کر کے بے چاری ماہا کو تو نہ پریشان کرو۔ بچی حساس ہے، ویسے ہی اس کا دل توڑ رہے ہو۔'' بی جان نے ماہا کی طرف داری کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں ہاں اب تو بہو کی طرف داری کریں گی بیٹا کس کھاتے میں۔'' عدیل پرانی جون میں لوٹ چکا تھا۔
''کچھ شرم کر، تھپڑ ماروں گی تجھے۔'' بی جان نے اسے ڈپٹا تھا۔ وہ جواباً سر کھجا کر رہ گیا۔

☆......☆

رات کو وہ کمرے میں آئی تو عدیل رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔
''عدیل! میں نے پیکنگ کر دی ہے۔''
''ہاں...... اچھا۔'' وہ مصروف سا بولا۔
''کچھ لکھ رہے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔
''ہاں دو فائلوں کا کام ادھورا ہے۔ وہی کر رہا ہوں۔''
''عدیل آپ اب کب واپس آئیں گے۔'' اس نے اچانک پوچھا تو عدیل کا پین والا ہاتھ ٹھٹک گیا۔
''ماہا جلدی لوٹوں گا تم میرا انتظار کرنا پھر ہم ہنی مون پر بھی جائیں گے۔'' وہ اٹھ کر اس کے پاس آ بیٹھا تھا۔ ماہا پھر رونے لگی تھی۔
''ماہا! تم ایک فوجی کی بیوی ہو اور فوجی کی بیوی کو بہادر ہونا چاہیے کہ وہ ہر حالات کا مقابلہ کر سکے تم میرے لیے دعا کرنا میں جلد لوٹوں۔'' عدیل نے اس کے آنسو صاف کیے۔ وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔
عدیل کو گئے آج دوسرا دن تھا۔ ماہا کی طبیعت بوجھل سی تھی۔ اس لیے آج کا سارا دن اس نے کمرے میں ہی گزارا تھا۔ کھانا بھی برائے نام ہی کھایا تھا۔ اس لیے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر کچن میں آ گئی تھی۔ آگے کچن میں شبو برتن دھو رہی تھی۔
''السلام علیکم باجی۔'' شبو نے اسے دیکھتے ہی سلام جھاڑا تھا۔
''وعلیکم السلام شبو! ایک کپ چائے کا بنا دو گی؟'' اس نے فریج میں سے کیک نکالتے ہوئے کہا تھا۔
''جی، باجی بنا دیتی ہوں۔'' شبو جواباً بولی اور چائے کا پانی چولہے پر چڑھا دیا۔
''بی جان کہاں ہیں۔''
''وہ اپنے کمرے میں ہیں۔'' شبو نے جواب دیا اور کیبنٹ سے کپ نکالنے لگی۔
''اچھا میں بی جان کے کمرے میں جا رہی ہوں چائے وہیں لے آنا۔'' وہ یہ کہہ کر کچن سے باہر نکل آئی۔
''بی جان۔'' اس نے دروازے پر دستک دی تھی۔
''آ جاؤ ماہا۔'' بی جان نے جواباً اسے کہا۔
''بی جان، کیا کر رہی ہیں؟'' وہ ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔
''کچھ نہیں بیٹی، بس سلینہ کا فون آیا ہوا تھا تمہارا پوچھ رہی تھی۔'' بی جان نے کہا۔
''بی جان! عدیل کا فون آیا تھا۔'' اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔
''نہیں کرے گا۔ مصروف ہوگا ناں۔'' بی جان مسکراتے ہوئے کہنے لگیں۔
''بی جان! اب کب آئیں گے وہ۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی جسے اس نے بمشکل روکا تھا۔
''جلدی آئے گا میرا بچہ پریشان نہیں ہوتے۔'' بی جان نے اسے گلے لگا لیا تھا۔
''چائے حاضر۔'' شبو نے زور سے انٹری دی۔

''ارے کم بخت ماری، دل دہلا دیا میرا اسپیکر ہولے رکھا کر۔'' بی جان نے اسے کوسا تھا۔ جواباً وہ برے برے منہ بنانے لگی جب کہ ماہا اور بی جان ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے ہنس دیں ماحول خوشگوار ہو گیا تھا۔

☆......☆

''ہیلو! شیر دل میں تم سے کہہ چکی ہوں مجھے فون نہ کرو، تمہیں کیوں سمجھ نہیں آتی۔ میری بات۔'' سلینہ جھنجھلا ہی اٹھی تھی۔

''پلیز سلینہ! صرف ایک بار مجھ سے مل لو۔'' اس کا وہی مطالبہ تھا۔

''میں...... کبھی نہیں۔ جو بات ہے تم فون پر کرلو۔''

''فون پر نہیں کرسکتا۔ پلیز صرف ایک بار۔'' وہ منتیں کر رہا تھا۔

''آخر ایسی کیا بات ہے جو تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو۔'' اب کہ اس نے تحمل سے پوچھا تھا۔

''بس تم مجھ سے ملنے آؤ گی تو بتاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے کہاں ملنا ہے۔'' وہ ہار مان گئی۔

''جناح پارک شام پانچ بجے میں تمہارا ویٹ کروں گا۔'' اس نے بتایا۔

''ٹھیک ہے۔''

''شکریہ۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا جب کہ اس نے غصے سے فون بند کر دیا تھا۔

☆......☆

دن اسی طرح پر لگا کر اڑ رہے تھے عدیل کو گئے دو ماہ ہو چکے تھے اور ان دو ماہ میں اس نے صرف چار مرتبہ فون کیا تھا۔ جب بھی فون آتا یا تو بی جان اٹھاتیں یا شبو اور پانچ منٹ کی کال کا ٹائم گزر جاتا، ماہا بس ٹیلی فون کا منہ دیکھ کر رہ جاتی وہ عدیل کے بغیر حد سے زیادہ اداس تھی۔ عدیل کی سنگت میں گزارہ گیا ایک ہفتہ اس کے لیے پل پل خوشی کا سامان تھا۔ اس ایک ہفتے میں اس نے بہت سی خوشیاں کشید کی تھیں لیکن اب وہ اداس تھی، بے کل تھی، بے قرار تھی اور ان دونوں کے درمیان صدیوں کی طویل دوری تھی۔

اس نے گاڑی سائیڈ پر پارک کی اور پارک کے پچھلے دروازے کی جانب چل دی۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے وہ پارک کے اندر داخل ہو گئی تھی۔ پارک میں لوگوں کا ایک ہجوم امڈ رہا تھا۔ شام کا ٹائم تھا۔ اس لیے ہر طبقے کے لوگ سیر و تفریح کے لیے آئے ہوئے تھے۔ وہ چلتے ہوئے پارک کے مرکزی حصے کی جانب آ گئی تھی۔

''ہیلو! میں پہنچ گئی ہوں۔ ہاں مرکزی حصے کی جانب ہوں۔'' دوسری جانب شیر دل تھا۔

''ہاں میں آتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے فون کاٹ دیا اور وہ فون ہاتھ میں پکڑے ہی پاس رکھی سنگی بینچ پر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر میں وہ اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔

''انتظار کرنے کا شکریہ۔'' وہ زیر لب مسکرایا تھا۔

''ہاں کیا بات ہے بتاؤ میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہے۔'' اس کے انداز میں لاتعلقی تھی۔ شیر دل نے غور سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

''میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں تم کامران سے طلاق لے لو۔'' اس نے بم گرایا تھا اور سلینہ ساکت رہ گئی تھی اور جب ہوش میں آئی تو پوری طاقت سے شیر دل کے منہ پر طمانچہ دے مارا تھا۔

''مجھے یقین نہیں تھا کہ تم ایک عورت کی اتنی توہین کر دو گے وہ بھی اس کی جو تمہاری اتنی اچھی دوست تھی

لیکن تمہارا گھٹیا پن دوستی کو بھی کھا گیا۔ میں ابھی تک پشیمان ہوں کہ میں نے تم جیسے شخص سے دوستی کی آخ تھو۔'' اس نے اس کی طرف دیکھ کر زمین پر تھوکا تھا۔

''شیر دل! ثابت ہو گیا تم نہ محبت کر سکتے ہو اور نہ محبت کرنے کے قابل ہو کیونکہ محبت کرنے والے تمہاری طرح نہیں ہوتے۔'' شیر دل کا شرم سے سر جھک گیا تھا۔

''میں شادی شدہ ہوں اور اپنے شوہر سے بہت پیار کرتی ہوں۔ میرے دو بچے ہیں۔''

''تم نے میری اتنی توہین کی ہے میرے پندار کی تم نے دھجیاں اڑا دی ہیں۔ تمہاری نظر میں میری یہ عزت تھی کہ تم ایک شادی شدہ عورت کو طلاق لینے کا کہہ رہے ہو، مجھے اپنے آپ سے شرم آ رہی ہے۔'' شیر دل سر نہیں اٹھا رہا تھا اور شاید وہ اس کے سامنے کبھی بھی سر اٹھا نہیں پائے گا۔ وہ چلی گئی تھی جب کہ وہ جھکے سر کے ساتھ ابھی تک وہیں براجمان تھا۔

☆......☆

''ہیلو ماہا کیسی ہو؟'' آج پورے تین ماہ بعد اس نے عدیل کی آواز سنی تھی۔

''میں ٹھیک، آپ کیسے ہیں اور یاد آ گئی میری۔'' حال چال پوچھنے کے بعد شکوہ بھی داغ دیا۔

''ماہا! تمہیں پتا ہے ناں میری جاب کا۔ ان تین ماہ میں ایک پل بھی فراغت کا نہیں گزرا۔ میں جو تھوڑا بہت ٹائم ہوتا تو فون کرتا تھا لیکن تم ہوتی نہیں تھیں اور تین ماہ میں، میں تمہیں یقین کرو ایک پل بھی نہیں بھولا لیکن مجھے نہیں پتا تھا کہ مجھے تم سے ایسا رسپانس ملے گا، خیر۔''

''بی جان، سلینہ، شبو سب ٹھیک ہیں؟'' اس کے لہجے سے ناراضی جھلک رہی تھی وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

''سوری عدیل مجھے نہیں پتا تھا پلیز ناراض نہ ہوں۔'' وہ رو پڑی جب کہ عدیل دوسری جانب بمشکل اپنی ہنسی دبا رہا تھا۔

''اوکے، پلیز تم رو مت، ورنہ میں بھی رو دوں گا۔'' وہ رونے کی ایکٹنگ کرنے لگا جب کہ ماہا بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

''اچھا مجھے تمہیں ایک گڈ نیوز دینی تھی۔''

''جی دیجیے۔''

''ایسے ہی دے دوں۔'' وہ بولا۔

''تو کیسے دیں گے؟'' اس نے سوالیہ پوچھا تھا۔

''ایک شرط پر۔''

''جی بتائیں۔''

''مجھے I love you بولو پہلے۔''

''کیا!'' وہ چیخی تھی۔

''جی ہاں۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔''

''I love you، اب بتائیں۔''

''ہائے ظالم، کیوں تڑپا رہی ہو۔'' عدیل اب شرارت پر اتر آیا تھا۔

''عدیل! میں فون بند کردوں گی۔'' وہ بلش ہوگئی۔
''اچھا یار! یہ بتانا تھا کہ میں پورے ایک ماہ کے لیے آرہا ہوں۔'' اس نے خوش خبری سنائی تھی۔
''عدیل! آپ آرہے ہیں۔'' خوشی کے مارے لفظ بھی ٹوٹ ٹوٹ کر نکل رہے تھے۔
''ہاں یار!'' وہ اس کی بے تابی پر ہنس رہا تھا۔
''سچ بتائیں مذاق تو نہیں کررہے نا۔'' وہ ابھی بھی بے یقین تھی۔
''کل آؤں گا تو دیکھ لینا سچ ہے یا جھوٹ۔ اچھا میں فون رکھتا ہوں سب کو سلام دینا اور اپنا خیال رکھنا۔'' آخر میں ایک شوخ جملہ کہہ کر اس نے فون رکھ دیا جب کہ ماہا ابھی بھی فون ہاتھ میں پکڑے مسکرا رہی تھی۔

☆......☆

''سلیمان تمہارا کیا پروگرام ہے میرے ساتھ چلو گے یا بعد میں آؤ گے۔'' وہ اپنی چیزیں سمیٹ رہا تھا جب کہ سلیمان بیڈ پر اوندھا پڑا اونگھ رہا تھا۔
''نہیں یار! تمہارے ساتھ تو نہیں جاسکتا میجر فرقان نے کل میٹنگ میں بلایا ہے۔ بعد میں آؤں گا۔'' سلیمان جواباً بولا۔
''اچھا ٹھیک ہے۔'' عدیل کندھے جھٹکتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ جب کہ سلیمان کا فون بجنے لگا۔
''ہیلو! جی امی السلام علیکم۔'' فون کی دوسری جانب سلیمان کی امی تھیں۔
''میں ٹھیک، آپ ٹھیک ہیں ابو کیسے ہیں۔ بھابھی بھائی منا منال سب ٹھیک ہیں۔'' اس نے پوچھا۔
''ہاں سب ٹھیک ہیں بس تمہارا انتظار ہورہا ہے۔'' امی بولیں۔
''ہاں میں ایک دو دن تک آرہا ہوں عدیل آج چلا جائے گا۔ مجھے کچھ کام ہے اس کی وجہ سے میں بعد میں آؤں گا۔'' اس نے بتایا۔
''اچھا ٹھیک ہے خیال رکھنا اپنا۔'' انہوں نے فون بند کردیا اور سلیمان فون ایک طرف پھینک کر پھر لیٹ گیا اور تھوڑی دیر بعد اس کے ہلکے ہلکے خراٹے پورے کمرے میں گونج رہے تھے۔

☆......☆

''امی عدیل آرہے ہیں آج آپ زویا کو لے کر ہماری طرف ہی آجائیں۔'' وہ اور شبو چند ضروری چیزیں لینے بازار آئی تھیں۔ بازار سے نزدیک گھر پڑ رہا تھا۔ اس لیے وہ تھوڑی دیر کے لیے امی کی طرف آگئی تھی۔
''ارے بیٹا! بیٹھو تو۔'' ثمینہ بیگم نے اسے کھڑے دیکھ کر کہا۔
''نہیں امی ٹائم نہیں ہے چھ بجے عدیل کا جہاز لینڈ کرے گا اور وہ سات تک گھر پہنچ جائیں گے اور اب چار ہورہے ہیں مجھے بہت کام ہے پھر کبھی عدیل کے ساتھ آؤں گی۔ زویا کو میری طرف سے سلام دیجیے گا اور رات کو یاد سے آیئے گا او کے اللہ حافظ۔'' وہ یہ کہہ کر تیزی سے بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گئی جب کہ ثمینہ بیگم اس کی پشت دیکھ کر مسکرا دیں۔
''کون آیا تھا امی۔'' زویا لاؤنج میں آتے ہوئے بولی تھی۔
''ماہا تھی۔'' انہوں نے بتایا۔
''ہائے مجھے کیوں نہیں بتایا۔''

''جلدی میں تھی رات کھانے کا کہہ کر گئی ہے تیار ہو جانا۔''
''اچھا۔''
''دیکھو زرینہ نے پائے چڑھائے یا نہیں۔'' انہوں نے اونچی آواز میں جاتی زویا کو پکارا تھا۔
''اچھا امی۔'' وہ بھی جواباً زور سے بولی تھی۔

☆......☆

جس دن سے وہ شیر دل سے ملاقات کر کے آئی تھی اس دن سے ڈپریس تھی۔ شیر دل کی باتیں اسے بھلائے نہیں بھول رہی تھیں۔ کامران بھی اسے بے چین دیکھ کر دو تین مرتبہ پوچھ چکا تھا لیکن وہ ٹال جاتی۔
''شیر دل ایسا کیسے کر سکتا ہے۔ یقیناً وہ درست دماغ کے ساتھ نہیں تھا۔ ورنہ اتنی بڑی بات آسانی سے نہ کہتا۔ اس نے ایسا کیوں کہا شاید وہ اب بھی یہی سوچتا ہے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔ نہیں میں تو ایسا مر کر بھی نہیں سوچ سکتی۔ میں اس سے کبھی محبت نہیں کرتی تھی ہاں وہ پاگل ہے اگر یہ سب باتیں کامران کو پتا چل گئیں تو۔'' وہ جتنا سوچتی اتنا الجھتی جاتی اور اس پریشانی نے اسے یہ تک بھلا دیا کہ آج اس کا پیارا بھائی تین ماہ بعد آ رہا تھا۔

☆......☆

''ارے شبو! کم بخت ماری اب یہ بالوں کا ستیاناس مار آئی۔'' بی جان نے اس کے گولڈن بالوں کو دیکھ کر کہا تھا۔
''ہائے بی جان! فیشن ہے پورے تین ہزار کا پارلر سے کرایا ہے۔'' اس نے بالوں کو ادا سے جھٹکا دیتے ہوئے کہا تھا۔
''ارے کیڑے پڑیں تجھے اور تیرے اس پارلر کو۔'' بی جان نے اسے کوسا تھا۔ وہ جواباً دانت نکوسنے لگی۔
''ہاں کھی کھی کر لے کم بخت۔''
''اچھا چھوڑیں بی جان۔'' ماہا نے بی جان کو رام کرنا چاہا۔
''چلو جاؤ شبو کچن میں دیکھو گوشت گل گیا یا نہیں۔'' ماہا نے اسے منظر سے ہٹایا تھا۔ وہ کھٹ کھٹ کرتی چلی گئی۔
''ماہا! یہ جب بارہ سال کی تھی تو اس کی ماں اسے میرے پاس چھوڑ گئی تھی۔ میں نے اسے اپنے بچوں کی طرح پالا ان میں کبھی فرق نہیں کیا۔ اس کی ماں میرے گھر اس وقت سے کام کرتی تھی جب میں بیاہ کر آئی تھی میں نے ہمیشہ اسے ایک سہیلی جانا، نوکرانی کا رتبہ نہ دیا۔ اور وہ مرتے وقت اپنی یہ ذمہ داری میرے سر ڈال گئی اب اسے پورا کرنا میرا ذمہ ہے۔ بس میں چاہتی ہوں اس کی اپنی برادری میں ہاتھ پیلے کر دوں لیکن جو اس کے کچھن ہیں، نہ اسے تو چمار بھی بیاہنے نہ آئے۔'' آخری بات سن کر ماہا کی ہنسی چھوٹ گئی۔
''ہاں تم بھی ہنس لو۔'' بی جان نے اسے بھی خشمگیں نگاہوں سے گھورا تھا وہ سنبھل گئی۔
''بی جان! ایئر پورٹ کون جائے گا؟'' اس نے بات بدلی۔
''تم چلی جاؤ آخر تمہارا میاں آ رہا ہے۔'' بی جان نے ٹکا جواب دیا۔
''میں......لیکن بی جان گھر میں کون انتظام کرے گا۔ امی اور زویا بھی آ رہی ہیں اور سلینہ باجی ہاں یاد آیا آپ نے سلینہ باجی کو فون کر کے عدیل کے آنے کا بتایا؟''

"کیا تھا اس کا فون بند ہے، پھر ٹرائی کرتی ہوں۔" بی جان نے کہا۔
"اچھا ٹھیک ہے میں ہی چلی جاؤں گی۔" وہ مان گئی۔
"نہیں رہنے دو فضلو چلا جائے گا۔"
"چلیں ٹھیک ہے۔" وہ مایوس سی اٹھ گئی جب کہ بی جان ہولے سے مسکرا دیں۔

☆......☆

جہاز لینڈ کر چکا تھا۔ عدیل نے جہاز سے اترتے ہی گھر فون کر دیا تھا۔ فون بی جان نے اٹھایا تھا اور اسے بتایا کہ فضلو تمہیں ریسیو کرنے پہنچ چکا ہے۔ وہ بیگ گھسیٹتا ہوا ایئر پورٹ سے باہر آ گیا تھا اس نے اِدھر اُدھر نگاہ گھما کے دیکھا فضلو ایئر پورٹ کی رائٹ سائیڈ پر گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ وہ اس جانب بڑھ گیا۔ فضلو بھی صاحب کو دیکھ کر تش پش کھڑا ہو گیا تھا۔
"سلام صاحب۔" اس نے عدیل کے قریب آتے ہی سلام کیا۔
"وعلیکم السلام! اچھی جگہ کھڑے تھے اگر میں باہر نکل کر اس طرف نہ آتا تو تمہیں ڈھونڈتا ہی رہتا۔"
عدیل فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گیا جب کہ فضلو سامان کار کی ڈگی میں رکھنے لگا تھا۔
"صاحب! مجبوری میں اِدھر اَم کھڑا تھا وہ ٹریفک والا لڑکا کہتا اُدھر گاڑی کھڑا کرنا نہیں اس لیے اِدھر آیا۔" فضلو نے پشتو لہجے میں اپنی صفائی پیش کی تھی۔
"اچھا ٹھیک ہے۔" عدیل نے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی جب کہ فضلو گاڑی ڈرائیو کرنے لگا تھا۔

☆......☆

سب لاؤنج میں موجود تھے۔ بی جان، زویا، ثمینہ بیگم، ماہا اور سلینہ کو بھی فون کر کے بلوالیا تھا۔ وہ ایک طرف تھکی تھکی بیٹھی تھی۔ بی جان نے اسے دیکھ کر کچھ نوٹ کیا تھا لیکن اس وقت خاموش رہیں۔
"ارے سلینہ! بچے نہیں آئے کیا؟" ثمینہ بیگم اس کے پاس بیٹھتی ہوئی بولیں۔
"نہیں آنٹی! امی اکیلی تھیں اس لیے ان کے پاس چھوڑ آئی ہوں۔" اس نے جواباً کہا۔
"سلینہ آپی! آپ کو آپی کچن میں بلا رہی ہیں۔"
"اچھا میں آتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ گئی تھی جب کہ بی جان کی نگاہوں نے اس کی جاتی پشت کو گھورا تھا۔

☆......☆

عدیل آ چکا تھا۔ ملنے ملانے کے بعد خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ ماہا اور سلینہ کچن میں ہی تھیں کامران بھی آ گیا تھا۔ کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ کامران اور عدیل سیاست پر باتیں کرتے رہے جب کہ خواتین اپنی باتیں لیے بیٹھی رہیں۔ رات کے دس بج چکے تھے۔ جب ثمینہ اور زویا جانے کے لیے تیار ہوئیں۔
"ارے آج رک جاتیں ثمینہ۔" بی جان نے انہیں روکا تھا۔
"نہیں بہن، زویا کو کالج جانا ہے اور مجھے بھی ایک دو کام ہیں۔" ثمینہ بیگم نے سہولت سے منع کر دیا۔ انہیں بیٹی کے گھر بلاوجہ جانا پسند نہیں تھا۔
"آپ اپنے ڈرائیور کو بولیں وہ ہمیں چھوڑ آئے۔"
"ارے ڈرائیو کیوں عدیل چھوڑ آئے گا۔" بی جان نے فوراً کہا۔

''نہیں بہن عدیل تھکا ہارا آیا ہے۔ معیوب سا لگے گا، آپ ڈرائیور کو بول دیں۔'' ثمینہ بیگم چادر اوڑھے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بی جان انہیں دروازے تک چھوڑنے آئی تھیں۔ ماہا کچن میں تھی اس لیے جاتے وقت نہ مل سکی۔ بی جان انہیں رخصت کرنے کے بعد واپس پلٹ آئیں۔

☆......☆

''ارے امی چلی گئیں؟'' اسے شبو نے بتایا تھا۔

''مجھ سے ملیں بھی نہیں۔'' اسے دوسرا غم کھائے گیا۔

''فون کر لینا۔'' سلینہ نے فرنی فریج میں رکھتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔

''باجی! وہ جلدی میں تھیں۔'' شبو نے اپنا حصہ ڈالا۔

''چلو ٹھیک ہے تم یہ عدیل کو چائے دے آؤ۔'' ماہا نے چائے کا مگ اسے پکڑایا اور خود برتن دھونے لگی۔

''ہیں یہ کیا، میاں تمہارا چائے شبو دے۔'' سلینہ نے ہونق بنے پوچھا تھا۔

''وہ جی باجی کو شرم آ رہی ہے اس لیے۔'' شبو فوراً بولی۔

''ارے چپ کر میں نے تم سے پوچھا۔'' سلینہ نے اسے ڈانٹ دیا۔

''وہ میں کام کر رہی تھی اس لیے۔'' ماہا ڈر گئی تھی۔

''شبو برتن دھو لیتی ہے تم جاؤ۔'' سلینہ نے شبو سے چائے کا مگ لے کر اسے تھمایا۔

''شبو دے آتی ہے ناں۔''

''جاؤ تم۔'' سلینہ نے اسے گھورا تو اسے جاتے ہی بنی ناچار وہ ہلکے ہلکے قدم اٹھاتی کچن سے باہر نکل گئی۔

☆......☆

اس نے کمرے کو ناک کیا اور ہلکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔ واش روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ عدیل نہا رہا تھا۔ اس نے شکر ادا کیا اور چائے کا مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر تیزی سے دروازے کی جانب پلٹی ہی تھی کہ عدیل واش روم سے باہر نکل آیا۔ وہ وہیں ساکت ہو گئی تھی۔

''ماہا!'' عدیل نے پکارا۔ وہ اس کی جانب پلٹی تھی۔ وہ قریب آ گیا۔

''تم کہاں تھیں جس وقت میں آیا تھا تم میرے سامنے نہیں آئیں کیوں؟'' اس نے پوچھا تھا۔

لیکن اسے ہوش کہاں تھا۔ عدیل بغیر شرٹ کے اس کے پاس کھڑا تھا۔ اس کا مضبوط کسرتی جسم نمایاں ہو رہا تھا۔ وہ اس کے اتنے قریب ہونے پر مچل سی گئی اور فوراً پیچھے ہٹی تھی۔

''وہ میں مصروف تھی۔'' فی الحال اسے یہی بہانہ سوجھا تھا۔

''مصروف تھیں یا مجھ سے چھپ رہی تھیں۔'' وہ شوخ ہوا۔

''ن......ن......نہیں تو۔'' وہ بوکھلا گئی۔

''کیا نہیں تو۔'' وہ پھر اس کے قریب ہوا۔

''چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔''

''ہونے دو۔'' وہ خمار لہجے میں گویا ہوا۔

''میں آتی ہوں۔'' وہ فوراً دروازے کی جانب لپکی تھی لیکن عدیل نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

''عدیل پلیز......''

''کیا پلیز۔'' وہ اور قریب ہوا یہاں تک کہ اس کی سانسیں ماہا کے چہرے سے ٹکرانے لگی تھیں۔ ماہا حواس کھوتی جا رہی تھی۔ اچانک عدیل کا فون بج اٹھا۔ وہ یک دم دور ہٹی اور پھر تیزی سے بھاگتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی جب کہ عدیل فون کی جانب دیکھ کر بھنا اٹھا۔

''تمہیں بھی ابھی کال کرنی تھی۔'' دوسری طرف سلیمان تھا۔

''کیوں کیا ہوا؟''

''ہوا کچھ نہیں بس تم نے رومینٹک سین کا ستیاناس مار دیا۔'' وہ بھڑ کیلے لہجے میں بولا تھا۔

''اوہ! سوری یار۔'' عدیل شرمندہ ہو گیا۔

''اٹس او کے، بتاؤ کیسے فون کرنا ہوا۔''

''میں کل آ رہا ہوں۔''

''اوہ گڈ۔''

''میجر فرقان نے میرے بارے میں کچھ کہا تھا؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں کچھ نہیں کہا۔'' سلیمان بولا۔

''او کے پھر آ جاؤ۔''

''او کے بائے رومینٹک سین اسٹارٹ کرلو۔'' اس نے یہ کہہ کر فوراً فون بند کر دیا جب کہ عدیل کچھ سخت سست کہتے کہتے رک گیا تھا۔

''خبیث کہیں کا۔'' وہ مسکرا اٹھا۔

☆......☆

''سلینہ! آج مجھے کسی شیر دل کا فون آیا تھا۔'' سلینہ کے ہاتھ سے شیشے کا گلاس چھوٹ کر نیچے جا گرا تھا۔

''کیا ہوا دھیان سے۔'' کامران فوراً اس کی جانب آیا۔

''آپ رہنے دیں میں اٹھا لوں گی۔'' وہ فوراً بولی۔

''کیوں آیا تھا فون۔'' اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا تھا۔

''تم جانتی ہو؟'' کامران نے غور سے اسے دیکھا تھا وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔

''آپ خود کہہ رہے تھے نا کسی شیر دل کا فون آیا تھا۔'' وہ سنبھلتے ہوئے بولی تھی۔

''ہاں کہا کچھ نہیں بس میری آواز سنتے ہی فون کاٹ دیا۔'' کامران بولا۔ جب کہ سلینہ ایک سکون بھری سانس لے کر رہ گئی تھی۔

''ارے فریدہ! مبارک ہو، سچ مجھے بہت خوشی ہوئی سن کر میں نے کہا تھا نا اللہ کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ دیکھو اللہ نے تمہاری سن لی اور تمہیں ایک بہت پیارا سا پوتا دے دیا۔'' بی جان فریدہ بی کے ہاں مبارک دینے آئی ہوئی تھیں۔ عباد کے ہاں بیٹا ہوا تھا۔

''ہاں اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔'' فریدہ بی پھولے نہیں سما رہی تھیں۔

''اب تم کب دادی بننے کی خوشخبری سنا رہی ہو۔'' فریدہ بی نے چائے کا کپ انہیں پکڑاتے پوچھا تھا۔

''تم دعا کرو، بس جب اللہ کا حکم ہوا۔'' بی جان بولی تھیں۔

''ہاں۔ اس پاک ذات کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ بڑا بے نیاز غفور رحیم

ہے۔'' فریدہ بی عاجزی بھرے لہجے میں بولیں تھیں۔
''اور سناؤ بہو ٹھیک ہے۔'' بی جان نے اب کے سفینہ (بہو) کی بابت پوچھا۔
''ہاں ابھی اسپتال میں ہی ہے۔ ایک دو دن تک آجائے گی میں تو تھوڑی دیر کے لیے ہی گئی تھی۔ بس پوتا دیکھ کر واپس آگئی۔ مجھ سے تو اسپتال میں نہیں رکا جاتا۔''
''تو کون ہے سفینہ کے پاس؟'' بی جان نے پوچھا۔
''اس کی ماں اور بہن ہیں عباد بھی ہے۔'' فریدہ نے بتایا۔
''چلو اللہ خیر خیریت سے گھر لائے۔''
''آمین۔''
''اچھا تم بیٹھو میں ذرا کھانے کا کہہ آؤں کھانا کھا کر جانا۔'' فریدہ بی اٹھتے ہوئے بولی تھیں۔
''ارے رہنے دو، بس میرے پاس بیٹھو بس ڈرائیور آئے تو میں چلوں۔''
''آرام سے بیٹھو، کھانے کھائے بغیر تو میں نہ جانے دوں۔'' فریدہ بی نے انہیں ٹوکا اور خود کچن کی جانب چل دیں جب کہ بی جان اپنی اس پیاری سی دوست کے خلوص پر مسکرا دیں۔

☆......☆

فون کی گھنٹی تواتر سے بج رہی تھی۔ وہ کچن میں رات کے کھانے کی تیاری میں تھی۔ ہانڈی ڈھک کر وہ سنک میں ہاتھ دھونے لگی تھی۔
''اف...... ایک تو اس فون کو بھی چین نہیں۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے کچن سے باہر نکل آئی۔
''جی کون۔'' اس نے فون اٹھاتے ہی پوچھا تھا۔
''شیر دل۔'' سلینہ کو ایسا لگا اسے کسی نے تپتے صحرا میں کھڑا کر دیا ہے۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی۔
''تم شاید تم میں انسانیت نام کی بھی کوئی چیز نہیں ہے، ورنہ فون کرنے کی ہمت نہ کرتے۔'' اس کی آواز میں غصے کی شدت تھی۔
''پلیز ایک دفعہ میری بات سن لو۔'' شیر دل بے بس سا بولا۔
''ہاں اب کوئی اور گھٹیا جملہ میرے نام کرنا ہے۔'' وہ پھنکاری تھی۔
''پلیز مجھے معاف کر دو، میں شاید کچھ زیادہ ہی نیچے گر گیا مگر یقین کرو جس دن سے تم سے مل کے آیا ہوں اس دن سے لے کر آج تک میں سکون کی نیند نہیں سو پایا۔ لیکن کیا کروں مجھے اپنے بیٹے کی خاطر جینا ہے۔''
آخری لفظ کہتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دیا۔
''کیا مطلب تمہاری بیوی کہاں ہے۔''
''وہ مر چکی ہے۔'' شیر دل نے اسے ساکت کر دیا۔
''اور میں بھی چند دن کا مہمان ہوں۔ مجھے بلڈ کینسر ہے اور وہ بھی آخری اسٹیج پر ہے۔ مرنے سے پہلے تم سے معافی مانگنا چاہتا تھا مجھے معاف کر دینا۔ شاید میں اپنے بیٹے کی خاطر بہت خود غرض ہو گیا تھا لیکن کیا کرتا میری ذہنی رو بھٹک چکی تھی اس لیے تم سے اتنی بڑی بات کہہ گیا۔'' سلینہ پتھرا گئی تھی اور آنسو بے اختیار جھولی میں گر رہے تھے۔
''بس ایک آخری بات تم میرے بعد میرے آیان کا خیال رکھنا۔ اس کا اس دنیا میں اور کوئی رشتے دار نہیں

ہے۔صرف تم ہی ہو تم میرے آیان کو ماں کا پیار دو گی ناں؟'' وہ پوچھ رہا تھا لیکن سلینہ کے ہونٹ سل چکے تھے۔

''بتاؤ سلینہ! تم نے مجھے معاف کر دیا ناں۔'' وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں شیر دل میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ میں تمہارے آیان کو بہت پیار دوں گی اسے ماں کی کمی نہیں ہونے دوں گی تم جانتے ہو میں تم سے ناراض ہو ہی نہیں سکتی۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی اور باہر دروازے پر کھڑے کامران کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے تھے۔

☆......☆

''چائے۔'' وہ کمرے میں آئی تو عدیل آگے لیپ ٹاپ پر بیٹھا کوئی فائل تیار کر رہا تھا۔

''ہاں رکھ دو۔'' اس نے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔ چائے سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر وہ اس کے پاس ہی بیڈ پر ٹک گئی۔

''ناراض ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں تو۔''

''پھر منہ کیوں بنایا ہوا ہے؟'' وہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

''عدیل بند کریں اسے۔'' اس نے لیپ ٹاپ کھینچا۔

''چھوڑو، ماہا دو مجھے ایک ضروری فائل تیار کرنی ہے۔'' اس نے لیپ ٹاپ دوبارہ کھول لیا تھا۔

''سوری عدیل پلیز۔'' وہ اس کے اس رویے پر رو دی۔ عدیل مسکرا اٹھا تھا۔

''او کے ٹھیک ہے رومت ورنہ میں بھی رو دوں گا۔'' مخصوص جملہ کہہ کر وہ دوبارہ ہنس دیا۔

''بدتمیز نہ ہو تو مجھے رلاتے ہی رہتے ہیں۔''

''ہائے نہیں جان! کیا دفعہ لگا دی میں ایسا نہیں کر سکتا۔'' وہ مسخرے پن سے بولا تھا۔

''آپ کو دیکھ کر لگتا ہی نہیں ہے، آپ فوج میں ہیں۔ آپ کو سرکس میں ہونا چاہیے تھا۔''

''بہت غصہ دلاتی ہو مجھے اس وقت ایسے بھاگی تھیں جیسے میں تمہیں کھا جاؤں گا۔''

''آپ بھی تو بہت بے باک ہو جاتے ہیں۔'' وہ شرما کر بولی۔

''اچھا چلو پھر میں بے باکی دکھاتا ہوں۔'' اس نے یہ کہہ کر ماہا کو اپنی جانب کھینچ لیا۔

''عدیل......!'' وہ اس کی شرارت پر چیخی تھی اور عدیل ہنس کر رہ گیا تھا۔

☆......☆

شیر دل کو گئے پندرہ دن ہو چکے تھے۔ آیان کو وہ اس دن کامران کے ساتھ جا کر لے آئی تھی اور حیرت انگیز بات کامران کو اس سارے واقعے کا پہلے سے ہی علم تھا اور اس نے ہی شیر دل کو فون کرنے کا کہا تھا۔ سلینہ یہ سب سن کر کامران کی پہلے سے زیادہ مشکور ہو گئی تھی اور اپنے رب کا بار بار شکر ادا کر رہی تھی کہ اس نے کامران کو اس کا ہمسفر بنایا۔

آیان کو اس نے کسی قیمتی متاع کی طرح سنبھال کر رکھا تھا اور وہ اس سے اور کامران سے کافی حد تک مانوس ہو چکا تھا۔ زینب اور حماد بھی اپنے اس ننھے پیارے سے بھائی کو پا کر کافی خوش تھے۔ اس نے شیر دل سے کیا وعدہ پورا کر دیا تھا اور وہ آج سرخرو ہو گئی تھی۔

☆......☆

عدیل دو دن کے لیے اسلام آباد سے مانسہرہ گیا ہوا تھا۔ ماہا بھی ثمینہ بیگم کی طرف گئی ہوئی تھی۔
''عدیل کا فون آیا؟'' ثمینہ بیگم نے پوچھا تھا۔
''ہاں کیا تھا، انہوں نے کہا کہ پرسوں تک آ جائیں گے۔'' وہ بولی تھی۔
''آپی آج شاپنگ پر نہ چلیں۔'' زویا نے فیشن میگزین منہ سے ہٹاتے ہوئے کہا۔
''چلو ٹھیک ہے شام تک چلیں گے۔''
''امی مجھے ڈاکٹر کے پاس بھی جانا ہے۔''
''کیوں......خیریت۔'' ثمینہ بیگم نے پریشانی سے اس کی جانب دیکھا تھا۔
''پتا نہیں کیوں دو تین دن سے چکر سے آ رہے ہیں اور طبیعت بھی بوجھل اور سست سی ہو رہی ہے۔'' ثمینہ بیگم یہ سب سن کر مسکرا دیں۔
''امی! آپ ہنس کیوں رہی ہیں۔''
''ارے ماہا میں نانی بننے والی ہوں ناں۔''
''کیا مطلب!'' وہ ناسمجھی کے عالم میں بولی تھی۔
''ارے پاگل خوش خبری ہے تم ماں بننے والی ہو۔'' ثمینہ بیگم خوشی سے گویا ہوئیں۔
''ہو رہے میں خالہ بننے والی ہوں۔'' یہ سن کر زویا نے بھی فیشن میگزین دور اچھالا اور خوشی سے اس کے گلے لگ گئی تھی، جب کہ وہ شرم کے مارے کچھ بول بھی نہ سکی تھی۔ ثمینہ بیگم نے کلینک سے ہی بی جان کو فون کر کے یہ خوش خبری سنا دی تھی اور سلینہ کو بھی فون کر دیا تھا۔ وہ بہت خوش تھی۔ ڈاکٹر نے کچھ میڈیسن اور طاقت کے ٹانک لکھ کر دیے تھے اور مکمل بیڈ ریسٹ کی ہدایت کی تھی۔
''امی! عدیل کو بتایا؟'' اس نے گھر آتے ہی پوچھا تھا۔
''نہیں، سرپرائز دینا۔'' ثمینہ بیگم ہنستے ہوئے کہنے لگیں۔
''امی! غصہ کریں گے، فوراً کیوں نہیں بتایا۔'' وہ ناراضی کے ڈر سے بولی تھی۔
''ارے نہیں ناراض ہوتا، پرسوں تو آ جائے گا۔'' ثمینہ بیگم اس کے لیے پھل کاٹنے لگیں جب کہ اس نے پرسکون سانس لے کر آنکھیں موندھ لی تھیں۔

☆......☆

بی جان سلینہ بچے سب یہ خوش خبری سن کر دوڑے چلے آئے تھے، بی جان تو یہ خبر سن کر پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی ماہا کے دونوں گال چٹاچٹ چوم لیے اور ڈھیروں دعائیں دیں۔ سلینہ بھی اس کے ساتھ چھیڑ خانی کر کر کے اسے تنگ کر رہی تھی۔ وہ شرم سے گلال ہوئی جا رہی تھی۔ سب لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ اچانک بی جان کا فون بج اٹھا۔
''السلام علیکم، کون؟'' بی جان نے شائستگی سے پوچھا تھا۔
''ارے عدیل! میرے بچے کیسا ہے تو، ہاں اچھا کتنے دن تک، چلو ٹھیک ہے اللہ تمہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے اور ہاں تمہیں ایک خوش خبری بھی سنانی تھی۔ تم باپ بننے والے ہو۔'' بی جان نے ہنستے ہوئے بتایا تھا۔

''سچ!'' دوسری جانب وہ چیخ اٹھا تھا۔
''ہاں پاگل سچ ہے جھوٹ کیوں بولوں گی۔'' بی جان نے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا۔
''ماہا ٹھیک ہے۔''
''ہاں ٹھیک ہے۔ ریسٹ کر رہی ہے بعد میں فون کر لینا۔''
''چلیں ٹھیک ہے اللہ حافظ۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا تھا۔
''عدیل تھا، بہت خوش ہے کہہ رہا تھا کہ سوات کے حالات خراب ہو رہے ہیں اور اسے ایمرجنسی میں بلوایا گیا ہے۔''
''اچھا اللہ اسے اپنے حفظ دامان میں رکھے۔'' ثمینہ بیگم خوشی سے کہنے لگیں تھیں۔
''اچھا بہن میں ذرا ماہا سے مل لوں پھر ہم چلیں گے۔'' بی جان اٹھتے ہوئے کہنے لگیں۔
''چلیں آئیں ماہا کے کمرے میں۔'' بی جان نے ثمینہ بیگم کے ساتھ ہی قدم بڑھا دیے۔

☆......☆

''ہیلو کیسی ہو؟'' دوسری جانب عدیل تھا۔
''ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟''
''میں ٹھیک اور بہت خوش ہوں۔'' وہ بولا۔
''تھینک یو سوچ ماہا۔'' اس کے لہجے میں خوشی کی کھنک تھی۔
''کس بات کے لیے؟'' وہ بولی۔
''پیارا سا تحفہ دینے کے لیے۔''
''آپ کب آئیں گے؟'' اس نے پوچھا۔
''بہت جلد مجھے بھی آنے کی بہت جلدی ہے۔'' ماہا کو اس کا جملہ کچھ عجیب سا لگا تھا۔
''اچھا اپنا بہت سا خیال رکھنا اور میرے پیارے سے منے کا بھی۔''
''آپ جلدی آ جائیں ناں۔'' آج پتا نہیں کیوں اسے عدیل کی باتوں سے ڈر لگ رہا تھا۔
''فکر نہ کرو، جلدی آؤں گا۔ بی جان اور سلینہ کو بہت سا پیار اور سلام دینا، اب مشکل ہے دوبارہ فون کر سکوں کافی کام بڑھ گیا ہے۔ اچھا اپنا بہت خیال رکھنا اللہ حافظ۔'' اس نے یہ کہہ کر فون کاٹ دیا تھا لیکن ماہا ابھی بھی فون ہاتھوں میں تھامے بیٹھی تھی۔ پتا نہیں کیوں اس کا دل گھبرا رہا تھا وہ کچھ سمجھ نہ سکی تھی۔

☆......☆

سوات کے حالات کافی خراب ہو رہے تھے۔ دہشت گرد کئی علاقوں پر قبضہ کر رہے تھے لیکن ہمارے فوجی بہادر بھائی جرأت مندی اور بہادری سے ان کا مقابلہ کر رہے تھے۔ کیپٹن عدیل، سلیمان، میجر فرقان بھی سوات کے متاثرہ علاقہ کے کیمپوں میں پہنچ چکے تھے۔ سوات کا آدھا علاقہ دہشت گردوں سے خالی کرا لیا گیا تھا لیکن آدھا ابھی بھی ان کے قبضے میں تھا۔ کیپٹن عدیل اور سلیمان کو آرڈر دیا گیا کہ وہ اپنی اپنی نفری لے کر متاثرہ علاقے میں پھیل جائیں کیونکہ دہشت گردوں کی دو اہم چوکیاں ابھی بھی قائم ہیں۔ جن کو ختم کرنا ازحد ضروری تھا۔
''عدیل تم اور تمہارے ساتھی پہاڑی والی سائیڈ کی طرف روانہ ہوں گے جب کہ سلیمان جنگل والی

سائیڈ پر نفری لے کر جائے گا۔ کیوں کہ یہی دو اہم جگہیں ہیں جہاں ان کی چوکیاں ہیں ہمیں امید ہے ہم ان ناسوروں کا مل کر مقابلہ کریں گے۔ چلیں اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ اللہ پاک آپ سب کو اپنے مشن میں کامیاب کرے، آمین۔'' میجر فرقان نے چند اور ضروری باتیں کیں اور ان سب کو ہدایت دے کر چلے گئے۔

☆......☆

رات کو ان کا سفر شروع ہونا تھا۔ اس لیے وہ صبح ہی تیاریوں میں مصروف تھے۔ عدیل اور سلیمان بھی اپنی اپنی پیکنگ کر رہے تھے۔

''پتا نہیں کیوں آج دل چاہتا ہے کہ اپنا وعدہ توڑ دوں۔'' اس بات پر سلیمان کے کام کرتے ہاتھ رک گئے تھے۔ اس نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

''ہاں مگر مجھے پتا ہے تم ایسا نہیں کرو گے بلکہ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا۔ ہم نے دھرتی ماں سے عہد کیا ہے اور ماں سے عہد توڑتے نہیں ہیں۔'' عدیل نے جواباً اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ مطمئن لگ رہا تھا اور شاید عدیل بھی مطمئن تھا اس کا بارہا دل چاہا ماہا کو فون کرنے کا لیکن ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اسے ہمت ٹوٹنی قبول تھی لیکن عہد توڑنا قبول نہ تھا اور یوں آخر وہ اپنے عہد کو ساتھ لے کر مشن پر روانہ ہو گیا تھا۔

☆......☆

اس مٹی کا قرض
ہم کو
اتارنا ہے
اس دھرتی ماں کا
ہمارے پر
بڑا قرض ہے
جسے ہم نے
اتارنا ہے
اس لیے تو دیکھو
یہ دھرتی ماں
کیسے مطمئن و شاد ہے
کیونکہ اس کا قرض
اس کے بیٹوں نے
اتارنا ہے
اس مٹی کا قرض
ہم کو
اتارنا ہے

عدیل سرخرو ہو کر گھر آ چکا تھا۔ اس نے اپنا عہد پورا کر دیا تھا۔ وہ اپنے عہد کا کتنا پکا تھا ماہا چپ سی بس اس کی میت کے قریب بیٹھی تھی۔ بالکل چپ اب بول کے کرتی بھی کیا جس سے بولتی تھی وہ تو دور جا چکا تھا۔ دور

بہت دور، کبھی نہ آنے کے لیے۔ اب تو ان کے درمیان ہمیشہ کی طویل دوری آگئی تھی۔

''ماہا! صرف ایک مرتبہ رو لے۔'' بی جان نے اسے جھنجھوڑا تھا۔

''نہیں بی جان! میں نہیں روؤں گی عدیل کو برا لگے گا۔'' وہ یکدم پیچھے ہٹی تھی۔

''دیکھیں بی جان! عدیل مسکرا رہے ہیں۔'' اس نے اشارہ کیا اور پھر یک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

بی جان نے اسے سینے سے لگا لیا تھا۔

یوں عدیل ان سب کو چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ پیچھے صرف اس کی یادیں تھیں۔ باتیں تھیں۔ وہ اپنی نشانی چھوڑ کر گیا تھا ہاں اس کی نشانی اس کا پیارا سا منا، جو ماہا کو عدیل کی ہمیشہ یاد دلاتا رہے گا اور یہ ان کے پیار کی پہلی اور آخری نشانی تھی۔ زندگی چلتی گاڑی کا نام ہے۔ جو بس چلتی رہتی ہے۔ بھلا زندگی بھی کسی کے جانے سے رکی ہے۔ عدیل کو گزرے دس دن ہو چکے تھے۔ ماہا کی حالت کافی خراب ہوگئی تھی۔ اس لیے وہ اسپتال ایڈمٹ تھی۔ لوگ افسوس کے لیے آرہے تھے۔ عدیل کی موت پر ہر آنکھ اشکبار تھی۔ کسی کو یقین بھی نہیں آرہا تھا کہ عدیل اتنی جلدی چلا جائے گا۔ یقین تو بی جان کو بھی نہیں تھا مگر وہ مطمئن ہوگئی تھیں۔

''فضل علی، آج ایک اور عہد میں نے پورا کر دیا تیرا اب خوش ہوتاں؟'' وہ تصور میں فضل علی سے مخاطب تھیں اور فضل علی کو مسکراتا پا کر خود بھی ہولے سے مسکرا دیں تھیں۔

☆......☆

دس سال بعد......

''بیٹا جلدی کرو نا اسکول وین لیٹ ہو جائے گی۔'' ماہا نے ٹیبل پر ناشتہ لگا کر محمد علی کو آواز دی تھی۔

''السلام علیکم امی جان!'' اس نے آتے ہی سلام کیا اور چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''وعلیکم السلام! جلدی کریں بیٹا وین آجائے گی۔'' ماہا نے دودھ کا گلاس اس کے آگے رکھا اور کہنے لگی۔

امی! آج ابو کی تصویر سے باتیں کرتے کرتے ٹائم کا پتا ہی نہیں چلا۔'' اس نے دودھ کا گلاس تیزی سے ختم کیا اور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اچھا کیا باتیں کیں آج؟'' ماہا نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔

''یہی کہ میں بھی ابو کی طرح بہادر بنوں گا اور فوج میں جاؤں گا۔ اور اپنے ابو کا نام روشن کروں گا۔'' وہ ایک جذب سے کہہ رہا تھا۔ ماہا نے فقط دل سے آمین کہا تھا۔

''ہاں ضرور۔'' اتنے میں وین آگئی تھی۔

''اچھا امی اللہ حافظ۔''

''جاؤ بیٹا اللہ حافظ۔'' ماہا نے ہولے سے ہاتھ ہلایا اور وہ تیزی سے بھاگتا دروازہ پار کر گیا تھا۔ وہ بھی دروازہ بند کر کے سیدھی اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

''عدیل! تم نے تو اپنا عہد پورا کر دیا اب مجھے کرنا ہے۔'' وہ سامنے لگی عدیل کی تصویر سے باتیں کر رہی تھی اور ماہا کو ایسا لگا تھا کہ عدیل مسکرا رہا ہے۔ وہ بھی مسکرانے لگی تھی۔

عدیل نے اس دھرتی ماں کا اپنے حصے کا قرض اتارا تھا حالانکہ اس دھرتی ماں کا ابھی قرض کم بالکل کم معمولی تھوڑا سا قرض اترا تھا۔

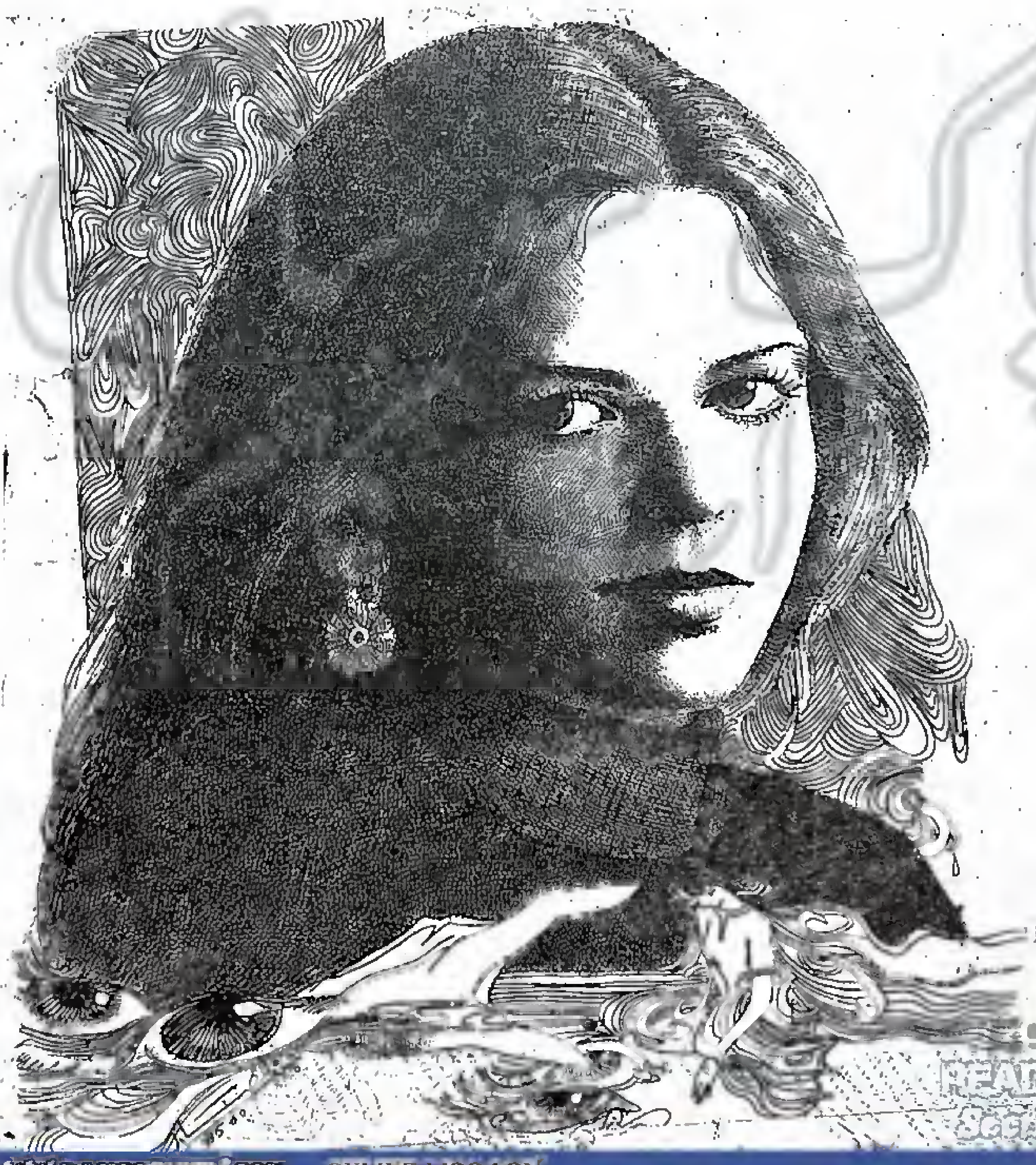
......☆......

تہمینہ بانو

ناولٹ

ایسا بھی ہوتا ہے

جون کی تپتی دھوپ سورج کی تیز گرمائش دماغ کو چھو رہی تھی جبکہ سورج کی تیز روشنی سے آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔ سڑک پر جمی ٹریفک میں گاڑیوں کے بڑھتے ہجوم کے ساتھ ساتھ لوگوں کا شور بھی ماحول میں افراتفری



کا منظر پیش کر رہا تھا، جہاں کچھ لوگ خاموشی سے گاڑیوں میں بیٹھے ٹریفک رولز کو فالو کرتے گرین سگنل ہونے کا ویٹ کر رہے تھے تو کچھ لوگ اپنی منزل کی طرف بڑھنے کی جلدی میں ہارن پہ ہارن بجا رہے تھے۔

آج آخری پیپر دے کر وہ کالج سے باہر کھڑی سر پر پہنچتی دھوپ سے پسینے میں شرابور ہوئی رش کم ہونے کا ویٹ کر رہی تھی، اسے لگا کہ اگر وہ اسی طرح کھڑی رہی تو شاید رات یہیں پڑ جائے۔ کیونکہ گاڑیوں کی لمبی لمبی لائنیں اتنی جلدی ختم نہیں ہونے والیں۔ سڑک پر جو جگہ گاڑیوں سے خالی تھی، وہ کالج اسٹوڈنٹ اور پیدل آتے جاتے لوگوں نے کور کر رکھی تھی۔

وہ کچھ سوچتے ہوئے آگے بڑھی گاڑی نے تھوڑی سی آگے حرکت کی تو اس نے جلدی سے اس جگہ پر سے گزرنا چاہا ہی تھا کہ پیچھے والی گاڑی وہاں آ کر کھڑی ہو گئی، 10 منٹ کے بعد جب اس گاڑی نے موومنٹ کی تو اس نے جلدی سے پھر گزرنا چاہا ہی تھا کہ پیچھے سے ایک اور گاڑی آئی اور اس سے ٹکرا گئی۔ اس کے ہاتھ سے فائل اور بک چھوٹ کر نیچے گر گئی۔



''ہائی''! ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے شخص نے بے ساختہ کہا اور جلدی سے گاڑی سے اترا۔

''صبا آر یو اوکے؟'' کسی لڑکی نے اسے پیچھے سے پکارا۔ تو اس لڑکے نے بھی اپنی کیفیت پر قابو پایا تھا۔

''ایم سوری!'' قریب آ کر اس لڑکے نے اس سے کہا جو بک اور فائل اٹھا رہی تھی۔ سیدھی ہو کر وہ آواز کی سمت پلٹی۔

''واٹ سوری! اندھے ہیں آپ...... نظر نہیں آتا آپ کو''۔ وہ تو کچھ پل کے لئے ششدر رہ گیا، شاید وہ یہ سب ایکسپیٹ نہیں کر رہا تھا۔

''مجھے تو لگتا ہے نظر آپ کو نہیں آتا، دیکھ نہیں رہیں اتنی ٹریفک کو پھر بھی احمقانہ حرکت کر رہی ہیں آپ۔ اگر اتنا ہی شوق ہے مرنے کا تو کسی اور کی گاڑی......''

''واٹ ربش، یہ جو اتنے بڑے بڑے گاگلز لگائے ہیں اگر ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو انہیں اتار کر کہیں دیوار سے دے ماریں۔ اگر ڈرائیونگ نہیں کرنی آتی تو بندہ نہ کرے۔ اونہہ ایویں شوخیوں پر اترے رہتے ہیں''۔ کہتے ساتھ ہی وہ آگے بڑھ گئی۔ وہ پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

......☆......

''السلام علیکم! انابی پلیز پانی پلا دیں''۔ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے فائل اور بک ایک طرف پھینکی، دوپٹہ ایک طرف، جوتے اتارے بغیر ہی وہ صوفے پر لیٹ گئی۔

''انابی گلاس میں نہیں لائیے گا، بوتل ہی لے آئیں بہت پیاس لگی ہوئی ہے۔ اف اس دفعہ تو لگتا ہے پاکستان کی گرمی نے عالمی ریکارڈ توڑنا ہے''۔ اس نے آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ گاڑی والا لڑکا نظر آ گیا۔

''ایڈیٹ، جانور، جنگلی''۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگی۔

''کیا ہوا پیپر اچھا نہیں ہوا، منہ پر بارہ کیوں بج رہے ہیں''۔ انابی نے اسے بوتل اور گلاس پکڑاتے ہوئے پوچھا۔ اس نے جلدی سے گلاس پانی سے بھرا اور ایک ہی سانس میں ختم کر دیا۔ انابی اسے دیکھ کر ہی رہ گئیں۔ انہوں نے اسے کافی دفعہ منع کیا تھا کہ ایک ہی سانس میں گلاس ختم مت کیا کرو۔ مگر وہ صبا ہی کیا جو بات مان جائے۔

''کیا بتاؤں انابی! آج تو مرتے مرتے بچی''۔ اس نے ایک ہی سانس میں ساری ڈیٹیل بتا دی۔

''اوہ میرے خدا تمہیں کہیں چوٹ تو نہیں لگی''۔

''اگر لگ جاتی تو اس کی خیر نہیں تھی، ویسے کی تو ابھی بھی نہیں چھوڑی تھی میں نے''۔ انابی خوب اسے جانتی تھیں۔ کوئی اسے کچھ کہہ کر جائے تو جائے کہاں یہ تو چیل کوؤں کی طرح پڑ جاتی ہیں محترمہ۔

''انابی! یہ جو لمبی لمبی گاڑیوں میں بیٹھنے والے چلتے پھرتے لوگوں کو کیڑے مکوڑے سمجھتے ہیں کیا؟'' اتنا کچھ کہہ کر بھی اس کا غصہ کسی طور پر کم نہیں ہو رہا تھا۔

......☆......

صبح سویرے کا وہ گاڑی لے کر نکلا رات 8 بجے گھر واپس آیا تھا، اس وقت آغا پلس رنگی برنگی روشنیوں میں نہایا ہوا تھا، وہ لاؤنج میں آیا جہاں گھر کی ینگ پارٹی نے خوب محفل جما رکھی تھی۔

اس نے غصے سے گاڑی کی چابی ٹیبل پر پھینکی اور گرنے کے سے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کے آنے سے ساری ینگ پارٹی خاموش ہو چکی تھی جسے شاید اس نے نوٹ نہیں کیا تھا۔

''سمجھتی کیا ہے خود کو؟ بدتمیز و جاہل لڑکی''۔ وہ منہ میں ہی بڑبڑایا۔ ہانی نے اسے پانی لا دیا جسے اس نے خاموشی سے تھام لیا۔

''کیا ہوا کس نے تمہاری شان میں گستاخی کر دی''۔ جیسے ہی اس نے خالی گلاس ٹیبل پر رکھا تو احمر نے پوچھا۔

''کچھ نہیں یار بس ایسے ہی......''

''بھائی کیا بنا اس کام کا جس کے لئے چاچو نے بھیجا تھا''۔ عائبہ نے پوچھا۔

''اس کے لئے تو جنگل خوار ہو کر آ رہا ہوں اس سے تو اچھا تھا، میں یونیورسٹی ہی چلا جاتا۔ اتنی تھکاوٹ تو نہ ہوتی، میں فریش ہو جاؤں اتنی دیر میں کھانا نکال دو

پلیز''۔ وہ کہتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆......☆

''جی بی جان! آپ نے مجھے بلایا''۔
''ہاں ریحان بیٹھو! میں نے تم سے جو کام کہا تھا کیا بنا اس کا؟''
''بی جان! میں پتہ کروا رہا ہوں جلد ہی کوئی سراغ.....''
''یہ کوئی مشکل کام تو نہیں تھا تمہارے لئے جسے تمہیں کرنے میں اتنا ٹائم لگے''۔ بی جان ٹھیک ہی تو کہہ رہیں تھیں اس نے تو تیسرے دن ہی پتہ لگوا لیا تھا لیکن کچھ اچھی معلومات نہیں ملی تھیں جو بی جان کو وہ بتا پاتا۔
''آخر کب تک بی جان سے چھپائیں گے آپ، ایک نہ ایک دن تو بتانا ہی پڑے گا۔ میرے خیال میں جتنی جلدی ہوسکے آپ انہیں بتادیں، ان کی آس امید تو باقی نہ رہے، صبر تو ظاہر ہے آہستہ آہستہ ہی آئے گا''۔ نویدہ بیگم کی آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی۔
''مجھے کیوں لگ رہا ہے کہ تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو''۔ انہیں اپنے بیٹے کے چہرے پر اتار چڑھاؤ صاف نظر آرہے تھے۔ وہ گڑبڑا گئے۔
''بی جان! آپ کے لئے کوئی اچھی خبر نہیں ہے''۔ انہوں نے بہت ہمت کر کے سر جھکائے کہا۔
''کیا خبر ہے بتاؤ مجھے، کیا وہ یہ ملک ہی چھوڑ گیا ہے پھر بھی تمہیں کوئی مشکل نہیں ہونی چاہئے، اب تو دنیا مٹھی میں سمٹی لگتی ہے کچھ بھی ناممکن نہیں رہا تو پھر تم.....''
''بی جان! وہ ملک تو کیا دنیا ہی چھوڑ گیا ہے''۔ انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
''کیا.....'' انہیں شاید یقین نہیں آرہا تھا۔
''رحمان اور اس کی بیوی جہاں رہتے تھے وہاں سے میں نے پتہ کروایا ہے، رحمان اور اس کی بیوی کی کافی عرصے پہلے ڈیتھ ہوچکی ہے، ان کی ایک بیٹی ہے، جو کسی وجہ سے وہ گھر بیچ کر تین ماہ پہلے وہاں سے جاچکی ہے، یہ معلومات وہاں کے رہنے والے مالک مکان نے دی تھیں''۔
''نہیں ایسا نہیں ہوسکتا، میرا بیٹا مجھ سے ملے بغیر نہیں.....'' وہ تڑپ تڑپ کر رو دیں، جو ایک آس امید تھی وہ بھی ٹوٹ چکی تھی۔

☆......☆

سید ضمان آغا اور میمونہ بیگم کے تین بیٹے تھے، شیبان، ریحان اور رحمان..... شیبان کی شادی آغا جی نے اپنی بھتیجی جبین سے کی تھی۔ ان کی چار بیٹیاں عائزہ و عائبہ، رائبہ، نائمہ اور دو بیٹے شعیب اور شاذل تھے۔ ریحان کی شادی میمونہ بیگم نے اپنی بھانجی نویدہ سے کی تھی، جن کے دو بیٹے احمد اور اشعر اور ایک بیٹی ہانیہ تھی۔ جبکہ رحمان کی شادی انہوں نے زبردستی اپنی بھتیجی سے کی تھی، جس کا ایک ہی بیٹا عبدالہادی تھا، شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد انہوں نے پسند سے اپنی کلاس فیلو سے شادی کرلی تھی، جب گھر والوں کو پتہ چلا تو انہوں نے ایکسپٹ کرنے سے انکار کردیا، تب وہ بیوی کو لے کر کہیں اور شفٹ ہوگئے تھے۔ ہادی چار سال کا تھا جب اس کی ماں کی ڈیتھ ہوگئی تب رحمان نے اسے ساتھ لے جانے کی بہت کوشش کی، لیکن آغا جی نے اسے لے جانے نہیں دیا تھا، جبکہ ہادی باپ سے کافی اٹیچ تھا، وہ اس سے ملنے آتے تھے، لیکن وردہ کی ڈیتھ کے بعد آغا جی نے اس پر گھر کے دروازے بند کردیئے۔ انہوں نے بھی یہاں آنا چھوڑ دیا تھا۔ آغا جان کی ڈیتھ کے بعد اب میمونہ بیگم ہی گھر کی سربراہ تھیں۔ وہ تو انہیں بہت پہلے ہی معاف کرچکی تھیں۔ لیکن آغا جی اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے۔ ان کی ڈیتھ کے بعد بی جان چاہتی تھیں۔ ان کا بیٹا ان کے پاس آجائے، جسے دیکھے سالوں گزر چکے ہیں۔

☆......☆

''کچھ جلدی خیال نہیں آگیا بی جان کو اپنے گمشدہ بیٹے کا.....'' اپنے بیڈروم میں آتے ہوئے ہادی نے کمرے سے آتی ان کی آواز سنی تھی پوری بات سنے

بغیر ہی وہ کمرے میں آ گیا تھا اور اب جھنجلا رہا تھا۔

''اتنے برسوں بعد خیال آیا ہے اپنے بیٹے کا۔'' جبکہ ہادی تو ان کو پچھلے کئی سالوں سے تلاش کر رہا تھا۔ لیکن ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا تھا۔ وہ وقت کے ساتھ ساتھ ایک خول میں بند ہوتا جا رہا تھا۔ ہر وقت سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے رکھتا تھا۔

☆......☆

یونیورسٹی کے پارکنگ ایریا میں بمشکل ایک گاڑی کی جگہ بچی تھی۔ آج کوئی سیمینار تھا لہٰذا کافی سارے باہر کے لوگ بھی آئے ہوئے تھے۔ اس جگہ اشعر اور شاذل اپنی گاڑی پارک کرنے ہی لگے تھے کہ سامنے سے ایک بائیک آ کر رکی، بائیک پر ایک لڑکی تھی، لڑکی نے ہارن بجا بجا کر انہیں گاڑی پیچھے کرنے کو کہا۔ غصے سے اس نے ہیلمٹ اتارا اور انہیں دیکھنے لگی۔

''اوئے ہانی''! شاذل نے دیکھتے ہی کہا۔

''صبا''۔ اشعر منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

''یہ تو وہی ہے جس نے اس دن سڑک پر مجھ سے منہ ماری کی تھی، جس کی وجہ سے میں 4 دن ڈسٹرب رہا تھا''۔ وہ ہارن سننے کی بجائے اپنی باتوں میں لگے ہوئے تھے۔

''مسٹر! اگر آپ کو گاڑی میں سونے کا شوق ہے تو یہ شوق کہیں اور جا کر پورا کریں، پلیز یہاں سے گاڑی ہٹائیں مجھے اپنی بائیک پارک کرنی ہے۔ میری کلاس کا ٹائم ہو گیا ہے''۔ باتوں باتوں میں انہیں پتہ ہی نہیں چلا کہ کب لڑکی ان کے سر پر پہنچ چکی تھی۔

''لو محترمہ آپ اپنی بائیک پیچھے کریں کہ ہم اپنی گاڑی پارک کر کے آپ کو راستہ دے سکیں، ویسے سائیڈ سے آپ کی بائیک آرام سے گزر سکتی ہے''۔ اشعر مزے سے بولا۔

''مجھے رستہ نہیں چاہئے''۔ وہ جھنجلا گئی۔

''تو کیا دل چاہئے، وہ بھی کھڑے کھڑے''۔ اشعر نے مصنوعی حیرت سے پوچھا، شاذل نے اس بکواس پر اسے گھورا تھا۔

''واٹ...... دماغ درست ہے آپ کا''۔ لڑکی اچھل ہی پڑی۔

''کیوں آپ کو ٹھیک کرنا آتا ہے''۔ اشعر چہکا۔ شاذل کو یقین ہو گیا کہ وہ واقعی اس کا دماغ سیٹ کر دے گی۔

''جی ہاں...... بہت اچھی طرح سے، اور آپ جیسوں کا تو مفت میں درست کر دیتی ہوں''۔

''آں...... ہاں''۔

''ایڈیٹ...... راستہ دو مجھے بائیک پارک کرنی ہے''۔

''اے ہیلو میڈم ایڈیٹ کسے بولا''۔ اشعر کو غصہ آ گیا تھا۔

''کول ڈاؤن یار''! شاذل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ایڈیٹ کو ایڈیٹ نہیں کہوں گی تو اور کیا کہوں گی''۔ اتنے میں ایک اور جگہ خالی ہو گئی۔

''چل ادھر پارک کر دیتے ہیں''۔ شاذل نے کہا۔ اشعر غصیلی نگاہ ڈالتے ہوئے۔ آندھی طوفان کی طرح وہاں سے گاڑی بھگا لے گیا، لڑکی اچھل کر دو قدم پیچھے ہوئی۔

''یو ایڈیٹ''۔ لڑکی نے چلا کر کہا۔

☆......☆

''میرا تو دل کر رہا تھا اس کی گردن مروڑ دوں''۔ گھر آ کر بھی اشعر کو سکون نہیں مل رہا تھا۔

''تو مروڑ دینی تھی ناں''۔ احمر نے کہا جو چینل کی سرچنگ کر رہا تھا۔

''بس بیٹا بس اتنی انرجی ویسٹ نہ کرو ہوتا تم سے کچھ نہیں ہے صرف باتیں ہی کرتے ہو''۔ شاذل نے جلتی پہ تیل ڈالا تھا۔

''تم پھاپھا کٹنے تم نے ہی کہا تھا کول ڈاؤن''۔

''اور تو ہو گیا، شاباش، قربان جاؤں تیری فرمانبرداری پر''۔

''اب وہ مجھے ملی ناں تو پھر دیکھنا''۔

''کیا کرے گا اس کے پاؤں پڑ جائے گا''۔

"میرا اس وقت تمہارے ساتھ لڑنے کا کوئی موڈ نہیں ہے، اس لئے چپ کر جاؤ، ویسے بھی بھوکے پیٹ لڑا نہیں جاتا مجھ سے"۔

"تو کیا اس سے لڑنے کا موڈ ہے"۔ شاذل آج زیادہ ہی چہک رہا تھا اشعر نے کشن اٹھا کر اسے مارا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

☆

"M, I Coming Sir ?"۔ اس نے دروازے کو ناک کرتے ہوئے پوچھا۔

"لیں"۔ اس نے فائل پر نظر جمائے ہوئے ہی کہا۔

"ہانی تم یہاں......" جیسے ہی اس نے سامنے دیکھا تو بے ساختہ کہا۔ لڑکی نے اپنے پیچھے دیکھا، لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ تب وہ سمجھی کہ اسے ہی کہا گیا ہے۔

"سر میرا نام صبا رحمٰن ہے کچھ دن پہلے میں نے نیوز پیپر میں آپ کی فرم کے لئے اکاؤنٹ منیجر کی پوسٹ کا ایڈ دیکھا تھا، سر میں اسی سلسلے میں آئی ہوں"۔ وہ بڑے کونفیڈینس کے ساتھ بولی وہ خود ہی چیئر پر بیٹھ گئی تھی۔ ہادی تو اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے بمشکل خود کو سنبھالا اس سے کوالیفکیشن وغیرہ پوچھنے لگا۔

"سر میری کوالیفکیشن تو اتنی نہیں ہے لیکن پھر بھی قابلیت کی بنا پر میں اس پوسٹ کے لئے خود کو قابل سمجھتی ہوں"۔

"لیکن ہم تو کوالیفکیشن اور قابلیت دونوں کی بنا پر جاب دیتے ہیں"۔

"سر یہ میری C.V ہے اسے دیکھ لیں"۔ ہادی نے خاموشی سے C.V دیکھی C.V ریکارڈ کے مطابق میٹرک سے BCS تک فرسٹ پوزیشن لی گئی تھی، کچھ ڈپلومز بھی تھے۔

"Sir I think آپ کو مجھے ایک چانس دینا چاہئے"۔ ہادی نے ایک نظر اسے دیکھا پھر انٹر کام پر زیدی کو اندر آنے کو کہا۔

"مس صبا! یہ یہاں کے G.M ہیں اور زیدی صاحب یہ یہاں جاب کے لئے آئی ہیں اور میں نے انہیں اپائنٹ کر لیا ہے"۔

"مس صبا! میں آپ کو ایک چانس دے رہا ہوں جس میں آپ نے اپنی قابلیت ظاہر کرنی ہے"۔

"Thank You Sir"

☆

اسے ایک ہفتہ ہو گیا تھا اس جاب پر۔ ہادی کو یہ ماننا ہی پڑا کہ وہ ایک قابل لڑکی ہے، وہ پہلے دن والی بات نہیں بھولا تھا جب اس نے اسٹاف کے ساتھ ساتھ اسے بھی گڈ مارننگ کہا۔ خود بڑھ کر اس کی ٹیبل تک آیا تھا۔

"ہیلو مس صبا! کیسا لگا آپ کو آفس میں پہلا دن"۔

"سر! اسٹاف تو بہت اچھا ہے مگر آفس میں خاص کر اکاؤنٹ سیکشن میں کچھ تبدیلی کی ضرورت ہے"۔ صبا نے اسی اعتماد کے ساتھ کہا جو اس کا خاصا تھا۔ مگر ہادی اس جواب کی توقع نہیں کر رہا تھا وہ چونکے بنا نہ رہ سکا۔ مگر جلد ہی خود کو نارمل کر لیا تھا۔

☆

آج اس کو پہلی سیلری ملی تھی، وہ اناں بی کے ساتھ شاپنگ کے لئے آئی تھی۔ شاپنگ سے فارغ ہو کر کسی کنوینس کے انتظار میں سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔ اگر اکیلی ہوتی تو وہ اپنی بائیک پر آ جاتی، جبکہ اناں بی کو اس ہوائی سواری سے بہت ڈر لگتا تھا، اس لئے وہ کسی رکشے، ویگن پر ہی سفر کرنا پسند کرتی تھیں۔

ابھی وہ انتظار میں ہی تھی کہ کچھ ہی فاصلے پر اس کی نظروں کے سامنے ایک منظر گھوما جسے دیکھ کر وہ چند سیکنڈ کے لئے سکتے میں ہی رہ گئی۔ اچانک ہی وہ سنبھل گئی تھی، ہاتھ میں پکڑے شاپنگ بیگ نیچے گرائے، سڑک کے بیچوں بیچ کھڑی ہو گئی۔

دراصل وہاں ایک گاڑی والے نے سڑک کراس کرتے بچے کو ٹکر ماری تھی، وہ بری طرح زخمی ہو گیا تھا، وہ شخص بھاگنے کو ہی تھا کہ صبا گاڑی کے آگے آ گئی ناچار اسے گاڑی روکنا پڑی تھی۔ کیونکہ چاروں طرف

لوگ بھی اکٹھا ہونے شروع ہو گئے تھے۔
''شرم تو نہیں آتی آپ کو ایک معصوم بچہ آپ کی وجہ سے موت کے منہ میں جا رہا ہے اور آپ نے بے حسی کی ساری حدیں ہی پار کر دیں۔ اسے ایسے ہی چھوڑ کر جا رہے ہیں''۔ اس نے گاڑی میں بیٹھے نوعمر لڑکے کا دھیان اس بچے کی طرف کروایا تھا جو بے ہوش ہو چکا تھا۔ سر سے تیزی سے خون بہہ رہا تھا۔ پاس بیٹھی شاید اس کی ماں تھی۔ جو سر پکڑے رو رہی تھی۔
وہ گاڑی سے اتر آیا تھا، اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ ''انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے آپ میں، آپ تو انسان کہلانے کے بھی لائق نہیں ہیں بے حس۔ اب میری شکل کیا دیکھ رہے ہیں اٹھائیں انہیں ہوسپٹل لے کر جائیں۔'' صبا مسلسل چیخ رہی تھی۔
لڑکے نے سات آٹھ سالہ بچے کو بازوؤں میں اٹھا کر گاڑی میں ڈالا تھا۔
''آنٹی! آپ بھی گاڑی میں بیٹھیں اور پلیز حوصلہ رکھیں اللہ بہتر ہی کرے گا''۔ صبا نے آنٹی کو اٹھایا اور گاڑی میں پچھلی سیٹ پر بچے کے پاس بٹھا دیا۔ صبا کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔
''اور آپ لوگ......'' اس نے اردگرد اکٹھے لوگوں کو دیکھا۔
''صرف تماشا ہی دیکھ سکتے ہیں کر کچھ نہیں سکتے''۔ کہتے ساتھ ہی وہ انا بی کی طرف بڑھی جو اس سے بھی زیادہ غصے سے اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ اسے پتہ تھا کہ اب انا بی اسے خوب سنائیں گی۔

......☆......

''آخر وہ کوئی لڑکی ہے یا کوئی بہروپ، اور کتنے روپ ہیں اس کے جو میرے سامنے آئیں گے''۔ وہ کب سے بیٹھا صرف اس کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔
وہ کافی دنوں کے بعد آج نظر آئی تھی، صبح جب وہ شاپنگ سینٹر سے باہر پارکنگ ایریا میں اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا تو کچھ فاصلے پر لوگوں کا جم غفیر دیکھا، وہ گاڑی کی بجائے ہجوم کی طرف چل دیا تھا، جہاں اس کی طرح کا کوئی اور صبا کے عتاب کا نشانہ بنا ہوا تھا۔
اس نے کچھ ہی فاصلے پر اس کی آواز سن لی تھی، یہ آواز وہ ہزاروں میں بھی پہچان سکتا تھا۔ کچھ آگے بڑھا تو ہکا بکا رہ گیا تھا۔ صبا ایک بچے کی خاطر جسے وہ جانتی تک نہیں تھی گاڑی والے کو بے بھاؤ کی سنا رہی تھی۔ اس کی آواز میں کتنا درد تھا، آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے جو شاید اسے محسوس نہیں ہو رہے تھے۔
''اس کا مطلب وہ ایک حساس دل بھی رکھتی ہے''۔ اشعر سوچتے ہوئے مسکرا دیا۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی کی تو بات تھی جب اس کی ایک دفعہ پھر جھڑپ ہوئی تھی یونیورسٹی میں اس سے۔
''ہم لائبریری میں ہی ہوں گے تم وہیں آ جانا''۔ اشعر نے شاذل کو کہا تھا۔ جو اسائنمنٹ لے کر اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف بھاگا تھا۔
وہ لوگ ابھی لائبریری کے دروازے سے داخل ہی ہونے والے تھے کہ لڑکیوں کا گروپ تیزی سے باہر نکلا۔ وہ سب آپس میں باتیں کر رہی تھیں کہ اشعر کا دوست سعد اس گروپ کی ایک لڑکی سے ٹکرا گیا۔
''اوہ......ایم سوری''۔ سعد نے معذرت کی حالانکہ غلطی اس لڑکی کی تھی۔
''اوہ......اٹس''۔ لڑکی نے فقرہ بھی پورا نہیں کیا تھا کہ انہی میں سے ایک اور لڑکی بول پڑی۔
''واٹ سوری ہاں تم لوگوں کا تو کام ہی......'' اشعر کے دماغ میں جیسے دھماکہ ہوا۔ ''ارے یہ تو وہی ہے''۔
''ہم لوگ تو جو بھی ہیں محترمہ! ذرا اپنا حدود اربعہ بتانا پسند کریں گی، ہر کسی سے خوامخواہ فری ہونے کی کوشش کرتی رہتی ہیں شاید ہابی ہے آپ کی''۔ جن بے چاروں کی ٹکر ہوئی وہ تو بھول بھال ان دونوں کو خاموش کروانے میں لگ گئے۔
''تم سے فری ہونے کی کوشش مائی فٹ......شکل دیکھی ہے اپنی سڑے ہوئے بینگن''۔
''اور تم......تم کیا ہو کیڑا لگی بھنڈی''۔ شاذل اسائنمنٹ

جمع کروا کے واپس آ رہا تھا تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے اس نے لائبریری کے باہر ہجوم دیکھا۔ ''یہ یہاں کون سی کانفرنس ہو رہی ہے''۔ وہ حیران ہوتا ہوا آگے بڑھا۔

''تم تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھ سے اس طرح بات کرنے کی''۔ لڑکی تو غصے سے لال پیلی ہو رہی تھی۔

''اس میں ہمت کی کون سی بات ہے۔ بس زبان ہی تو ہلانی ہے''۔ اشعر شاید دل کی بھڑاس نکال چکا تھا سو اب اسے زچ کر رہا تھا۔ لڑکی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیا کر ڈالے۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' شاذل نے اشعر کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کچھ نہیں یار! یہ عادت سے مجبور ہے''۔ وہ ہلکے پھلکے انداز میں کندھے اچکا کر بولا۔

''میں عادت سے مجبور ہوں یا پھر......'' وہ پھر شروع ہونے لگی۔

''پلیز بس اب بات ختم کریں کافی تماشا ہو چکا ہے''۔ اس نے اشعر کا بازو پکڑا اور واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے۔

''توبہ لڑکی ہے یا پٹاخہ''۔ سعد تھوڑا آگے جا کر بولا۔

''ایٹم بم ہے پوری''۔ اشعر ہنسا۔

''سڑا ہوا بینگن......'' شاذل کو یاد آیا۔ ''ویسے اشعر کی شکل بھی تو ایسی ہی ہے''۔ وہ دل ہی دل میں ہنسا تھا۔ ان دونوں کی بھی شکل بہت میچ ہوتی تھی۔ لوگ انہیں کزن کم اور جڑواں بھائی زیادہ کہتے تھے، اشعر شاذل سے 10، 12 دن ہی بڑا تھا۔

☆

''شیبان! میری پوتی کو ہی کہیں سے ڈھونڈ کر لا دو''۔ بی جان آج کل اپنی پوتی کے لئے پریشان ہو رہی تھیں۔ کچھ بھی تھا وہ ان کی پوتی تھی۔ ان کے عزیز از جان بیٹے کی اولاد۔

''بی جان کوشش کر رہے ہیں ہم...... انشاء اللہ بہت جلد وہ آپ کے پاس ہوگی''۔ بی جان کو جواب میں یہی لفظ سننے کو ملتا تھا۔

☆

''خون اپنے خون کو دیکھ کر جوش تو مارتا ہے''۔ بی جان کی کافی عرصہ پہلے کی ہوئی بات آج اس کی سمجھ میں آئی تھی۔

''تو یہ کشش تھی جو مجھے اپنی طرف کھینچتی تھی''۔

جب سے اسے پتہ چلا تھا کہ صبا اس کی بہن ہے، اس کے اندر ایک ہلچل سی مچی، ابھی کل ہی کی تو بات تھی جب...... وہ آفس میں بیٹھا لیپ ٹاپ میں بیزی تھا جب وہ ناک کیے بغیر اندر داخل ہوئی۔

''سر! مجھے پرمیشن چاہئے فوراً گھر جانے کی''۔

''خیریت''۔ ہادی اسے دیکھ کر ہی پریشان ہو گیا تھا آج سے پہلے اسے کبھی اتنا پریشان نہیں دیکھا تھا۔

''نہیں سر! خیریت نہیں ہے۔ مجھے ابھی ابھی گھر سے کال آئی ہے انابی کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے''۔

''اوکے آپ جائیں، ٹھہریں آپ جائیں گی کیسے؟ آپ کی بائیک ٹھیک ہو گئی ہے؟'' اس کی بائیک پچھلے تین دن سے ورکشاپ میں تھی۔

''نہیں سر! میں کوئی کنوینس پکڑ لوں گی''۔ وہ جلدی سے آفس سے باہر نکلی پیچھے ہی ہادی آ گیا تھا۔

''چلیں میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں''۔ وہ ریش ڈرائیونگ کرتا ہوا 10 منٹ میں ہی اس کے فلیٹ کے سامنے تھا۔ ایک دفعہ پہلے بھی وہ اسے چھوڑنے آیا تھا، لیکن باہر سے ہی واپس چلا گیا تھا آج وہ اندر چلا آیا تھا۔ یہ فلیٹ دو کمروں اور ایک ڈرائنگ روم پر مشتمل تھا۔ صبا گاڑی رکتے ہی تقریباً بھاگتے ہوئے فلیٹ کے اندر چلی گئی تھی۔

''خالہ، انابی کہاں ہیں؟'' اس نے کمرے سے نکلتی خالہ ثریا (ہمسائی) سے پوچھا تھا۔

''بیٹا وہ اپنے کمرے میں ہیں پہلے سے بہتر ہیں''۔ وہ کمرے کا سنتے ہی بھاگتے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔ جبکہ خالہ نے دروازے میں کھڑے شخص سے دعا

سلام کے بعد اسے ڈرائنگ روم میں بٹھادیا۔ چھوٹا سا ڈرائنگ روم کافی نفاست سے سجایا گیا تھا چاروں اطراف دیکھتے اس کی نظر سامنے دیوار پر لگی بڑی سی پکچر پر پڑی تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا ڈیڈی، وہ دیوار کے بالکل قریب آ کر غور سے اس تصویر کو دیکھنے لگا۔

☆

''ڈیڈی کی تصویر یہاں کیسے...... کیا صبا......''

''ایم سوری سر میں ٹینشن میں آپ کو بھول ہی گئی''۔

''آنٹی کی طبیعت کیسی ہے؟'' اس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

''جی وہ اب ٹھیک ہیں ان کی شوگر ہائی ہوگئی تھی، اوہو میں بھی کن باتوں میں لگ گئی۔ آئیں آپ کو ملواتی ہوں ان سے''۔ وہ سوچوں کے سمندر میں ڈوبتے ابھرتے انا بی کے کمرے تک پہنچا۔ صبا نے اسے انا بی سے ملوایا، خود چائے بنانے چلی گئی۔ وہ اپنی ایج سے کافی بوڑھی لگ رہی تھیں۔ شاید بیماری نے انہیں ایسا کردیا تھا۔

اس کا شک یقین میں بدل گیا جب اس نے بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر پڑی فریم شدہ تصویر کو دیکھا۔ اس تصویر میں وہ اپنے ممی پاپا کے درمیان کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس کے بعد اس کا وہاں بیٹھنا دشوار ہوگیا تھا، صبا کے بہت اصرار کرنے کے باوجود وہ چائے پیے بنا ہی وہاں سے نکل آیا، آفس جانے کے بجائے وہ گھر ہی آ گیا تھا۔ مزید تصدیق کے لئے اس نے زیدی صاحب کو کال کر کے صبا کا پورا نام پوچھا، جو کہ اس نے صبا رحمٰن بتایا تھا، اب تو کسی قسم کی غلط فہمی نہیں رہی تھی۔ دوپہر سے رات ہوگئی تھی، وہ مسلسل اسے ہی سوچے جا رہا تھا۔

''ممی پاپا کے بجائے وہ کسی انا بی کے ساتھ کیوں؟'' کیا پاپا اکلوتی اولاد کو بھی اچھا مستقبل نہ دے سکے؟ یا یہ ناراض تو نہیں ان سے؟'' بے شمار سوالات تھے اس کے ذہن میں...... جس کے جواب صبا کے علاوہ کسی کے پاس نہیں تھے، اس نے کبھی صبا سے اس کا بیک گراؤنڈ نہیں پوچھا تھا۔

☆

وہ لان میں بیٹھا ہوا تھا۔

''کن سوچوں میں گم بیٹھے ہو کس کی یاد ستائے''۔ شعیب گنگناتے ہوئے اس کے پاس رکھی چیئر پر بیٹھ گیا تب وہ بھی سوچوں سے باہر نکلا۔

''کیا بات ہے کچھ پریشان ہو؟''

''نہیں ایسا کچھ نہیں ہے''۔

''یار! مجھے کیوں لگتا ہے کہ تم مجھ سے دور ہوتے جا رہے ہو''۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے''۔

''نہیں میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، نہ تم مجھ سے بات کرتے ہو کافی دن گزر جاتے ہیں تم سے بات کیے ہوئے تم سے ملے ہوئے''۔

''تو اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے ڈاکٹر صاحب''۔

''یہ آپ کی ہی روٹین ہے جو کسی لیول پر نہیں آ رہی کبھی جناب صبح کو آتے ہیں تو کبھی رات گئے گھر میں چوروں کی طرح گھس رہے ہوتے ہیں''۔

''اچھا زیادہ بنو نہیں، بات بتاؤ کیا ہے، جس کی وجہ سے پریشان ہو''۔ اس نے اس کی حالت پر چوٹ کی بھی کافی بکھرا بکھرا لگ رہا تھا۔

''میری ایک بہن ہے''۔ اس نے بغیر تمہید کے بتایا۔

''ہاہاہاہا اس گھر میں اتنی ڈھیر ساری لڑکیوں میں صرف ایک تمہاری بہن ہے''۔

''I am Serious میں ان سب کی نہیں بلکہ اپنی سگی بہن کی بات کر رہا ہوں''۔ وہ اسے بھی کسی کے ساتھ ڈسکس کرنا چاہتا تھا اسے سب بتاتا چلا گیا۔

''تو پچھلے 6 ماہ سے وہ تمہارے آفس میں کام کر رہی ہے، تو نے اس کے بارے میں کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی''۔

''نہیں کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی''۔

''تو کیا اسے بتادیا''۔

''نہیں یار! سمجھ نہیں آ رہا کیسے بتاؤں، ڈائریکٹ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں تمہارا بھائی ہوں۔ کوئی اور طریقہ

سوچنا پڑے گا''۔
''پہلے چاچو کا پتا کر دوہ کہاں ہیں پھر سوچتے ہیں کیا کرنا ہے، گھر والوں کو بتایا''۔
''نہیں یار کسی کو نہیں بتایا سوائے تمہارے''۔
''او کے پریشان نہیں ہو ریلیکس ہو کر سوچ پھر کوئی آئیڈیا آئے گا ذہن میں''۔

☆

وہ تیز تیز کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہی تھی جب پاس پڑے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی، اس نے ریسیور اٹھا کر کان اور کندھے کے درمیان رکھا اور دوبارہ انگلیاں کی بورڈ پر چلانے لگی۔
''جی...... سر!ہادی گلاس ونڈو سے اسے ہی دیکھ رہا تھا بے ساختہ مسکرا دیا۔
''آپ اسٹاف کے ساتھ لنچ پر کیوں نہیں گئیں''۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ وہ کبھی اسٹاف کے ساتھ باہر لنچ کے لئے نہیں گئی۔
''سر!میرا کام تھوڑا باقی تھا اس لئے''۔
''تو چلیں پھر لنچ میرے ساتھ کرلیں''۔
''تھینک یو سر! میں اپنا لنچ باکس لے کر آئی ہوں، کام ختم ہونے کے بعد کرلوں گی''۔
''چلیں میرے ساتھ شیئر کرنے کے بجائے مجھے اپنے ساتھ شیئر کروالیں''۔
''چلیں ٹھیک ہے، میں کام وائنڈ اپ کر کے آتی ہوں''۔
''سر کو کیا ہوتا جا رہا ہے دن بدن جب میری خواہش تھی کہ سر مجھ سے باتیں کریں تب یہ مسٹر لفٹ نہیں کرواتے تھے، اور اب خواہ مخواہ باتوں کے مواقع ڈھونڈتے ہیں''۔ سوچتے ہوئے اس نے بالوں میں لگے ہیئر بین کو اتار کر دوبارہ سیٹ کیا۔ پھر دوبارہ سابقہ پوزیشن میں آگئی۔
10 منٹ کے بعد دوبارہ کال بیل آگئی۔
''کیا آپ لنچ ٹائم کے بعد آئیں گی''۔
''نہیں سر! بس آنے لگی ہوں''۔

☆

سر نے کافی کھانے کی چیزیں ٹیبل پر رکھی ہوئی تھیں۔
''کیا لے کر آئی ہیں لنچ میں؟'' بڑے دوستانہ انداز میں پوچھا گیا۔
''قیمے والا پراٹھا''۔
''واؤ مائی فیورٹ''۔ اس نے جلدی سے لنچ باکس اپنے سامنے رکھا۔
''خود بنایا ہے؟'' اس نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔
''نو سر! ویسے بنا تو لیتی ہوں۔ لیکن اس ٹف روٹین میں بنانا تو دور کی بات کھانا بھی ڈھنگ سے نصیب نہیں ہوتا، صبح آفس آنے کی تیاری میں بھاگتے دوڑتے ہی ناشتہ ہوتا ہے۔ انابی لنچ باکس تیار کرنے کے ساتھ ساتھ ڈانٹ بھی جاری رکھتی ہیں۔ کوئی ایک آدھ کام ہی ہوگا جو میرا انابی کو پسند ہوگا''۔ وہ حسب عادت اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ ہادی نے کباب و پیزا اس کی طرف بڑھایا۔
''آپ نے کبھی اپنے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں بتایا''۔
''سر! میری کوئی لمبی چوڑی فیملی نہیں تھی''۔
''تھی......'' ہادی کو جھٹکا لگا۔
''جی سر! میں اپنے مما پاپا کی اکلوتی اولاد تھی، آٹھویں میں تھی جب مما کی ڈیتھ ہوگئی۔ انہیں بلڈ کینسر تھا۔ میٹرک میں تھی جب پاپا کی ڈیتھ ہوگئی، انابی جنہیں میں شروع سے ہی اپنے گھر میں دیکھ رہی تھی وہ مما کی کوئی کزن ہیں۔
پاپا کی خواہش تھی کہ میں بہت زیادہ پڑھوں ویسے تو انہوں نے کافی سیونگ کی ہوئی تھی، لیکن وہ میرے مستقبل کے لئے کافی نہیں تھی، اوپر سے یونی کے اخراجات بہت زیادہ تھے، BCS کے بعد میں نے اپنا گھر بیچ دیا وہ یونیورسٹی سے بہت دور تھا۔ اور یہاں آگئی۔ یونی میں ایڈمشن لیا کیونکہ پاپا کی خواہش مجھے بہت عزیز تھی۔ اب صبح جاب پر آتی ہوں اور ایوننگ

کلاسز اٹینڈ کرتی ہوں''۔ اس نے گالوں پر بہتے آنسو صاف کیے۔ ہادی جو سکتے کی سی کیفیت میں اسے دیکھ رہا تھا ہوش میں آیا۔

''تمہارا ددھیال نتھیال نہیں ہے؟'' وہ ایک دم آپ سے تم پر آیا تھا۔

''سر! ننھیال تو نہیں ہے، مما اکلوتی تھیں جبکہ ددھیال کا مجھے پتہ نہیں ہے مما نے میرے پوچھنے پر ایک دفعہ بتایا تھا کہ پاپا اپنے گھر والوں سے کسی بات پر ناراض ہیں۔ مما نے بات نہیں بتائی تھی''۔

''تو تم نے کبھی ڈھونڈنے کی کوشش کی کہ نہیں''۔

''نہیں سر! انہوں نے اپنے سگے بیٹے کو دھتکار دیا تو میں تو پھر ان کے بیٹے کی اولاد ہوں''۔

''شاید تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ پیرنٹس کو اپنے بچوں سے زیادہ ان کے بچوں سے پیار ہوتا ہے، اینی وے کھانا کھاؤ''۔

''کیا تم مجھے اپنا بھائی بنانا پسند کرو گی''۔ کافی توقف کے بعد پوچھا گیا۔

''جی......'' وہ حیران رہ گئی۔

''کیا تمہیں مجھے بھائی کہنا اچھا نہیں لگتا''۔

''نہیں سر! ایسی بات نہیں ہے مجھے تو بھائی کی بہت خواہش تھی''۔

''تو چلو ٹھیک ہے آج سے میں تمہارا بھائی اور تم میری گڑیا جیسی بہن''۔ ہادی نے پیار بھرے انداز میں کہا۔

''تھینک یو سر!'' اس نے آنکھوں میں نمی لئے کہا۔

''پھر سر...... بھائی کہو ناں''۔

''جی بھائی''! وہ مسکرا دی، ہادی کو اس کے منہ سے بھائی لفظ بہت اچھا لگا تھا۔

''ایک بھائی کی بات مانو گی''۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ایک بھائی اپنی بہن سے کہہ رہا ہے کہ وہ کل سے جاب پر نہیں آئے گی''۔

''جی''۔ اسے سمجھ نہیں آئی۔

''وہ کل سے مکمل اپنی پڑھائی پر توجہ دے گی، باقی کے سارے کام میرے''۔

''سوری بھائی! میں یہ نہیں مان سکتی، بھائی میں اپنے بل بوتے پر سب کرنا چاہتی ہوں''۔

''تو اس کا مطلب تم نے مجھے بھائی نہیں مانا دل سے''۔

''نہیں بھائی ایسی بات نہیں...... مگر......''

''بس نو آرگومینٹس پلیز یہ میری خواہش ہے''۔

''اوکے سر! اوہ مطلب بھائی''۔ اس نے سرینڈر کر دیا۔

''بھائی ایک بات پوچھوں؟''

''ہاں پوچھو''۔ ہادی نے مسکرا کر کہا''۔

''فرسٹ ٹائم آپ نے مجھے ہانی کیوں کہا تھا؟''

''اوہ...... وہ...... بالکل تمہارے جیسی کیوٹ سی میری ایک کزن ہے گھر میں سب سے چھوٹی اور سب کی لاڈلی ہے''۔

''اوکے بھائی! اب میں جاؤں لنچ بریک ختم ہوگئی ہے''۔

''ہاں جاؤ اور جو کہا ہے اس پر کل ہی عمل ہو جانا چاہئے''۔ ''میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا میری بہن اتنے کرائسس سے گزر کر اتنی ٹف لائف گزار رہی ہوگی''۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔

......☆......

''انابی آپ نے مجھے بلوایا''۔ ہادی نے انابی کے ہاتھ سے چائے لیتے ہوئے کہا۔ جب سے انابی کو پتہ چلا تھا کہ صبا کو اس کے باس نے بہن بنا کر ساری ذمہ داری خود اٹھالی ہے، وہ بہت پریشان تھیں آج کل تو اپنوں پر اعتبار نہیں ہے کجا کہ غیروں پر۔ انہوں نے ہادی کو اس سلسلے میں بلوایا تھا، صبا اس وقت یونیورسٹی میں تھی۔

''میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم نے صبا کو کس مقصد کے لئے بہن کا رتبہ دیا ہے۔ میری بیٹی بہت معصوم اور سادہ ہے میں تمہیں اسے غلط یوز نہیں کرنے دوں گی''۔

''انابی! میں نے کسی مقصد کے تحت اسے بہن نہیں

بنایا بلکہ وہ ہے ہی میری بہن عبدالہادی رحمٰن آغا کی بہن ہے"۔ انابی کچھ لمحے تو بول ہی نہ سکی تھیں۔

"بیٹا تم......تم رحمٰن کے بیٹے ہو"۔ انابی نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر بوسہ دیا۔ "تمہیں پتہ ہے تمہارا باپ تمہارے لئے کتنا تڑپتا تھا تم سے ملنے کی آس لئے وہ منوں مٹی تلے جا سویا"۔ انابی باقاعدہ رونے لگیں ہادی تو پہلے ہی غمزدہ تھا۔

"تم نے صبا کو حقیقت کیوں نہیں بتائی"۔

"میرے خیال میں ابھی مناسب نہیں ہے۔ آپ بھی ابھی مت بتایئے گا۔ موقع ملنے پر میں خود ہی بتادوں گا"۔

"او کے بیٹا! جیسے تمہاری مرضی، ویسے میرے سر سے تو سمجھو بہت بڑا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ گھر والے سب ٹھیک ہیں"۔ وہ ہادی سے گھر والوں کے متعلق طرح طرح کے سوال پوچھنے لگیں۔

☆......☆......☆

کب سے اس کے سیل پر بیپ ہو رہی تھی۔ اس نے بند آنکھوں سے ہی بیڈ پر ادھر ادھر ہاتھ مار کر موبائل ڈھونڈا، یس کا بٹن دبا کر کان سے لگایا۔

"ہیلو"۔ نیند میں ڈوبی آواز میں کہا گیا تھا۔

"بھائی آپ ابھی تک سو رہے ہیں"؟

"کیوں خیریت؟"

"بھول رہے ہیں آپ آج سنڈے ہے آپ نے ناشتہ میرے ساتھ کرنا تھا"۔ ہادی کا بے انتہا دوستانہ رویہ ہی تھا کچھ انابی نے بھی اسے بھائی بنانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس لئے وہ جلد ہی کافی حد تک اٹیچ ہو چکی تھی۔

"اوہ سوری میں بھول گیا"۔ وہ ہر سنڈے اس کے ساتھ ہی گزارتا تھا۔ "میں آدھے گھنٹے میں آتا ہوں"۔

"بھیا آدھے گھنٹے بعد تو ویسے ہی لنچ ٹائم اسٹارٹ ہو جائے گا"۔

"او کے میں بس 10 منٹ میں اپنی گڑیا کے پاس ہوں گا"۔ کال بند کرتے ہی ایک جھٹکے سے اٹھا تھا۔ آنکھیں ابھی بھی نیند سے بھری ہوئی تھیں، رات میٹنگ کی وجہ سے کافی لیٹ گھر آیا تھا۔

☆......☆......☆

"چلو گڑیا میں تمہیں شاپنگ کرواتا ہوں"۔ ناشتے سے فارغ ہو کر اس نے اسے آفر کی تھی۔

"نہیں بھیا! میرے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ ابھی تین ہفتے پہلے ہی تو شاپنگ کی تھی"۔

"وہ تو اب پرانی ہو چکی ہو گی، چلو نئی لیتے ہیں انابی آپ بھی چلیں ناں"۔

"نہیں بیٹا تم لوگ جاؤ، مجھے اب لنچ کی تیاری کرنی ہے"۔

"انابی لنچ ہم باہر سے کر لیں گے اور آپ کے لئے بھی لے آئیں گے آپ اب آرام کریں"۔ ہادی نے پیار سے کہا۔

"لڑکیاں تو اپنے بھائیوں سے لڑ کر زبردستی ڈنکے کی چوٹ پر چیزیں لیتی ہیں اور ایک تم ہو فارمل ہی رہتی ہو"۔ ہادی کا بہت دل کرتا تھا کہ صبا اس سے زبردستی کوئی خواہش منوائے، اس سے پیار سے لڑے، جیسا کہ ہانی اور نائمہ اپنے بھائیوں سے لڑتی ہیں ان سے زبردستی پیسے نکلواتی ہیں۔

"نہیں بھیا! ایسی بات نہیں ہے، میں پاپا سے ہر ضد پوری کرواتی تھی۔ ہر جائز ناجائز خواہش پاپا ہی پوری کرتے تھے"۔ وہ حسب عادت شروع ہو چکی تھی۔ وہ سکون سے ڈرائیونگ کرتا اسے سن رہا تھا۔

"مما تو اکثر انکار کر دیتی تھیں اور کبھی تو میرے ساتھ ساتھ پاپا کو بھی ڈانٹ دیتی تھیں کہ آپ اسے سر پر چڑھا رہے ہیں۔ پاپا مسکرا دیتے، جس پر مما کا پارہ اور ہائی ہو جاتا"۔

"اور جس دن پاپا نے میری بائیک والی خواہش پوری کی تو اس دن تو مما نے غصے کی حد ہی کر دی تین دن تک پاپا سے ناراض رہیں۔ وہ نہیں چاہتیں تھیں کہ میں بائیک لوں کیونکہ یہ ایک خطرناک سواری ہے۔ پاپا نے

صرف میری خاطر تین دن تک مما کی ناراضی مول لی۔ اب یہ بائیک میرے کسی کام کی نہیں رہی۔ پھر بھی اسے خود سے دور کرنے کو دل نہیں کرتا۔ پاپا نے ہمیشہ مجھے بیٹوں کی طرح ٹریٹ کیا۔ انہیں بیٹے کی بہت خواہش تھی، لیکن اللہ نے ان کی یہ خواہش پوری نہیں کی تھی۔

سنڈے کا دن تو پاپا کا میرے لئے ہی ہوتا تھا۔ میں کبھی پاپا کو اکیلے بیٹھنے نہیں دیتی تھی۔ وہ اکیلے بیٹھتے ہی پتہ نہیں کن سوچوں میں گم ہو جایا کرتے تھے۔ میرے پوچھنے پر ٹال جایا کرتے تھے میں بھی زیادہ پریشرائز نہیں کرتی تھی۔

پاپا کی ڈیتھ کے بعد میں نے خود کو بہت مشکل سے چینج کیا ہے۔" اتنی دیر میں ہی ہادی شاپنگ سینٹر کے باہر گاڑی پارک کر چکا تھا۔

"اب میری گڑیا کو خود کو چینج کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ پاپا والی ضد اپنے بھائی سے منوا سکتی ہے۔" ہادی نے اس کے آنسو صاف کئے جو ہونٹوں تک آئے ہوئے تھے، نامحسوس انداز میں اپنی آنکھیں بھی صاف کیں جو کافی نم ہو گئیں تھیں۔

☆

"اتنی بے وقوف نہیں تھی میں جتنی بھیا نے مجھے بنا دیا ہے۔" وہ بڑے سے کمرے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔

"وہ مجھے اپنے گھر میں نہیں بلکہ میرے ددھیال میں لے کر آئے ہیں۔" اچانک ابا جی کی ڈیتھ کے بعد بھیا اسے زبردستی اپنے گھر میں لے آئے تھے، جہاں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ہادی نے اسے لانے سے پہلے شعیب کو انفارم کر دیا تھا۔ اس نے ہی گھر والوں کو بتایا تھا جس سچویشن میں وہ یہاں آ رہی تھی وہ بھی بتا دیا تھا۔ اس کے آنے پر سب ہی بہت ایکسائیڈ تھے۔ یہاں آ کر سب سے پہلے اس کا سامنا ریحان صاحب سے ہوا تھا، جنہیں دیکھتے ہی اس نے پاپا کہا تھا۔ ہادی نے بخوبی اس کی یہ بڑبڑاہٹ سن لی تھی، وہ مسکرا دیا۔

"کیا ہوا رک کیوں گئیں آؤ ناں"۔ اس نے سب سے پہلے ریحان صاحب سے ملوایا تھا۔ بی جان تو اسے بار بار گلے لگا رہیں تھیں اور مسلسل روئے جا رہی تھیں، تائی چچی کا بھی یہی حال تھا، صبا نے سوچا جو اسے نیا نیا غم ملا ہے شاید اس کی وجہ سے ہی یہ بھی غمزدہ ہیں۔ لڑکیوں کی ینگ پارٹی کافی ایکسائیڈ تھی۔ ہادی اسے سب سے ملوا کر دوبارہ آفس کے لئے نکل گیا تھا۔

عائبہ اسے لئے لاؤنج میں آئی جہاں ہنی ماں کی گود میں بیٹھا رو رہا تھا، جیسے ہی اس کی نظر عائبہ پر پڑی اور زیادہ رونے لگا۔

بانہیں پھیلائے، صبا کی طرف دیکھ کر اور زیادہ چلانے لگا۔ صبا نے جیسے ہی اسے بانہوں میں لیا تو وہ خاموش ہو گیا۔ سب ہی ہنسنے لگیں، صبا کو سمجھ نہیں آئی تھی ان کے ہنسنے کی۔

"تمہارے جیسی ایک لڑکی پہلے ہی اس گھر میں رہتی ہے اور ہنی اس سے بہت اٹیچ ہے، اس وقت وہ کالج میں ہے، یہ تمہیں وہی سمجھ رہا ہے"۔ کنول نے بتایا۔

کسی نے بھی اسے فیل نہیں ہونے دیا کہ وہ ان کی کزن ہے۔ اس نے خود ہی گیس لگایا تھا، ریحان صاحب کو دیکھ کر اور کچھ بی جان کی ڈھکی چھپی باتیں، اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہیں تھیں۔

☆

جیسے ہی اسے پتہ چلا کہ ہادی بھیا گھر آ گئے ہیں وہ لائبہ سے پوچھتے ہوئے ان کے کمرے میں آ گئی۔ وہ واش روم میں تھے۔ اس نے سرسری سی نگاہ اپنے اطراف میں ڈالی۔ اس کا شک یقین میں تب بدلا جب اس کی نظر بیڈ کے سائیڈ ٹیبل پر پاپا کی فریم شدہ تصویر پر پڑی۔ دوسری سائیڈ پر ایک عورت اور ساتھ چھوٹے سے بچے کی تھی۔

ابھی وہ دیکھ ہی رہی تھی جب ہادی شرٹ کے بٹن بند کرتا واش روم سے نکلا اسے دیکھ کر ایک پل کے لئے ٹھٹکا تھا۔

''تم یہاں......میں باہر ہی آنے والا تھا''۔

''بھائی آپ مجھے کہاں لے کر آئے ہیں''۔ آج سے پہلے اس نے اسے اتنے غصے میں نہیں دیکھا تھا۔

''جب تمہیں پتہ چل ہی گیا ہے تو مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو''۔

''آپ نے مجھ سے ڈرامہ کیوں کیا سیدھی طرح بتادیتے''۔ اس کی آواز ٹوٹنے لگی تھی۔ خوشی اور دکھ کے ملے جلے تاثرات تھے۔

''اگر بتادیتا تو اس وقت جو خوشی تمہارے چہرے پر ہے وہ پہلے پتہ چلنے سے نہیں ہونی تھی''۔ بھیا نے اس کا چہرہ اپنی طرف کیا اور مسکرا کر کہا۔

''بھیا! آپ نے چیٹنگ کی ہے میرے ساتھ، پہلے بتادیتے کہ آپ میرے رئیل والے بھیا ہیں''۔ کہتے ساتھ ہی وہ منہ چھپا کر بری طرح رودی۔ پتہ نہیں کیوں جب سے اسے حقیقت پتہ چلی تھی اسے بہت رونا آرہا تھا۔

''ارے، ارے گڑیا......! میری جان خوش ہونے کے بجائے تم رو رہی ہو''۔ اس نے اسے اپنے ساتھ لگایا۔

''جب اللہ کو منظور ہونا تھا تب ہی تو ملنا تھا''۔ اس نے اسے بیڈ پر بٹھایا اور خود بھی پاس ہی بیٹھ گیا۔

''گڑیا! تم اندازہ نہیں کرسکتیں کہ میں ڈیڈی سے کتنا پیار کرتا ہوں۔ بہت عرصے سے میں انہیں تلاش کررہا تھا، اور گڑیا میری تلاش ادھوری ہی رہی وہ مجھے نہیں ملے''۔

''آپ کی تلاش ادھوری نہیں ہے میں تو آپ کو ملی ہوں ناں''۔

''جب مجھے تم سے پتا چلا کہ ان کی ڈیتھ ہوگئی ہے تو مت پوچھو اس وقت میری کیا حالت تھی، اس دن رات کو میں بہت رویا تھا''۔ رو تو وہ اب بھی رہا تھا اور اسے بھی رلا رہا تھا۔

''وہ بڑی مما کی تصویر ہے ناں''۔ صبا نے پوچھا۔

''اور ساتھ میں آپ ہیں ناں''۔ اس نے بیڈ کے دوسری طرف رکھی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں میں ہی ہوں یہ میری تیسری برتھ ڈے پر لی گئی تھی۔ ویسے تمہیں بتایا کس نے یہ سب، یقیناً ہانیہ نے بتایا ہوگا اس کے پیٹ میں کوئی بات نہیں رہتی ہے''۔

''اگر یہی سوال میں آپ سے کروں تو......؟''

''جب تمہیں انابی کی وجہ سے گھر ڈراپ کرنے گیا تھا، اسی دن ڈرائنگ روم میں لگی ڈیڈی کی تصویر دیکھی تو بس پھر سب کچھ خود ہی سامنے آتا گیا''۔

''میں نے یہاں تایا ابو کو دیکھ کر گیس لگایا ہے رہی سہی کسر آپ کے بیڈروم میں آنے سے پوری ہوگئی''۔

''اوہ......تو یہ بات ہے میں بھی کہوں کہ پلان تو کچھ اور ہی کیا گیا تھا''۔

''پلان......کیسا پلان؟''

''تمہارے آنے کی خوشی میں آج کا ڈنر اسپیشل ہے اسی موقع پر تمہیں سب بتایا جانا تھا''۔

''چلیں وہ پلان بھی انجوائے کرلیں گے، لیکن پہلے آپ سے ایک بات پوچھوں؟''

''ہاں اس میں اجازت لینے کی کیا بات ہے۔ تم تو زبردستی بھی پوچھ سکتی ہو، حق ہے تمہارا''۔

''پاپا گھر والوں سے کیوں ناراض تھے؟ کیا وجہ تھی کہ انہوں نے اپنا گھر ہی چھوڑ دیا''۔

''پاپا ناراض نہیں تھے بلکہ گھر والے ناراض تھے پاپا سے، انہوں نے گھر نہیں چھوڑا تھا بلکہ چھڑوایا گیا تھا، دوسری شادی کرنے پر''۔ وہ آہستہ آہستہ سب بتاتا چلا گیا۔

......☆......

صبا کو زیادہ ٹائم نہیں لگا تھا یہاں سیٹل ہونے میں۔ اس کی تو برسوں پہلے کی گئی خواہش پوری ہوگئی تھی کہ سب اس کے اپنے ہوں۔

''ہانی ایک کپ چائے تو پلادو''۔ اس نے صوفے پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھتے ہوئے اسے کہا جو

سامنے ہی صوفے پر بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔
''تمہیں سنائی نہیں دے رہا''۔ اسے ٹس سے مس نہ ہوتے دیکھ کر اس نے کہا۔
''سن لیا ہے بھئی لا رہی ہوں''۔ ابھی وہ کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ کچن سے باہر آتی ہانی بول پڑی۔
''ہاں ......'' شاذل بھی صوفے پر بیٹھی لڑکی کو دیکھتا تو کبھی کچن کے باہر کھڑی ہانی کو۔
''پھر...... بھوت''۔ تقریباً چیختے ہوئے وہ صوفے سے اٹھا اور سیڑھیوں کی طرف بھاگ گیا۔ ابھی رات ہی تو اس نے ڈروانی فلم دیکھی تھی۔
''اسے کیا ہوا؟'' ہانیہ حیران و پریشان سی کھڑی رہ گئی۔
''یہ کون تھا''۔ صبا نے پوچھا۔
''یہ شاذل ہے یہ رات ہی ہوسٹل سے آیا ہے''۔
''اوہ تو یہ وہی محترم ہیں جن کے بیڈ روم میں میں رات سو رہی تھی''۔ صبا نے دل میں سوچا۔

......☆......

''ہانی تم رات میرے بیڈ روم میں کیوں سو رہی تھیں''۔ وہ ابھی سو کر اٹھا تھا، ناشتے کی غرض سے نیچے آیا تھا۔ جہاں ہانی ٹی وی دیکھ رہی تھی، اسے دیکھتے ہی رات والی بات یاد آ گئی تھی۔
''جب میں نے منع کیا تھا کہ میری غیر موجودگی میں میرے بیڈ روم میں کوئی نہ جائے تو پھر......'' رات گئے وہ اور شاذل ہوسٹل سے آئے تھے، دونوں کا خیال تھا کہ MBA کی تیاری ہوسٹل میں رہ کر زیادہ اچھی ہوتی ہے، اس لئے وہ پچھلے تین چار ماہ سے ہوسٹل میں ہی رہ رہے تھے، اب وہ احمر اور ہادی کی شادی اٹینڈ کرنے آئے تھے۔

رات جب وہ اپنے کمرے میں آیا تھا تو نائٹ بلب کی روشنی میں اس نے ہانی کو بیڈ پر سوتے دیکھا تھا، اس نے اسے بازو سے ہلا کر اٹھایا تھا، پوچھا تھا کہ وہ یہاں کیوں سو رہی ہے اس نے سوائے سوری کے اور کچھ نہیں کہا تھا اور وہاں سے نکلتی چلی گئی تھی۔
''میں اور آپ کے کمرے میں ...... او ہاں وہ صبا ہو گی بھائی رات کو اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی نیچے ڈھولکی کا شور تھا، تو اسے مما نے آپ کے کمرے میں بھیج دیا تھا''۔
''صبا......'' وہ تو اس کے نام پر ہی اٹکا ہوا تھا۔
''لو آ گئیں وہ......'' جیسے ہی اشعر نے اسے دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا۔ جس کے لئے وہ پچھلے ایک ہفتے سے نظر نہ آنے پر پریشان ہو رہا تھا۔ اس لئے کہ شاید اس نے اسے کھو دیا ہے۔ یہ سوچ کر ہی اس کی حالت غیر ہو جاتی تھی۔ اسے کیا پتا تھا کہ وہ اس کے گھر میں ہے۔
''السلام علیکم!'' سلام کی آواز پر ہی وہ ہوش میں آیا۔
'' آپ ایک ہفتے سے یونیورسٹی کیوں نہیں آ رہیں؟'' اس نے جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کر ڈالا۔
صبا حیران تھی وہ تو ایسے پوچھ رہا تھا جیسے ان کی بڑی علیک سلیک ہو۔
''جی......وہ......''
''ہاں مجھے بتایا تھا آپ کی دوستوں نے کہ آپ کی کسی عزیز کی ڈیتھ ہو گئی ہے اس لئے آپ نہیں آ رہیں''۔
''ہیں......اسے کیا لینا دینا تھا مجھ سے''۔ وہ تو سوچ کر ہی رہ گئی۔
''اشعر بھائی آپ ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟''
''اوہ......تو یہ اشعر ہے جسے گھنٹہ بھر پہلے دیکھا تھا وہ شاذل ہے''۔ صبا نے سوچا۔
''نہیں زیادہ نہیں جانتے مگر اب جان جائیں گے''۔ اشعر نے پرشوق نظروں سے اسے دیکھا۔ پورا ایک ہفتہ اس لڑکی نے اسے ڈسٹرب کئے رکھا تھا، ڈپارٹمنٹ کے علاوہ یونی کی ہر وہ جگہ دیکھ لی تھی اس نے جہاں وہ اسے نظر آتی تھی۔ لیکن اب نظر نہیں آ رہی تھی اس کی حالت بن پانی کے مچھلی جیسی تھی، جسے وہ بھی

سمجھنے سے قاصر تھا، اسے چھن جانے کا خوف تھا۔ آج اسے سامنے دیکھ کر عجیب سا سکون ملا تھا۔

☆

"ہانی ...... ہانی ......" احمر آوازیں دیتا ہوا ہانی کے کمرے میں آیا۔

"میں نے کہا تھا کہ میرے کپڑے پریس کر دو، تمہیں اپنے تیار ہونے کی پڑ گئی ہے"۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی دوپٹہ سیٹ کر رہی تھی۔ جب اس نے آواز پر پیچھے مڑ کر دیکھا تو اشعر شرمندہ سا ہو گیا، وہاں صبا تھی، وہ ایک جھٹکے سے باہر نکلا۔

"گڑیا پلیز! ایک کپ چائے بنا دو۔ خالی پیٹ تو کوئی کام نہیں ہو رہا"۔ آج مہندی کا فنکشن تھا ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی، اس نے غور سے دیکھا کچن کے دروازے پر صبا نہیں ہانی تھی۔

"آخر تم دونوں کو کس احمق نے کہا ہے ایک جیسے ڈریس پہننے کو ......" ہادی کے بولنے سے پہلے ہی پیچھے سے آئے اشعر نے تیز آواز میں کہا تھا۔ دونوں کو ہادی بھیا نے ہی شاپنگ اکٹھی کروائی تھی۔ بلیک کلیوں والی فراک پر سلور کلر کا کام ساتھ چوڑی دار پاجاما، دونوں کو ہی بہت سوٹ کر رہا تھا۔

"کیوں کیا دو لوگ ایک جیسے ڈریس نہیں پہن سکتے"۔ صبا نے طنزیہ کہا پتا نہیں کب وہ وہاں آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"دونوں میں سے کوئی ایک ڈریس چینج کرے"۔ اشعر نے اس کی بات ان سنی کر دی۔

"نا بابا نا ...... میرا تو یہ سب سے فیورٹ ڈریس ہے جو خاص طور پر آج کے دن کے لئے بنوایا تھا"۔ ہانی نے کندھے اچکا کر کہا۔ تو اشعر نے التجا بھری نظروں سے صبا کو دیکھا۔

"میں ایک شرط پر چینج کروں گی اگر مجھے ابھی اس سے بھی اچھا نیو ڈریس لا کر دیا جائے تو ......" اشعر تو اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"ارے تم دونوں تو کیا انہوں نے تو آج میرے بیٹے کو ہی کنفیوز کر دیا تھا"۔ کنول بھابھی ہادی کو چائے پکڑاتی ہوئی بولیں۔

"وہ کپڑے اٹھا کر ہانی کے کمرے میں اس سے تیار ہونے کے لئے گیا، وہاں ان دونوں کو دیکھ کر وہ سکتہ زدہ سا ہو گیا تھا۔ اسے ان دونوں میں سے اپنی ہانی پھپھو کو ڈھونڈنا مشکل ہو گیا تھا"۔

"اس وقت تو ہنی کا چہرہ دیکھنے والا تھا"۔ صبا بے اختیار ہنس دی اشعر اس کی ہنسی میں کہیں کھو سا گیا۔

"یار! اس کا ایک ہی حل ہے ان دونوں کو بٹھا کر غور سے دیکھیں ان میں کیا ڈفرنس ہے"۔ شعیب ہنی کو اٹھائے لاؤنج میں آیا۔

"غور کیا کرنا ہے صاف ظاہر ہے ہانی کے بال بڑے ہیں اور صبا کے چھوٹے ......" عائزہ نے بتایا۔

"سب سے بڑا ڈفرنس ذہانت کا ہے۔ صبا صاحبہ MCS کے فائنل ایئر میں ہیں اور جبکہ ہانی صاحبہ مر مر کر ابھی انٹر تک پہنچی ہیں"۔ شاذل نے سیڑھیوں سے اترتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ وہ ہانی کو تنگ کرنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

"یہ تم نے ڈفرنس بتایا ہے یا میری خامی بتائی ہے"۔ ہانی نے دانت کچکچائے، سب ہی ہنسنے لگے۔

☆

آغا پیلس آج معمول سے زیادہ خوبصورت لگ رہا تھا۔ برقی قمقموں سے لان جگمگا رہا تھا، جہاں صبح کا گمان ہو رہا تھا۔ مہندی کا فنکشن لان میں ہی ارینج کیا گیا تھا۔ اسٹیج پر دو کپل ہادی اور عائبہ و احمر اور لائبہ بیٹھے تھے۔ صبا کونے میں لگی چیئر پر بیٹھے انہیں بڑی محویت سے دیکھ رہی تھی۔ اسے اپنا بھائی ہی سب سے زیادہ پیارا لگ رہا تھا، جو عائبہ کی کسی بات پر مسکرا رہا تھا، صبا دل ہی دل میں اس کی بلائیں لے رہی تھی۔

"ارے تمہارے بھائی کی شادی ہے اور تم خاموشی

سے یہاں بیٹھی ہو"۔ اشعر پاس آ کر زور زور سے بولا تو وہ ڈر ہی گئی۔
"تو مجھے کیا کرنا چاہئے"۔ اس نے غصے سے کہا۔
"ڈانس...... وہ بھی میرے ساتھ"۔ دوسرا فقرہ اس نے منہ میں ہی کہا۔
"ڈانس......"
"ہاں ڈانس، تمہارے اس طرح بیٹھنے سے لوگ سمجھیں گے کہ شاید تمہیں بھیا کی شادی کی خوشی نہیں ہے"۔
"لیکن مجھے تو ڈانس نہیں آتا......"
"چلو میں سکھاتا ہوں"۔ وہ اس کی سنے بغیر اسے بازو سے پکڑ کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے اسٹیج تک لایا، جہاں پہلے ہی دو تین کپل ڈانس کر رہے تھے۔ فاسٹ میوزک اوپر سے اسپیکر، اس سچویشن میں تو خود بخود ایڑھی اٹھتی ہے۔ اور صبا جو پہلے ہی ہلا گلا موج مستی بہت پسند کرتی تھی، سو اب وہ شروع ہو چکی تھی۔ چھوٹے تو چھوٹے اس وقت بڑے بھی کافی انجوائے کر رہے تھے۔
"اچھا خاصا ڈانس کر لیتی ہو۔ ایویں نخرے دکھا رہی تھیں مجھے"۔ اسٹیج سے اترتے ہوئے اشعر نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ اب وہ اسے کیا بتاتی۔ وہ تو خود حیران تھی۔
"ارے تم کہاں جا رہی ہو آؤ میرے ساتھ ڈانس کرو"۔ عائزہ نے جھنجلا کر کہا۔ صبا ہنس دی۔
"سوری آپی! مجھ سے تو اب کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا"۔ کہتے ساتھ ہی وہ آگے بڑھ گئی۔
"ارے تم پھر یہاں آ کر بیٹھ گئیں، چلو کچھ فوٹو سیشن ہو جائے"۔ کچھ منٹ کے بعد وہ پھر اس کے سر پر کھڑا تھا۔
"سوری میں نہیں جا سکتی"۔
"کیوں......؟"
"مجھ سے ایک اسٹیپ بھی چلا نہیں جا رہا"۔ اس نے ہائی ہیل والی سینڈل کی طرف اشارہ کیا۔

☆......☆......☆

"تو کوئی بات نہیں میں اٹھا کے لے جاتا ہوں، نو ٹینشن"۔ اس نے بڑے مزے سے کہا تو صبا اسے گھورنے لگی۔
"کیا لگتی ہے تمہاری؟" پاس ہی بیٹھی عورت نے اشعر سے پوچھا۔ اشعر گڑبڑا گیا اسے توقع نہیں تھی کہ کوئی ان کی طرف بھی توجہ دے رہا ہے۔
"لگتی تو بہت کچھ ہے لیکن شارٹ کٹ...... یہ میری منگیتر ہے"۔ اشعر نے بڑے کونفیڈینس کے ساتھ صبا کو دیکھتے کہا، جس کے ماتھے پر بہت سی سلوٹیں پڑ گئیں تھیں۔
"او...... پھر تو اس کا حق بنتا ہے، جاؤ بیٹا اس کے ساتھ"۔ عورت نے مسکرا کر کہا۔ صبا ایک جھٹکے سے اٹھی بجائے اسٹیج پر جانے کے وہ گھر کے اندر چلی گئی۔
"ہیں...... ابھی تو کہہ رہی تھی مجھ سے ایک اسٹیپ بھی چلا نہیں جا رہا اور اب کیسے چلا جا رہا ہے"۔ وہ جو بھاگتے ہوئے اندر آئی تھی وہ بھی اس کے پیچھے ہی آ گیا۔ وہ لاؤنج میں ادھر سے ادھر چکر کاٹتی اندر ہی اندر پیچ وتاب کھا رہی تھی۔
"کیا ہوا یہاں کیوں آ گئی ہو؟"
"کیا ضرورت تھی بکواس کرنے کی"۔
"کیوں جھوٹ بولا آنٹی سے کہ میں تمہاری منگیتر ہوں"۔ اس نے چیختے ہوئے پوچھا۔
"تو اس میں اتنا غصہ ہونے والی کی بات ہے"۔ بڑے آرام سے بتایا۔
"تمہارے نزدیک یہ کوئی بات ہی نہیں ہے"۔
"میں نے کون سا بیوی بتادیا ہے منگیتر ہی بتایا ہے"۔ وہ اس کی حالت سے محظوظ ہو رہا تھا۔
"مجھے اس طرح کے بیہودہ مذاق بالکل پسند نہیں ہیں"۔ کہتے ساتھ ہی رخ مڑ لیا۔
"جھوٹ کو بھی سچ کر دیتے ہیں"۔ اس نے دل ہی دل میں کہا اپنے ہاتھ کی انگلی سے چھلا نما رنگ اتار کر اس

کے سامنے آ گیا۔
"منگیتر بنانا کون سا مشکل کام ہے"۔ اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور جلدی سے رنگ پہنا دی۔
"لیکن مجھے تمہاری منگیتر نہیں بننا"۔ وہ غصے سے رنگ اتارنے لگی تھی کہ اشعر نے اسے روک دیا۔
"ارے نہیں تمہیں پتا ہے اس طرح رنگ اتارنے سے بدشگونی ہوتی ہے"۔
"بھاڑ میں گئی تمہاری بدشگونی"۔ وہ اتار کر پھینکنے ہی لگی تھی کہ اشعر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کی انگلیوں میں پکڑی رنگ پکڑ کر اس کے ہاتھ میں رکھ کر مٹھی دبا دی۔
"تم یہ رنگ نہیں بلکہ میرے سینے میں اپنے نام کی مالا جھپتا دل پھینکو گی"۔ اس نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ تو وہ سکتہ زدہ سی رہ گئی۔
"ہاں صبا! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں تمہیں کبھی بھی کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا۔ یہاں آنے سے قبل پورا ایک ہفتہ کس اذیت میں گزارا ہے میں نے، شاید ہی تم کبھی جان سکو"۔ صبا زیادہ دیر اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ سکی تھی۔

تیری ہر ادا محبت سی لگتی ہے
ایک پل کی جدائی صدی سے لگتی ہے

وہ رخ موڑ گئی، دل میں ایک تلاطم برپا ہو چکا تھا۔
"صبا......" اس نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اپنی طرف کیا۔
"کیا میں تمہیں پسند نہیں ہوں؟" وہ خاموش سر جھکائے کھڑی رہی۔
"کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟"
"صبا پلیز......" اس نے اپنے ہاتھوں سے اس کا چہرہ پکڑ کر اپنی طرف کیا۔
"مجھے بتاؤ...... پھر میں کبھی اس بارے میں تم سے بات نہیں کروں گا"۔ اشعر صحیح معنوں میں پریشان ہو گیا تھا۔
"نہیں اشعر! ایسی بات نہیں ہے مگر......"
"بس...... اس سے آگے ایک لفظ نہیں"۔ اشعر نے سکون کا سانس لیا۔
"تمہیں میری محبت ایکسپٹ کرنی پڑے گی"۔
"زبردستی ہے کیا؟"
"زبردستی ہی سمجھ لو"۔ اس نے بند مٹھی میں وہی رنگ نکال کر دوبارہ اسے پہنا دی۔
"فی الحال اس سے گزارہ کرو، پرسوں بھیا کے ولیمے کے ساتھ ہی باقاعدہ انگیجمنٹ کرواؤں گا"۔ صبا نے سر اٹھا کر عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔
"یار سرپرائز دینا تھا تمہیں"۔ اس نے ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔
"کیا اب کچا چباؤ گی مجھے"۔ اس نے کہا ہی اس انداز سے کہ صبا بے اختیار ہنس دی۔
"چلو یار ان لمحوں کو یادگار بنالیں"۔ وہ اسے ساتھ لئے اسٹیج کی طرف آ گیا۔ جہاں شاذل اور ہانی بڑے اسٹائلش انداز میں اسٹیپ بنوار ہے تھے، پرسوں ان کی بھی انگیجمنٹ تھی۔
"چلو پیچھے ہٹو کسی اور کو بھی موقع دو"۔ اشعر نے شاذل کو پکڑ کر سائیڈ پر کر دیا۔
"تم کیوں جیلس ہو رہے ہو تمہارا کسی نے ساتھ نہیں دیا تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے"۔
وہ ان سنی کرتا ہادی اور احمر دونوں کپلز کے پیچھے جا کر کھڑا ہو گیا۔ صبا کو بھی اس نے ساتھ ساتھ ہی گھسیٹا تھا۔ جو کسی روبوٹ کی طرح اس کے اشاروں پر چل رہی تھی۔
اسٹیپ بنواتے ہوئے اشعر نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ صبا نے ہاتھ چھڑوا کر اسٹائلش انداز میں اس کا بازو پکڑتے ہوئے جو ایک انچ کا فاصلہ تھا وہ بھی ختم کر دیا۔
وہاں کھڑے سب لوگوں نے ہوٹنگ شروع کر دی۔ اشعر اس انداز اقرار پر مسکرائے بنا نہ رہ سکا۔

......☆......

دسمبر کا چاند

افسانہ

نوشین طاہر

دسمبر کی سرد راتیں اس کی پسندیدہ ہوتی تھیں مگر اب یہ راتیں اس کا درد مزید بڑھا دیتی تھیں۔ یخ بستہ ٹھٹھرتی راتوں کی طوالت اس کی زندگی کو بری طرح بے قرار کر دیتی تھی۔

ماں بابا کو گزرے سالوں بیت گئے تھے۔ بھیا اپنی زندگی میں اتنے مصروف ہو گئے تھے کہ اس کی زندگی میں کیا چل رہا ہے کس دکھ میں جی رہی ہے وہ، انہیں پوچھنے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ بھیا کی زندگی کا محور تو بس دو افراد تھے۔ ایک ان کی وائف، روبینہ بھابی اور ان کا بیٹا کاشان۔ اس کے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ اس کے بابا نے اس کے حصے کا اس کے لیے بہت کچھ چھوڑا تھا مگر اس پیسے سے وہ اپنی خوشیاں نہیں خرید سکتی تھی۔ وقت بہت بے رحم ہو گیا تھا اور اس بے رحم وقت کی سختیاں جھیلنے کے لیے وہ تنہا رہ گئی تھی۔ اس کے دکھوں کا مداوا کرنے والا روحان، اس کا فیانسی بھی وقت کی دوڑ میں شامل ہو گیا تھا۔ ماں بابا نے اپنی زندگی میں ہی اسے روحان سے منسوب کر دیا تھا۔ وہ روحان کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی تھی مگر روحان کو تو شاید اس کی محبت کی پروا ہی نہیں تھی۔ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے لندن چلا گیا۔ جاتے ہوئے اس نے جلد لوٹنے کے وعدے کے ساتھ اور بھی بہت سے وعدے کیے مگر وہ ایک بھی وعدہ نبھانے کے لیے واپس نہیں لوٹا۔ نہ جانے اس کا اقرار محبت اور کیے گئے وعدے کہاں فراموش ہو گئے تھے۔ وہ جو ہر روز اسے کال کرتا تھا۔ اس کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں میں شامل ہونا اپنا فرض سمجھتا تھا، وہ اب وقت کی رنگینیوں میں کھو گیا تھا۔ مگر وہ آج بھی اس کی منتظر تھی۔ آج بھی ہر آہٹ پر چونک جاتی تھی۔ دن میں کئی بار اپنا فون چیک کرتی موبائل کی بجتی بپ پر اسے خیال آتا مگر یہ اس کی بھول تھی۔

وقت تیزی سے دوڑ رہا تھا اور وہ آج بھی وہیں کھڑی تھی۔ گریجویشن کے بعد تعلیم بھی ادھوری چھوڑ دی۔ روحان کی یادیں اور ماں بابا سے بچھڑنے کا غم اسے بری طرح گھائل کر رہا تھا۔ دنیا کی بھیڑ میں وہ بالکل تنہا تھی۔ بڑے بھیا تابش نے بھی اسے بے رحم وقت کے ہاتھوں میں سونپ دیا تھا اور خود اپنی زندگی میں مگن ہو گئے تھے۔ ایک گھر میں ہوتے ہوئے بھی ہفتوں ان کی ملاقات نہیں ہو پاتی تھی۔ سب کچھ کتنا بدل گیا تھا۔ وہ خود بھی بہت حیران تھی۔ اب موسموں کی خوب صورتی یا اس کے فیورٹ مہینے بھی اسے اٹریکٹ نہیں کرتے تھے۔ جب ماں بابا حیات تھے تو وہ ہر چھوٹی سے چھوٹی خوشی بھی انجوائے کرتی تھی اور دسمبر کا مہینہ تو اس کا فیورٹ ہوا کرتا تھا۔ ویسے تو اس کی ہر سردی ہی بہت دلچسپ گزرا کرتی تھی مگر دسمبر کے مہینے کی بات ہی الگ تھی۔ دسمبر کے مہینے کو وہ اتنا انجوائے کرتی جیسے ہر روز کوئی تہوار ہو، سردیوں کی شاپنگ دسمبر میں کرتی۔ دسمبر کی دوپہریں دوستوں کے ساتھ گزارتی اور راتوں کو ماں بابا سے پرانے قصے سنتی، رات ہوتے ہی کمبل میں دبک جاتی۔ اماں



اس کے لیے بھاپ اڑاتی گرما گرم چائے لے کے آتیں اور اماں کے ہاتھ کا گاجر کا حلوہ تو اس کا فیورٹ تھا۔ وہ دسمبر کی راتوں میں دیر تک میوزک سنتی، ڈرائی فروٹ کھاتی اور صبح اماں کے بارہا اٹھانے پر بھی جلدی نہ اٹھتی اور کہتی اماں اتنے مزے کی نیند آرہی ہے سونے دو نا، مگر اب تو گئے دنوں کی یادیں ایک قصہ ہوگئی تھیں۔ وہ جو صبح دن چڑھے تک سونے کی عادی تھی اب نیند سے کوسوں دور ہوگئی تھی وہ جو ہر وقت بول بول کر پورا گھر سر پر اٹھائے رکھتی تھی۔ اب اس سے باتیں کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ اب وہ اپنی باتیں کسی کو سناتی نہیں تھی اپنا درد لکھتی تھی۔ اپنی سیاہ ڈائری پر۔ نہ جانے کتنی ڈائریاں اس کے لفظوں سے بھر گئی تھیں۔ آج بھی اس کا قلم اس کی ڈائری کے ورق سیاہ کررہا تھا۔ وہ اپنے دل کی باتیں اس سیاہ ڈائری پر اتار رہی تھی۔

''اماں بابا! اب میں دسمبر کی راتوں میں میوزک نہیں سنتی، تلخ کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے یہ ڈائری لکھتی ہوں۔ اب نرم و گرم بستر میں لیٹ کر آرام بہت کم کرتی ہوں۔ کھڑکی میں کھڑے ہوکر تنہا چاند کو تکتے ہوئے موسم کی سختیوں کو جھیلتی ہوں۔ کیونکہ اب میرے پاس نا آپ دونوں ہیں اور نہ روحان، وہ بھی مجھے چھوڑ کر اپنی زندگی میں مصروف ہوگیا ہے۔'' وہ ماں بابا سے ہمیشہ کہا کرتی تھی۔

''بابا مجھے شاعر اور لکھاری حضرات پر حیرت ہوتی ہے کہ وہ دسمبر کو درد اور اداسی کا مہینہ کہتے ہیں۔ نہ جانے ان کے قلم میں اس ماہ میں درد کہاں سے آجاتا ہے جو دسمبر پر صفحے سیاہ کردیتے ہیں۔'' اماں، بابا اس کی بات سن کر مسکرادیتے اور اماں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے کہتیں۔ ''خدا میری تعبیر کو کبھی درد سے آشنا نہ کرے۔'' اور تعبیر مسکرادیتی۔

☆......☆

دروازے پر ہلکی سی دستک کے بعد تابش اندر آگیا۔

''تعبیر! تمہیں پتا ہے نا ہمارے گھر ہر بار نیو ایئر پارٹی منائی جاتی ہے۔ تم پھر بھی تیار نہیں ہوئیں نیو ایئر کا کیک کاٹنا ہے سب گیسٹ آگئے ہیں 12 بجنے والے ہیں تم بھی تیار ہوکر باہر آجاؤ۔'' تابش کی بات سن کر تعبیر نے اپنا پین ڈائری میں رکھا اور ڈائری بند کرتے ہوئے بولی۔

''بھیا! آپ شاید بھول رہے ہیں، آپ ہر سال مجھے بلانے آتے ہیں مگر میں اس پارٹی میں شامل نہیں ہوتی۔ آپ پھر بھی مجھے بلانے آگئے۔ پچھلے پانچ سالوں سے میری زندگی میں کوئی نیو ایئر نہیں آیا پھر کیسے کاٹوں نیو ایئر کا کیک، کیوں مناؤں نیو ایئر کا جشن۔''

دو آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر گالوں پر آنا چاہتے تھے مگر تعبیر نے اپنی ہتھیلیوں سے آنکھیں مسل ڈالیں اور اپنے تابش بھیا کی طرف دیکھ کر تلخی سے مسکرائی۔

''تعبیر! کیا مل رہا ہے، تمہیں یوں گھٹ گھٹ کر جینے سے اس سب کی ذمہ دار تم خود ہو، کیوں اس انسان کے نام پر زندگی ضائع کررہی ہو، جو تمہیں تنہا چھوڑ گیا وہ کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔ میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا اور آج بھی کہہ رہا ہوں۔ مگر تمہیں شاید مجھ سے زیادہ اس شخص پر بھروسہ ہے۔'' تابش اس کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ آج اسے اپنی معصوم سی بہن پر بے تحاشا پیار اور ترس آیا تھا۔ اس نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا اور دھیرے دھیرے سمجھانے لگا۔

''تعبیر! اماں بابا کے غم سے باہر آجاؤ، بالکل اسی طرح جیسے میں آگیا۔ میں یہ نہیں کہتا کہ تم ماں بابا کو بھول جاؤ، تم ان کو اپنی اچھی یادوں میں محفوظ رکھو، ہاں مگر روحان کو بھول جاؤ۔ وہ لوٹ کر نہیں آنے والا۔ اگر اس نے آنا ہوتا تو کب کا آگیا ہوتا، تم سے

کوئی رابطہ تو رکھا ہوتا اس نے تمہارا انتظار بے معنی ہے۔ میری گڑیا! جب تک تم اپنی زندگی میں صبح نہیں لاؤ گی تب تک یہ اندھیرا تمہیں چھوڑ کر نہیں جائے گا۔ کب تک خوشیوں کے لیے دروازہ بند رکھو گی اور یوں بھاگتی رہو گی۔ پلیز اب اینڈ کر دو اس دسمبر میں اپنے درد کا اختتام کر دو۔''

تابش کی بات سن کر وہ اس کے کاندھے سے لگ کر بری طرح رو دی۔ برسوں جو آنسو اس نے چھپ چھپ کر بہائے تھے۔ آج کسی اپنے کے سامنے بہہ نکلے تھے اور تابش کے کاندھے میں جذب ہو رہے تھے۔ کتنے عرصے کے بعد آج اسے بھیا میں بابا کی صورت نظر آ رہی تھی۔ وہ اپنے سارے دکھ آنسوؤں کے ذریعے بہا دینا چاہتی تھی۔ تابش اسے یوں روتے دیکھ کر سوچ رہا تھا۔

''تمہارا قصوروار تو میں بھی ہوں، میں نے بھی تو تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ خود سے لڑنے کے لیے۔'' اماں بابا کے بعد روحان بھی اسے چھوڑ گیا۔ پے در پے ملنے والا ہر صدمہ اسے توڑتا رہا اور اسے سنبھالنے کے لیے کوئی اپنا بھی تو ہوتا اور میں اپنا ہو کر بھی پرایا بنا رہا۔ تعبیر کی تنہائی کا ذمہ دار میں بھی ہوں۔'' تابش نے اپنی آنکھوں میں آئی نمی صاف کی اور پھر اس کا ماتھا چومنے کے بعد اس سے مخاطب ہوا۔

''تعبیر! میری بہن کیپٹن اسفند کا ہاتھ تھام لو، وہ آج بھی تمہارا منتظر ہے تمہارے منع کرنے کے باوجود اس نے ہار نہیں مانی، وہ ناامید نہیں ہوا وہ بڑے پر یقین لہجے میں کہتا ہے۔ مجھے خدا پر بھروسا ہے کہ ایک دن تعبیر ضرور مان جائے گی۔ وہ تم سے سچی محبت کرتا ہے۔ تعبیر اس کی محبت کو یقین کی انگلی تھما دو۔ مجھ پر بھروسہ رکھو وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا۔ تعبیر اگر ایک سچ یہ ہے کہ تم نے روحان سے محبت کی ہے تو ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اسفند تمہیں دل و جان سے چاہتا ہے، روحان نے تمہاری محبت کی قدر نہیں کی تو کیا تم بھی ایسا ہی کرو گی اسفند کی محبت کو ٹھکرا دو گی۔ تعبیر کسی کو چاہنے سے زیادہ اس بات کا احساس زیادہ حسین ہے کہ کوئی تمہیں چاہتا ہے بس تم اسفند کی چاہت کو خود سے دور مت کرنا۔ باہر آ جاؤ تیار ہو کر۔ میں انتظار کر رہا ہوں اسفند بھی آیا ہے پارٹی میں اگر تم باہر آ گئیں تو میں آج ہی تمہاری اور اسفند کی شادی کے لیے ہاں کر دوں گا، مجھے یقین ہے تم میرے فیصلے کا مان رکھو گی اور باہر ضرور آؤ گی۔'' یہ کہہ کر تابش کمرے سے باہر نکل گیا۔

تعبیر نے اپنی ڈائری پھر سے اٹھائی۔ جو مکمل ہو گئی تھی مگر اس کا آخری صفحہ باقی تھا۔ اور آخری صفحے پر اختتام کرنے کے لیے تعبیر کا قلم تیزی سے چلنے لگا۔ اس بار ڈائری پر لفظوں کو بکھیرتے ہوئے وہ رو نہیں رہی تھی۔ بلکہ دھیرے دھیرے مسکرا رہی تھی۔

ڈائری کو بند کر کے تعبیر نے لاکر میں رکھ دیا۔ 12 بجنے میں صرف 15 منٹ باقی تھے وہ جلدی جلدی تیار ہونے لگی آج بہت دنوں کے بعد وہ دل سے تیار ہوئی اس حسین شخص کے لیے جس کا دل بھی بہت خوب صورت تھا۔ جو برسوں سے اسے دل میں بسائے اس کا منتظر تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔ دسمبر کی اس آخری رات کو اپنے دکھوں کا اختتام کرنے کا، تعبیر کی نظر بے اختیار آسمان پر چمکتے چاند پر جا ٹکی جو آج معمول سے زیادہ چمکتا نظر آ رہا تھا۔ اسے یوں لگا کہ وہ بھی مسکراتے ہوئے کہہ رہا ہے۔

''اب تمہیں بھی تمہارا چاند مل گیا۔ اب مجھے یوں تنہا مت تکنا۔'' اور وہ مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر آ گئی۔ نئی صبح نئے سال کا استقبال کرنے۔

......☆......

ماریہ یاسر

افسانہ

دسمبر کی یہ آخری رات

''اف یار! سر ثوبان کی کیا پرسنالٹی ہے۔ کیا اسٹائل ہے میں تو لٹو ہو گئی ہوں سر پر۔'' انگلش کی کلاس لے کر باہر نکلتے ہوئے وفا نے اپنا مخصوص فقرہ دہرایا تو گویا درِ شاداب کو تو آگ ہی لگ گئی۔



''وفا کی بچی تمہیں کچا چبا لوں گی میں اگر دوبارہ تمہارے منہ سے میں نے یہ جملہ سنا تو ارے خدا کی بندی پورے دو مہینے سے میں تمہاری یہ بکواس سنتی آرہی ہوں مسلسل۔ میں سر ثوبان ہوں کیا جو روز مجھے انفارم کرتی ہو۔ اگر اتنی ہی محبت ہے اس کھڑوس سے تو اس کو جا کے بتاؤ ناں۔ پر میرا دماغ مت چاٹا کرو۔'' وہ جو سر ثوبان سے کلاس میں اپنی بے عزتی سن چکی تھی دانت چبا کر بولی۔

''شادابو! انگارے کیوں چبا رہی ہو۔ تمہیں کس نے مشورہ دیا تھا کہ سر ثوبان کی دی ہوئی اسائمنٹ گھر میں آرام فرمانے کے لیے چھوڑ آؤ۔ بے عزتی تو تمہاری بنتی تھی سر سے۔ تمہیں پتا بھی ہے کہ سر پڑھائی کے معاملے میں کوئی کمپرمائز نہیں کرتے ہیں اور خبردار جو تم نے سر کو کھڑوس بولا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا سمجھیں شادابو۔'' وفا نے اسے دھمکانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے آخر میں چھیڑا اور وہ چڑ بھی گئی۔

''تمہیں میں نے کتنی بار بولا ہے کہ مجھے شادابو مت بولا کرو۔ لیکن اتنی ڈھیٹ ہو تم کہ حد نہیں۔ شادابو سن کر ایسا لگتا ہے جیسے کسی مالی کو بلا رہی ہو۔''



شاداب نے اسے گھورا۔
''اچھا نام کو گولی مارا اور میری بات غور سے سنو۔'' وفا نے سرگوشی نما آواز نکالی۔
''ارے گولی کیوں مارو میرے نام کو۔ گولی ہی مارنی ہے تو اپنے یا پھر سر ثوبان کے نام کو مارو۔ ایویں خوامخواہ میرے اتنے پیارے نام کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔'' شاداب نے اسے دھمکایا۔
''اچھا میری ماں نہیں مارو گولی لیکن میری بات تو سن لو۔'' اس نے اپنا منہ اس کے کان میں گھسایا۔
''اوئے وفا! میرا کان مت کھا جانا تمہارا کوئی بھروسہ بھی نہیں ہے۔ تم اپنا منہ دور کر کے بات کرو میں سن رہی ہوں۔'' شاداب نے اسے پرے ہٹایا۔
''توبہ شاداب! تم اپنی بک بک کب بند کرو گی اور جہاں تک کھانے کی بات ہے تو یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ تو تمہاری ہابی ہے کھانا اور کھاتے ہی چلے جانا، اپنا پیٹ دیکھو بلکہ پیٹ نہیں پیٹی (بکسہ) جس میں لوگ کپڑے رکھتے ہیں۔'' اس نے شاداب کے موٹاپے پر طنز کیا۔
''ٹھیک ہے پھر جاؤ کوئی تیلی اپنے جیسی لڑکی ڈھونڈ کے اسے اپنے اقوال زریں سنا دو جو تم مجھے سنانے لگی تھیں۔'' وہ اب تپ ہی گئی اور بیگ اٹھا کے اٹھ کھڑی ہوئی۔
''ارے شاداب! کہاں جا رہی ہو میں تو مذاق کر رہی تھی۔ میری پیاری اور اتنی پتلی دوست، میری بات تو سن لو یار۔'' اس نے دوست کو جاتے دیکھا تو منانے کو لپکی۔
''میری اچھی بہن معاف کر دو ناں آئندہ ایسا نہیں بولوں گی۔ وعدہ۔ پلیز بیٹھو ناں، میری بات سن لو نہیں تو سر عابد کا پیریڈ اسٹارٹ ہو جائے بہت ضروری بات ہے۔'' اس نے اس کے گلے میں بازو ڈالے منانے کے انداز میں کہا۔
''اچھا ٹھیک ہے باز و تو ہٹاؤ اتنے زور سے دبا رہی ہو گلا کیا جان لو گی بچی کی۔'' اس نے ہنسی دباتے کہا۔
''اچھا شاداب! میں کہہ رہی تھی کہ میں سوچ رہی ہوں کہ میں آج 6 پیریڈ میں جا کے سر کو اپنے دل کا حال بتا دوں، کیا خیال ہے تمہارا؟'' اس نے پرسوچ انداز میں شاداب کی طرف دیکھا۔
''دیکھ لو یار! لیکن ایسا نہ ہو کہ سر ناراض ہو کر تمہاری شکایت پرنسپل کو نہ کر دیں۔'' اس نے ڈراتے ہوئے کہا۔
''یار! اب اتنا رسک تو لینا پڑے گا لیکن اب میں سر سے بات کروں گی ضرور، اچھا ایسا کرو کہ تم میرا بیگ بھی لے جاؤ کلاس میں، میں تھوڑی دیر میں سر سے بات کر کے آتی ہوں۔ سر اس پیریڈ میں اسٹاف روم میں فری ہوتے ہیں۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

☆......☆

''سر مے آئی کم اِن؟'' سارے اسٹاف روم میں نظر دوڑا کے کہ وہ خالی ہے اجازت طلب کی۔
''یس کم اِن!'' سر ثوبان نے نوٹس پکڑے کہا۔
''سر! مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' اس نے انگلیاں مروڑتے ہوئے کہا۔
''جی ضرور مس وفا! لیکن پہلے میری بات سن لیں۔'' انہوں نے نوٹس رکھ کر اس کی طرف دھیان سے دیکھا۔
''میں نوٹ کر رہا ہوں کہ آج کل آپ کا دھیان پڑھائی کی طرف نہیں ہے۔ آپ آج بھی کلاس میں اپنی اس فرینڈ کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھیں میں ساری کلاس کے سامنے آپ کو ڈانٹنا نہیں چاہتا تھا لیکن اپنا فوکس پڑھائی کی طرف کریں۔ پلیز آپ پوزیشن ہولڈر اسٹوڈنٹ ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کے Non serious بی ہیویئر کی وجہ سے آپ کی پڑھائی متاثر ہو۔'' انہوں نے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وفا کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کہے۔
''اچھا آپ بولیے کیا کہنے آئی ہیں۔'' انہوں نے

پوچھا۔
"وہ سر! میں یہ کہنے آئی تھی کہ سر میں...... وہ سر...... آپ سے...... میرا مطلب ہے میں نہیں آپ نے نہیں، نہیں میں آپ سے یہ کہنے آئی ہوں۔" وہ بوکھلائے بوکھلائے اپنی انگلیاں مروڑتی رہی۔
"کیا بات ہے مس وفا اینی پرابلم؟" انہوں نے گھورتے ہوئے کہا۔
"نو سر نو پرابلم میں کل آ کے آپ کو بتا دوں گی۔ اتنی خاص بات بھی نہیں ہے۔" اس نے ہمت ہارتے کہا۔
"اچھا کل میں کلاس لینے آؤں گا تب بات کریں گے آپ کی طبیعت مجھے ابھی ٹھیک نہیں لگ رہی۔" سر ثوبان نے کہا۔
"نہیں سر! میں ساری کلاس کے سامنے اپنی بے عزتی نہیں کرا سکتی میں کل اکیلے میں ہی آپ سے بات کروں گی۔" اس نے منہ میں بڑبڑاتے کہا۔
"کیا کہا آپ نے؟" ثوبان کو اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا۔
"کچھ نہیں سر!" کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی اور پیچھے سر ثوبان حیرت سے اس کو دیکھتے رہ گئے۔ سر عابد کی غیر حاضری کی وجہ سے ساری کلاس اِدھر اُدھر گھوم کر فری پیریڈ انجوائے کر رہی تھی۔
"شاداب کینٹین میں بیٹھی سموسے، چاٹ اور کولڈ ڈرنک سے انصاف کرنے میں لگی تھی کہ وفا پھولی سانس کے ساتھ کرسی پر گرنے کے انداز میں بیٹھی۔
"تمہیں کیا ہوا ہے سانس کیوں پھولی ہوئی ہے تمہاری۔ کشمیر فتح کر کے آ رہی ہو۔" شاداب نے کولڈ ڈرنک منہ سے لگائی۔
"نہیں یار، فتح کرتے کرتے رہ گئی ہوں آج اور یہ کولڈ ڈرنک تو مجھے پکڑاؤ ذرا۔" اس نے شاداب کے ہاتھ سے کولڈ ڈرنک اپنے قبضے میں کر لی جس پر ایک زبردست سی گھوری سے نوازا گیا۔ جس کی اس نے پروا نہیں کی۔
"سیدی طرح بتاؤ کہ ہوا کیا ہے؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔
"کچھ نہیں یار! میری ہمت ہی نہیں ہوئی سر سے بات کرنے کی عجیب سی Feeling ہو رہی تھیں اس وقت۔" اس نے اپنے دل کی کیفیت بتائی۔
"یار قسم سے عجیب ہو تم بھی ویسے تو بڑی ٹام کروز بنتی پھرتی ہو سر سے ایک بات نہیں کر سکیں۔" اس نے چاٹ کا آخری چمچ منہ میں ڈالا جس پر وفا نے منہ بنایا۔
"یار شاداب! کم ٹھونسا کرو کتنی بار بولا ہے اپنا ویٹ کم کرو، مجھے تو تمہارے ہونے والے شوہر پر ترس آتا ہے جب اس کو تمہارے ہاتھ سے مکے اور گھونسے کھانے پڑیں گے اور تب تمہیں بھی میری قدر آئے گی۔ اتنا کھاتی ہو پھر بولتی ہو کہ میرا پیٹ بڑھ گیا ہے کبھی کہتی ہو میرا منہ بڑھ گیا ہے پیٹ نہیں بڑھے گا تو کیا سر ثوبان کی Pay بڑھے گی۔" اس نے شاداب کو چڑایا۔
"وفا کی بچی تم میرے ہاتھ سے پٹو گی اگر تمہارے منہ سے کھانے کے بارے میں، میں نے کچھ بھی الٹا سیدھا سنا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" اس نے کہتے کے ساتھ دھموکا بھی جڑ دیا۔

☆......☆

دروازے کی بیل پر وہ جو ابھی کالج سے آ کر لیٹے ہی تھے کہ اٹھ کر کھولنے گئے۔ دروازہ کھولا تو سامنے بلیو ٹراؤزر اور بلیک لانگ شرٹ دوپٹہ گلے میں ڈالے کھڑی وفا پر نظر پڑی تو حیران ہو گئے۔
"آپ...... وفا اس وقت میرے گھر...... خیریت تو ہے ناں اینی پرابلم؟" انہوں نے گلاسز سر پر ٹکاتے حیرانگی سے کہا۔
"جی سر! وہ میں نے آپ سے ایک بہت ضروری

بات کرنی ہے۔'' اس نے آنے کا مقصد بیان کیا۔

''جی بولیں! آپ صبح بھی کچھ کہنے آئی تھیں آخر بات کیا ہے؟'' انہوں نے اس پر نظریں جمائے پوچھا۔

اونچی پونی ٹیل پریشان چہرہ، اونچی نازک سی وفا انہیں ہمیشہ سے دل سے قریب ہی لگی لیکن آج تو اس کا انداز ہی نرالا لگ رہا تھا۔ ثوبان کا دل عجیب انداز میں دھڑکا، دل کی دھڑکن عجیب سی بے ضابطگی کا شکار تھی۔ فوراً نظریں ہٹائیں مبادا ان کی چوری پکڑی نہ جائے۔

''وہ سر میں کہہ رہی تھی کہ میں نہیں نہیں آپ افوہ...... میرا مطلب ہے وہ سر میں ناں...... وہ سر میرے سر میں چوٹ لگ گئی ہے۔ نہیں سر وہ میرا مطلب ہے میرے سر میں موچ آگئی ہے۔ میں چلتی ہوں کل کالج میں بتاؤں گی۔'' اوٹ پٹانگ ہانکتے ہوئے اس نے تیزی سے کہا اور پاس ہی کھڑی اپنی گاڑی میں بیٹھی اور یہ جا وہ جا۔ پیچھے کھڑے ثوبان یہ سوچ رہے تھے کہ سر میں موچ کیسے آسکتی ہے۔ گھر پہنچ کر اس نے ساری بات شاداب کو فون پر بتائی اور اس سے خوب باتیں سنیں۔

☆......☆

گاڑی سے اتر کر کالج میں قدم رکھے ہی تھے کہ سامنے سے آتے ثوبان نے اشارے سے بلایا۔

''وفا! اسٹاف روم آیئے مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔''

''یس سر کہہ کر ان کے پیچھے پیچھے چلتی اسٹاف روم میں آگئی۔

''جی سر!'' ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے وہ عجیب پریشانی میں گھری تھی۔ ثوبان کو اس لمحے وہ اس قدر پیاری لگی کہ دل نے اس کے ساتھ کی دعا کی۔

''جی کل آپ نے کیا کہنا تھا بولیے۔'' نظروں کا زاویہ بدلتے پوچھا۔

''لیکن سیدھے طریقے سے اوٹ پٹانگ بولے بغیر سیدھی اور سچی بات کریئے گا، او کے۔'' انہوں نے تنبیہہ کی۔

''جی سر! Last try کر رہی ہوں اگر آج بھی نہ بول سکی تو کل میں آپ کو پیپر پر لکھ کر دوں گی۔'' اس نے معصومیت سے کہا۔

''وہ سر میں آپ سے پیار کرتی ہوں اور آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔'' دھڑکتے اور بے قابو دل سے کہتے ہوئے اس نے خوف سے آنکھیں بند کرلیں۔

''واٹ......! کیا بول رہی ہیں آپ، ہوش میں تو ہیں ناں۔ آج تو یہ بات کردی ہے آئندہ میں یہ بات آپ کے منہ سے نہ اپنے سامنے سنوں اور ناں کسی اور کے سامنے او کے۔ آپ اپنی توجہ پڑھائی پر دیں ان سب باتوں میں وقت ضائع مت کریں۔ آپ کے فادر اس شہر کے بڑے بزنس مین ہیں، وہ یہ سنیں گے تو کیا سوچیں گے۔ اس لیے اس بات کو بھول جائیں۔'' ایک لمحے کے لیے ان کے دل نے وفا کو ہاں میں جواب دینے پر ضد کی لیکن انہوں نے دل کی اَن سنی کرتے ہوئے دماغ سے کام لیا۔

''پر سر! اس میں برائی کیا ہے۔ میں نے شادی تو کرنی ہے ناں اور آپ نے بھی تو سر مجھ سے شادی میں کیا برائی ہے۔'' اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے پوچھا۔

''وفا! میں نے آپ کو ایک بار کہہ دیا ناں، مجھے بات دہرانے کی عادت نہیں ہے۔ اب آپ جاسکتی ہیں۔'' انہوں نے سختی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وفا نے نم آنکھوں سے انہیں دیکھا اور دروازے سے نکل کر کالج سے باہر چلی گئی۔

4th پیریڈ اسٹارٹ ہوتے ہی ان کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے Block میں 4th ایئر کی کلاس میں داخل ہوئے تو سارے

اسٹوڈنٹ احترام میں کھڑے ہو گئے۔ انہیں بٹھا کر ڈائس پر کھڑے ہوئے، نگاہوں نے خاموشی سے ساری کلاس کا جائزہ لے ڈالا لیکن اپنا مطلوبہ گوہر نہ پا کر شاداب کو پکار بیٹھے۔

''شاداب! وفا کہاں ہیں کہیں گئی ہوئی ہیں کیا؟'' انہوں نے لہجے کو سرسری بنانے کی کوشش کی۔

''نو سر! آج اس میسنی نے چھٹی مار لی، مجھے بتایا بھی نہیں اور خود ہی چھٹی کر کے بیٹھ گئی گھر میں۔ اب میں بھی کل اسے بتائے بغیر چھٹی کروں گی، پھر پتا چلے گا اسے بھی۔'' اس نے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

''مس شاداب! آپ سے جتنا پوچھا جائے صرف اسی کا جواب دیا کریں۔'' ثوبان کے کہنے پر وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

''یہ وفا کہاں چلی گئی ہے، گھر گئی ہے یا غصے میں کچھ غلط تو نہ کر بیٹھی ہو۔'' ثوبان نے پریشانی سے سوچا، آج سارا دن وہ ٹھیک سے کوئی لیکچر بھی نہ دے سکے ذہن اسی کی طرف لگا رہا۔

☆......☆

کالج سے آ کر کھانا کھایا اور اپنی ماما کو بتا کے وہ وفا کی کلاس لینے اس کے گھر آ گئی۔ اس کے کمرے میں اس کے سامنے بیٹھی غصے سے بولی۔

''مل گیا سکون۔'' وفا نے ناسمجھی سے شاداب کی طرف دیکھا۔

''مل گیا سکون مجھے بتائے بغیر چھٹی کر کے۔'' اس نے ناک سکوڑتے کہا۔

''آئی تھی کالج میں صبح لیکن سر نے مجھے اتنا روڈ لہجے میں انکار کیا تو میں گھر واپس آ گئی۔'' اس نے آنکھوں میں آتے پانی کو چھپانے کے لیے آنکھیں جھکا لیں۔

''واٹ...... مجھے تو پہلے ہی پتا تھا کہ سر ایسا ہی کچھ کریں گے یار تم ایسے ہی اس کھڑوس کے پیچھے پڑی ہو۔ دفعان کرو۔ تمہارے لیے لڑکوں کی کمی ہے کیا۔'' اس نے خالص عورتوں کے انداز میں کہا۔

''تمہیں کیا پتا یار! یہ پیار کیا ہوتا ہے میں اس کھڑوس کو نہیں چھوڑ سکتی۔ بہت پیار کرتی ہوں، دن بدن میرا پیار بڑھتا جا رہا ہے ان کے بغیر میں مر جاؤں گی کچھ کرو یار، انہیں سمجھاؤ پلیز میری مدد کرو۔'' اس نے نم لہجے میں شاداب کے ہاتھ تھامتے کہا۔

''اچھا تم رونا مت، میں کچھ کرتی ہوں۔'' اس نے کچھ سوچتے ہوئے وفا کو تسلی دی۔

☆......☆

''سر! میں آپ کے بغیر مر جاؤں گی پلیز سر! آپ مجھے Ignore مت کریں۔'' کالج میں سر کے اجنبی رویے پر پریشان وفا نے سر سے بات کرنے کا سوچا۔

''پلیز مس وفا! آہستہ بولیں کوئی سن لے گا۔'' انہوں نے اسے خاموش کرایا۔

''سر! جس نے سننا ہے سن لے مجھے کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ آپ سمجھنے کی کوشش کریں ناں پلیز سر۔'' اس نے التجا کی۔

''میں نے کہا ناں مس وفا، میں آپ سے شادی نہیں کر سکتا اور اب مجھے آپ دوبارہ اپنے آس پاس نظر نہ آئیں۔'' دل پر پتھر رکھ کر کہتے ہوئے ان کے اپنے دل نے بھی آہ بھری۔

''پر کیوں سر کیا وجہ ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''اس بات کا میرے پاس کوئی جواب نہیں اور اب آپ جا سکتی ہیں پلیز جائیں۔'' انہوں نے غصے سے اونچی آواز میں کہا تو وہ لوٹ آئی۔

☆......☆

وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد جسے ماما کی ڈیتھ کے بعد پاپا نے اتنے نازوں سے پالا کہ کبھی کسی بات پر ناں سننے کی عادت ہی نہ تھی۔ ذہین اتنی کہ بچپن سے ہر کلاس میں نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں

پہلی پوزیشن پر صرف اسی کا نام لکھا ہوتا۔
اس کے پاپا شہر کے مشہور بزنس مین رضا احمد خان جن کی جان وفا میں تھی لیکن آج وہ اتنی اداس تھی کہ اس کے پیارے سے پاپا چاہ کر بھی نہ جان پائے کہ اسے کس بات کی پریشانی ہے۔ وہ جب پوچھتے تو وہ یہ کہہ کر ٹال دیتی کہ آپ کا وہم ہے۔ آج کالج سے آ کر کمرہ بند کیے وہ سوچ میں ڈوبی تھی۔

''آخر میں پوزیشن ہولڈر وفا جو جہاں بھی جاؤں سب کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہوں۔ سر ثوبان نے مجھے کیوں Reject کر دیا؟'' یہ سوچ اسے پاگل کر دینے کے لیے کافی تھی۔ وہ جتنا سوچتی اس کی محبت اور بڑھتی جاتی، موبائل پکڑے وہ کچھ ٹائپ کرنے لگی۔

ہاں میں نے تجھے چاہا انکار نہیں مجھ کو
یہ جرم تو ثابت ہے کیا اس کی صفائی دوں

اس نے ٹائپ کیا اور اپنے مطلوبہ نمبر پر Send کر دیا۔ پھر جیسے کچھ یاد آنے پر دوبارہ سے ٹائپ کرنے لگی۔

یہ میری زندگی کی سب سے بڑی تمنا تھی
کہ وہ شخص میرے پاس میرے نام کی طرح رہتا

اوپر تلے میسج بھیجنے کے بعد اس نے موبائل بیڈ پر پھینک کر خود صوفے کی پشت پر سر ٹکا لیا۔

☆......☆

''ثوبان بیٹا! بہت ہو گیا اب تمہاری ایک نہیں سنوں گی اگر تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے تو بتاؤ مجھے ورنہ میں اپنی پسند سے لڑکی منتخب کر کے تمہاری شادی کر دوں گی۔'' وہ جو کمرہ بند کیے لیٹے کچھ سوچ رہے تھے کہ نائلہ کی آواز پر اٹھ بیٹھے۔

''امی! میں نے آپ کو پہلے بھی کتنی بار بولا ہے کہ مجھے شادی نہیں کرنی۔'' انہوں نے اپنے ذہن کو جھٹکا جہاں وفا کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''بیٹا! تم کیا چاہتے ہو میں اپنی یہ خواہش لیے ہی دنیا سے چلی جاؤں، تمہارے ابو آج زندہ ہوتے تو وہ بھی یہ ہی خواہش کرتے۔ اکلوتے بیٹے ہو تم میرے۔ میرا دل بھی کرتا ہے کہ اس گھر میں تمہارے بچوں کی قلقاریاں گونجیں، کیا تم مجھے اس خواہش کے لیے ترسا ترسا کے مارو گے؟'' انہوں نے آنسو پونچھتے ہوئے جذباتی لہجے میں کہا۔

''اللہ نہ کرے امی! کیسی باتیں کرتی ہیں آپ، ایک آپ ہی تو ہیں میرے پاس۔ میں کیسے رہوں گا آپ کے بغیر آپ ایسی باتیں کر کے مجھے تڑپایا نہ کریں پلیز۔'' انہوں نے ماں کے منہ پر ہاتھ رکھتے کہا۔

''تو بیٹا! مان لو ناں میری بات کر لو شادی تمہیں میری قسم۔''

''امی! خدا کا واسطہ ہے ابھی فی الحال مجھے شادی کا مت بولا کریں، ابھی میں اس قابل نہیں کہ یہ ذمہ داری اٹھا سکوں۔'' کہہ کر وہ اٹھ کے باہر چلے گئے۔ 32 سالہ گھبرو جوان بیٹے کی آنکھوں میں ایسا کچھ تھا کہ نائلہ چونک سی گئیں۔ اٹھ کے بیٹے کے پیچھے گئیں۔

''کیا بات ہے بیٹا! تم کسی کو پسند کرتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا، مجھے تو بس تمہاری خوشی چاہیے۔'' انہوں نے کچھ سوچتے کہا۔

''امی! کتنی بار بولا ہے ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ ایک بات کے پیچھے ہی پڑ گئی ہیں۔'' انہوں نے غصے سے کہا اور گھر سے باہر نکل گئے۔ نائلہ حیران پریشان دروازے کو دیکھتی رہ گئیں۔

☆......☆

''یار وفا! اس بار بھی تم New year پارٹی دے رہی ہو ناں۔'' فری پیریڈ میں وہ اپنی کلاس فیلوز کے ساتھ گراؤنڈ میں بیٹھی تھی جب بلال نے پوچھا۔

''ہاں وفا! بتاؤ ناں دو دن رہ گئے ہیں۔ اس ایئر کی پارٹی پکی ناں۔'' اب کے بوٹے سے قد والی رانی نے پوچھا۔

"نہیں یار! اس بار کوئی پارٹی نہیں ارینج کر رہی ہوں میں۔" اس نے بے دلی سے کہا تو سب کے منہ لٹک گئے۔

☆......☆

وہ گم صم بیٹھی کسی گہری سوچ میں تھی کہ اس کے پاپا نے چٹکی بجا کے اسے متوجہ کیا، کیا بات ہے۔ "بیٹا! تم اتنی اداس کیوں رہتی ہو۔" انہوں نے پریشان ہوتے کہا۔

"نہیں پاپا! ایسی تو کوئی بات نہیں آج کل گھر میں بوریت ہو جاتی ہے۔" اس نے ٹالا۔

"بیٹا! آج اس سال کا آخری دن ہے اور تم تو ہمیشہ اس دن پارٹی رکھتی تھیں اس بار منع کیوں کر دیا تھوڑا دل بہل جاتا تمہارا۔" انہوں نے عینک ٹھیک کرتے پوچھا۔

"نہیں پاپا! اس بار موڈ نہیں ہو رہا پارٹی کا۔" اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے کہا۔

"او کے بیٹا! جیسا تمہارا دل کرے اچھا سنو کل فاضل انکل کی طرف جانا ہے تمہیں یاد ہے ناں، رمزہ کی بارات ہے۔" انہوں نے اسے یاد دہانی کرائی۔

"جی پاپا! مجھے یاد ہے آپ بے فکر رہیں میں ٹائم پر ریڈی رہوں گی۔" اس نے تسلی دی۔

"اچھا تو بیٹا! اب آپ سو جائیں، ایسے بیٹھے بیٹھے سردی لگ جائے گی چلیں اندر کمرے میں۔" انہوں نے لاڈ سے بیٹی کو اٹھایا۔

کمرے میں لیٹی گہری سوچ میں تھی کہ اچانک اٹھ بیٹھی اور موبائل کی تلاش میں نظریں اِدھر اُدھر دوڑائیں۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھا کے Msg ٹائپ کرنے لگی۔

"کسی کو دیکھوں تو ماتھے پہ ماہ و سال ملیں
کہیں بکھرتی ہوئی دھول میں سوال ملیں
آؤ کچھ دیر دسمبر کی دھوپ میں بیٹھیں
یہ فرصتیں ہمیں شاید اگلے سال نہ ملیں

اس نے بڑے جذب کے عالم میں Msg ٹائپ کر کے ثوبان کے نمبر پر بھیج دیا۔

کروٹیں بدل بدل کر جب وہ تھک گیا تو اٹھ کے بیٹھ گیا۔ بکھرا حلیہ ان کے بکھرے دل کی عکاسی کر رہا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے سر تھاما تھا کہ میسج ٹون بج اٹھی۔ بے دلی سے Msg کھولا ہی تھا کہ نظر پڑتے دل جیسے کھل اٹھا۔

یہ سال بھی اُداس رہا روٹھ کر گیا
تجھ سے ملے بغیر دسمبر گزر گیا
جو بات معتبر تھی وہ سر سے گزر گئی
جو حرف سرسری تھا وہ دل میں اتر گیا

وہ اس کے میسج جوں جوں پڑھتے گئے۔ دل ان کی لگائی گئی پابندی کے خلاف شدید احتجاج کرنے لگا۔ دل میں اٹھتے شور و غل سے گھبرا کے وہ بائیک لے کر باہر نکل گئے اور دیر رات تک بلا مقصد شہر کی سڑکیں ناپتے رہے۔

کوشش کے باوجود وفا سو نہ سکی۔ رات کے بارہ بج رہے تھے لیکن اس کی نیند اس سے روٹھی بیٹھی تھی۔ وہ جانے کتنی دیر ان کی یاد میں جاگتی رہی۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ زندگی میں کچھ بھی اچھا نہ لگ رہا تھا۔ آخر وہ مان کیوں نہیں جاتے۔ یہی ایک سوچ اس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔

☆......☆

نئے سال کا پہلا دن تھا لیکن اس کی زندگی کا انوکھا دن تھا۔ پچھلے کئی سالوں سے وہ یکم جنوری کو بہت ایکٹو اور انرجی فل رہتی تھی لیکن اس بار اس کو یوں لگ رہا تھا کہ گزرا سال اس سے کوئی شے چھین لے گیا ہے۔ آج سارا دن وہ اپنے کمرے میں اندھیرا کیے پڑی رہی۔ کالج سے بھی چھٹی کی۔

"بیٹا! ٹھیک آٹھ بجے رات کو تیار رہنا میں آفس سے آ کے تمہیں پک کر لوں گا۔" انہوں نے ایک بار پھر سے یاد دہانی کرائی۔

''او کے پاپا'' وہ انہیں بھیج کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ آج شدت سے رونا آ رہا تھا۔ خود کو روکنے کے باوجود وہ اپنے آنسوؤں پر بند نہ باندھ سکی۔

روتے روتے سارا دن گزر گیا۔ سات بج رہے تھے کہ وہ بے دلی سے اٹھی فریش ہو کر الماری سے بلیک سوٹ نکالنے لگی۔ ٹھیک پانچ منٹ بعد وہ تیار کھڑی تھی۔ موبائل لے کر بیٹھی اور Msg ٹائپ کرنے لی۔

''میرے لفظوں سے نکل جائے اثر
کوئی خواہش جو تیرے بعد کروں''

ٹھیک آٹھ بجے رضا صاحب کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ باہر آ گئی۔

''ارے آج تو میری بیٹی بہت پیاری لگ رہی ہے۔'' انہوں نے لاڈ سے کہا۔

بلیک کپڑوں پر سلور کام اتنا نفاست سے کیا گیا تھا کہ اس کی سفید رنگت پر اور بھی کھل اٹھا۔ میک اپ سے عاری دھلا صاف ستھرا چہرہ، کلائی میں رسٹ واچ اور پاؤں میں نازک سی بلیک جوتی، بال کندھے پر آئے ہوا سے اڑ رہے تھے۔ جنہیں وہ بار بار ہاتھ سے پیچھے کر رہی تھی۔ یہ تھی اس کی تیاری لیکن اس کے باوجود اس میں کچھ ایسا خاص تھا جو سوگوار سا بنائے اُسے سب سے الگ بنا رہا تھا۔

شہر کے مقامی مہنگے ہوٹل میں وہ لوگ پہنچے تو ہر طرف روشنیوں اور رنگوں کا خوب صورت امتزاج محفل کو چار چاند لگا رہا تھا۔ پاپا کے ہمراہ اسٹیج کی طرف بڑھ گئی جہاں تانیہ دلہن بنی انتہائی پیاری لگ رہی تھی۔ وہ اس کے پاس ہی کچھ دیر بیٹھ گئی۔ رضا انکل ان کی بیوی سے مل کر وہ کونے کی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

☆......☆

''ابے کہاں ہے یار! کب پہنچے گا، اتنی دیر سے میں فون کر رہا ہوں لیکن تو اٹھا ہی نہیں رہا۔'' مزمل نے ثوبان کی آواز سنتے ہی غصے سے کہا۔

''بس یار 10 منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔'' کہہ کر اس نے فون کاٹ دیا۔

وہ اپنے ہی خیالوں میں بیٹھی تھی کہ مزمل کی آواز پر چونک گئی۔

''اوہ مائی باربی ڈول تم یہاں ایسے کیوں بیٹھی ہو، چلو یہاں آؤ میں تمہیں کسی سے ملواتا ہوں۔'' مزمل نے وفا کا ہاتھ کھینچ کے اٹھایا تھا تو وہ پھٹ پڑی۔

''لیو می الون مزمل! اینڈ ڈونٹ ٹرائی ٹو ٹچ می اگین۔'' اس نے غصے سے چلاتے کہا۔

''اور آئندہ مجھے میرے نام سے بلانا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا اگر تم فاضل انکل کے بیٹے نہ ہوتے تو اب تک مجھ سے تھپڑ کھا چکے ہوتے۔'' وہ غصے سے بولی۔

''او کے وفا! ٹھیک ہے اچھا غصہ مت کرو میں آئندہ خیال رکھوں گا، آؤ میں نے تمہیں اپنے کالج کے بیسٹ فرینڈ سے ملوانا ہے۔'' وہ کہہ رہا تھا کہ سامنے سے آتے شخص پر نظر پڑتے ہی وہ بت بن گئی۔

''سر آپ......!'' بڑی مشکل سے وہ صرف اتنا کہہ پائی اور وہ جو اسے اپنے سامنے موجود پا کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے۔ دل پھر سے بغاوت پر اتر آیا۔

''تم جانتی ہو ثوبان کو؟'' مزمل نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں میں وفا کی انگلش کی کلاس لیتا ہوں کالج میں۔''

''اوہ ہاں مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ تم دونوں ایک ہی کالج میں ہوتے ہو۔'' ثوبان کی بات سن کر اس نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ مزمل ابھی بات کر ہی رہا تھا کہ کسی نے آواز دے کر بلا لیا۔ تنہائی ملتے ہی وفا نے ثوبان کی طرف یوں دیکھا، گویا کوئی گلہ کر رہی ہو۔

''سر! آپ یہاں کیسے؟'' وہ بولی بھی تو فقط یہی۔

''ہاں میں یہاں مزمل کی وجہ سے وہ میرا کالج کا

فرینڈ تھا، اسی نے زبردستی بلوایا ہے، ورنہ میں تو نہ آتا۔ مجھے فنکشن میں جانا اچھا نہیں لگتا۔'' انہوں نے ہاتھ اپنی جیب میں ڈالتے تفصیل بتائی۔ grey سوٹ ان کی پرسنالٹی پر خوب جچ رہا تھا۔ دونوں کی آنکھوں میں دیے سے روشن تھے۔

''ثوبان! آخر آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں پلیز مجھے آج بتا ہی دیں۔'' اس نے تھکے لہجے میں پوچھا۔

''آؤ میرے ساتھ یہاں پاس ہی ایک ٹی شاپ ہے، میں تمہیں آج تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں۔'' انہوں نے کہا تو وہ فوراً ہی ان کے پیچھے ہولی۔ ہوٹل سے نکل کر وہ بائیک کے پاس رک کر اس کی طرف مڑے۔

''اگر تم ایزی فیل نہ کرو تو ٹیکسی روک لیتا ہوں میں، میرے پاس کوئی گاڑی نہیں ہے۔ یہی ایک بائیک ہے۔'' انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے پوچھا۔

''ثوبان! آپ کے ساتھ میں بائیک کیا رکشے پر بھی جا سکتی ہوں مجھے گاڑی کی نہیں آپ کے ساتھ کی ضرورت ہے۔'' اس نے سچے دل سے کہا تو وہ بائیک اسٹارٹ کرنے لگے۔ وفا ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر یوں بیٹھ گئی گویا سالوں سے بائیک پر سفر کرتی رہی ہو۔ وہ اتنی پرسکون اور مطمئن ہو گئی کہ اپنی ہی کیفیت پر حیران ہو رہی تھی۔

ٹی شاپ میں چائے کا آرڈر دے کر وہ اپنی طرف متوجہ وفا کی طرف دیکھ کر بولے۔

''تم یہی جاننا چاہتی ہو ناں کہ میں تم سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتا اور میرے انکار کی وجہ کیا ہے تو سنو میرے انکار کی وجہ ہے ہمارے Life style کا فرق۔ میں ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتا ہوں۔ میری فیملی میں، میں اور میری امی ہیں، میں شروع سے ہی تعلیم میں اچھا رہا۔ ہر کلاس میں پوزیشن لیتا رہا ہوں۔ کالج اور یونیورسٹی میں بھی 1st پوزیشن آئی تو پرنسپل نے مجھے وہیں اپوائنٹ کر لیا۔ ابھی میرے پاس اتنے وسائل نہیں کہ میں شادی کے بعد اپنی بیوی کو خوش رکھ سکوں اور تم ایک Upper کلاس کی لڑکی ہو۔ تم نے اپنی زندگی میں جو سہولتیں دیکھی ہیں، میں تمہیں وہ سب نہیں دے سکتا اور میں نہیں چاہتا کہ محبت میں آ کر میں تمہاری ساری زندگی برباد کروں۔ ابھی تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں لیکن میں نہیں چاہتا کہ بعد میں تم پچھتاؤ میرے ساتھ پر۔'' وہ سانس لینے کو رکے تو وفا نے تڑپ کر کہا۔

''ثوبان! آپ مجھے سمجھ ہی نہیں سکے۔ میں امیر گھرانے سے ضرور ہوں لیکن بگڑی ہوئی لڑکی ہرگز نہیں ہوں کہ ان گاڑی، بنگلوں دولت کے بغیر رہ نہ سکوں، مجھے صرف آپ کے ساتھ کی ضرورت ہے پیسے کی نہیں۔

''تم ابھی جذباتی ہو کر سوچ رہی ہو وفا! جب تم میرے گھر کا لائف اسٹائل دیکھو گی ناں تو نہیں رہ سکو گی وہاں۔'' ثوبان نے اسے حقیقت دکھائی۔

''اب میں دوبارہ تمہارے منہ سے ایسی ویسی کوئی بات نہ سنوں آج تمہارے اصرار پر میں نے تمہیں بتایا ہے سب سچ۔ اس کے بعد ہمارے درمیان کبھی اس موضوع پر بات نہیں ہوگی۔ چلو اٹھو اب ہوٹل واپس جائیں تمہارے فادر تمہیں ڈھونڈ رہے ہوں گے۔'' انہوں نے اپنے مچلتے دل کو تھپکتے ہوئے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ انہیں روکتی رہ گئی۔

''ثوبان! پلیز میری بات تو سنیں۔'' وہ تقریباً ان کے پیچھے بھاگتے ہوئے بولی لیکن ثوبان نے اس کی ایک نہ سنی۔

☆......☆

ثوبان کے ساتھ آخری ملاقات کے بعد اس نے ایک ہفتہ روتے دھوتے گزارا اور کالج سے چھٹی بھی کر لی۔ شدید ذہنی دباؤ کے باعث اسے بخار ہو گیا جو اترنے کا نام بھی نہیں لے رہا تھا۔ رضا صاحب الگ

پریشان تھے۔ دوسری طرف شاداب کا دل بھی اس کی حالت پر تڑپ رہا تھا وفا موبائل تھامے Msg ٹائپ کرنے لگی۔

''یہ میرا حوصلہ ہے تیرے بغیر
سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں''

msg بھیج کر اس نے ایک سرد آہ نکالی اور آنکھیں موندھ لیں۔

''کیا کر رہی ہو فضول لڑکی مجھے تو بھول ہی گئی ہو، بہت بری دوست ہو تم۔'' شاداب نے آتے ہی گلہ کیا۔

''ارے تم، شکر ہے تمہیں بھی یاد آیا کہ تمہاری ایک دوست بھی ہے۔'' اس نے بھی گلے کا جواب گلے سے دیا۔

''یار وفا! تم نے اپنا حال کیا بنا رکھا ہے تمہیں پتا ہے انکل تمہاری وجہ سے کتنے پریشان ہیں، تم ایسی تو نہ تھیں، یہ کیا ہوتا جا رہا ہے یار اگر وہ تم سے پیار نہیں کرتے تو تم بھی دفعان کرو انہیں۔'' اس نے فکرمندی سے اس کے بکھرے حلیے کی طرف اشارہ کیا۔

''یار کیسے چھوڑ دوں میں ثوبان کے بغیر مر جاؤں گی۔ شاداب کیسے سمجھاؤں میں تم سب کو اور انہیں بھی۔'' اتنے دنوں سے ضبط کرنے کی وجہ سے آج وہ دل کا غبار نکال بیٹھی۔ شاداب کے گلے لگ کر وہ زار و قطار رونے لگ گئی کہ شاداب کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ دوست کی ایسی اجڑی حالت دیکھ کر اس کا دل کٹ رہا تھا۔

''اچھا اچھا وفا تم رونا تو بند کرو میں کچھ سوچتی ہوں کہ اس گھی کو کون سی انگلی ٹیڑھی کر کے نکالنا ہے۔'' اس کی بات سن کر وفا رونا بھول کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا مطلب؟'' اس نے حیرانگی سے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ محاورہ بول رہی ہوں وہ جو کہتے ہیں ناں کہ جب گھی سیدھی انگلی سے نہ نکلے تو انگلی ٹیڑھی کرنی پڑتی ہے تو میں سر ثوبان کا سوچ رہی ہوں کہ ایسا کیا کیا جائے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔'' اس نے دوسرے محاورے کا بھی غلط استعمال کیا تو وفا پھٹ گئی۔

''شاداب کی بچی کیا اول فول بکے جا رہی ہو۔'' اب کی بار وفا نے اسے مکا دے مارا تو اس نے زمین پر گرنے کی ایکٹنگ کی۔

''اچھا پہلے مجھے ساری بات بتاؤ کہ اس دن تمہاری سر سے کیا بات ہوئی تھی؟'' شاداب نے اس سے پوچھا تو وفا نے ساری بات بتا دی جسے سن کر اس نے کہا۔ ''اس سے یہ تو ظاہر ہو گیا کہ سر بھی تم سے پیار کرتے ہیں بس وہ اپنے حالات کی وجہ سے تمہیں اپنا نہیں رہے۔'' اس نے کچھ سوچتے کہا۔

''یار! میں نے انہیں بولا بھی تھا کہ وہ میرے پاپا کے آفس میں جاب کر لیں تو یہ بات بھی وہ نہیں مانتے۔'' اس نے مایوسی سے کہا۔

''وفا! تم ایسا کرو کہ کچھ دن کے لیے اپنے پاپا کے ساتھ پھپھو کے گھر انگلینڈ چلی جاؤ۔'' اس نے جیسے کچھ سوچتے کہا۔

''یار! میں یہاں سر کے لیے مری جا رہی ہوں اور تم مجھے گھومنے کا مشورہ دے رہی ہو۔'' اس نے تپتے ہوئے کہا۔

''ارے عقل کی دیوی میری بات تو سنو۔'' شاداب نے اسے ٹوکا اور اپنا سارا پلان بتا دیا۔

☆......☆

آج پورے 29 دن ہو گئے تھے۔ وفا نے کالج آنا چھوڑ رکھا تھا۔ شاداب نے سوچ رکھا تھا کہ آج وہ اپنے منصوبے کے مطابق سر سے بات ضرور کرے گی لیکن اس سے پہلے سر ثوبان نے اسے اسٹاف روم میں اپنے پاس بلا لیا۔

''مس شاداب! اتنے دن ہو گئے ہیں۔ وفا کالج کیوں نہیں آ رہی ہیں۔ آپ نے پتا کیا؟'' اس کے آتے ہی ثوبان نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

''جی سر! آج میں آپ کے پاس آنے ہی والی تھی

سر اس نے مجھے بولا کہ میں آپ سے بات کرلوں کہ اس کے پاپا اس کی شادی اس کی پھپھو کے بیٹے سے کروا رہے ہیں۔" اس کی بات سن کر ثوبان کے دل کو کچھ ہوا۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" انہوں نے اپنے لہجے کو حتی المقدور لاپرواہ بنانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔

"جی سر! وہ کہہ رہی تھی کہ وہ صرف آپ سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ وہ اپنے پاپا کے کہنے پر کزن سے شادی کے لیے مان تو گئی ہے لیکن وہ وہاں کبھی خوش نہیں رہ سکے گی۔ اب بھی آپ کے پاس وقت ہے آپ اس کی زندگی تباہ ہونے سے بچا سکتے ہیں۔ آپ ایک بار ہاں کہہ دیں وہ سب چھوڑ کے لوٹ آئے گی۔ اور جہاں تک بات اس کے اور آپ کے Life Style کی ہے تو سر میں آپ کو تسلی دیتی ہوں کہ وہ گاڑی بنگلوں میں رہتی ضرور ہے لیکن ان کے بغیر وقت پڑنے پر خود کو ایڈجسٹ ضرور کر سکتی ہے۔" اس نے کہتے ہوئے ثوبان کی طرف دیکھا۔

☆......☆

گھر آ کے بھی ان کے دماغ میں شاداب کی باتیں گھومتی رہی تھیں۔ دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ انہیں ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے ان کی بہت قیمتی شے ان سے چھن گئی ہے۔ نائلہ بھی بیٹے کی حالت دیکھ کر پریشان تھیں۔

"وہ مجھے بتائے بغیر کیسے چلی گئی اتنی دور۔" دل سے شکوہ نکلا۔ پہلے یہ احساس ہی جینے کے لیے کافی تھا کہ وہ اس شہر میں ہی رہتی ہے۔ اس کی خوشبو وہ اپنے اردگرد محسوس کرتے تھے۔ وہ سرِ شام ہی بائیک لے کر نکل گئے لیکن انہیں کہیں سکون نہیں مل رہا تھا۔

"کہیں میں نے کوئی غلطی تو نہیں کر دی۔ میں بھی تو اس سے بہت پیار کرتا ہوں، اس کے بغیر کیسے رہوں گا۔" دل نے شکوہ کیا۔

"تم جو بھی کر رہے ہو اس کی بہتری کے لیے کر رہے ہو۔ اس سے شادی کر کے تم اسے کیا دے سکو گے۔ کبھی خوش نہیں رہ سکے گی وہ تمہارے ساتھ۔" دماغ نے دل کو ڈپٹا۔ وہ دیر رات یہاں وہاں بائیک گھماتے رہے۔

☆......☆

کالج آتے تو ہر چہرے میں اس کو تلاش کرتے رہتے۔ پڑھانے میں دل نہ لگتا، کئی بار ساتھی ٹیچرز نے ان کے بکھرے حلیے کے بارے میں بھی پوچھا لیکن وہ طبیعت خرابی کا بہانہ بنا دیتے۔

بکھرے بال، بڑھی ہوئی شیو، سب سے بڑھ کر سرخ انگارہ ہوتی ہوئی آنکھیں ان کا رت جگا اور حال دل بتانے کے لیے کافی تھا۔ ہر روز شاداب سے اس کے بارے میں پوچھنے سے خود کو روک نہ پاتے۔

☆......☆

"یار وفا! تم مجھے ٹریٹ کیا دے رہی ہو؟" فون پر شاداب نے پوچھا۔

"کیوں کیا ہوا کس بات کی ٹریٹ؟" اس نے سوال کیا۔

"ارے یار! تمہارے لیے کیا پلان سوچا ہے میں نے، داد دو مجھے۔ سر کو تمہارے لیے بالکل مجنوں بنا دیا ہے میں نے۔ ٹریٹ تو بنتی ہے ناں۔" اس نے دانت نکالتے کہا پھر وفا کے پوچھنے پر ثوبان کی حالت اور بے تابی سب کچھ اس کو بتا دیا۔ وہ بھی خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔

☆......☆

یونہی دن بے کیف سے گزر رہے تھے۔ اب ثوبان بھی اپنے دل سے لڑتے لڑتے تھک گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے آج کالج میں شاداب سے وفا کا نمبر لیا اور گھر جاتے ہی سب سے پہلا کام جو کیا وہ اسے فون تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی دل اور بے قرار ہو گیا۔

''وفا! کیوں چھوڑ کر چلی گئی ہو مجھے، تم نے مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا، تمہیں پتا ہے کہ تمہارے بغیر میں کیسے جی رہا ہوں، کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسے پہلے تو کہتی تھیں کہ میرے بغیر جی نہیں سکتیں اور اب کسی اور سے شادی کرنے لگی ہو۔ یہ کیا پیار ہے تمہارا؟'' انہوں نے بے چینی سے ایک ہی سانس میں اتنے سارے سوال کیے کہ وفا کے دل میں ان کی بے چینی جان کر سکون اتر آیا۔

''میں کہاں چھوڑ کے آئی ہوں آپ کو، چھوڑنے کی باتیں تو آپ کرتے تھے اور مجھے بھی تو آپ نے خود اپنے سے دور کیا۔ میں یہاں کیسے جی رہی ہوں یہ آپ کو کیا معلوم؟'' اس نے بھی اپنی بے تابیاں بتائیں۔

''تو واپس آ جاؤ ناں وفا! میں تمہارے بغیر نہیں جی سکتا۔ پلیز واپس آجاؤ پلیز۔'' انہوں نے بے قراری سے کہا۔

''کیا واقعی آپ مجھے اپنی زندگی میں شامل کریں گے؟ میں واپس آجاؤں کیا؟'' اس کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔

''ہاں تم اب جلدی سے واپس آجاؤ۔'' ثوبان نے جذب کے عالم میں کہا۔

''او کے تو پھر میں کل تک آپ کے پاس ہوں گی لیکن اپنی بات سے مکر مت جائیے گا۔'' اس نے انہیں چھیڑا۔

''میں تو اب کبھی مر کر بھی نہیں مکرنے والا لیکن تم اپنے فادر کو کیسے agree کرو گی۔'' انہیں تشویش ہوئی۔

''آپ بے فکر ہو جائیں یہ سب مجھ پر چھوڑ دیں۔ میرے بابا مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں وہ میری خوشی میں خوش ہو جائیں گے اور کوئی ایشو نہیں ہوگا انہیں۔'' خوشی کے مارے اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔

''اچھا میری بات سنو وفا۔'' انہوں نے گھمبیر لہجے میں کہا۔

''جی بولیے!'' وفا نے تابعداری سے کہا۔

''وفا! میں پوری کوشش کروں گا تمہیں خوش رکھنے کی جو میرے بس میں ہوگا میں تمہارے لیے کروں گا۔ میں کالج کے ساتھ ساتھ کوئی دوسری جاب بھی ڈھونڈ لوں گا۔ اپنی طرف سے تمہیں کوئی کمی نہیں ہونے دوں گا۔'' انہوں نے نہایت اپنائیت سے کہا۔

''ثوبان! میں نے پہلے بھی آپ کو کتنی بار بولا ہے کہ مجھے مال و دولت کی ذرا بھی لالچ یا ہوس نہیں ہے، میں کم میں بھی خوش رہنے والی ہوں۔ بس مجھے آپ کا ساتھ چاہیے۔ آپ ایک بار مجھے آزما کے تو دیکھیں۔''

''میرے لفظوں سے نکل جائے اثر
کوئی خواہش جو تیرے بعد کروں''

اس نے بہت دل سے شعر پڑھا تو ثوبان مسکرا دیئے۔

''اچھا ثوبان! پھر کل ملتے ہیں، اللہ حافظ۔'' کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ کیونکہ ابھی اس نے اپنی پیاری سہیلی سے بات کر کے اس کا شکریہ بھی ادا کرنا تھا جس کی بدولت اسے اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ملنے والی تھی اگر اس نے وفا کو انگلینڈ والا آئیڈیا نہ دیا ہوتا تو شاید ہی ثوبان کو اپنی محبت کا ادراک ہوتا۔ شاداب کے بارے میں سوچتے ہوئے اسے اس پر بہت پیار آ رہا تھا۔ اس کا نمبر ڈائل کرتے ہوئے وہ مسکرا دی۔ اسے لگ رہا تھا کہ اس کی زندگی کا نیا سال تو اب شروع ہونے والا ہے ثوبان کے ہمراہ۔ مایوسی اور دکھ کا پچھلا سال گزر گیا ہمیشہ کے لیے۔

دھموں کے کالے بادل چھٹ گئے۔ آسمان بالکل صاف شفاف ہو گیا۔ یوں لگتا تھا گویا ہوا نے پھولوں کی خوشبو ہر طرف پھیلا دی ہو جس کی وجہ سے موسم میں عجیب سہانا پن آ گیا ہو۔ ایک دلفریب مہک ہے جو ہر اور پھیلی ہو جس نے ہر ایک پر مستی کی کیفیت طاری کر دی ہو۔

......☆......

مہرین کنول

افسانہ

دسمبر کا موسم

دسمبر کے اوائل میں کھڑکی سے باہر چھاجوں مینہ برس رہا تھا اور وہ اپنی سوچوں میں گم بے نیاز کھڑا شدید سردی کے باوجود ٹھنڈی ہوا کے تھپڑوں کو اپنے وجود پر برداشت کرر ہا تھا۔ بنا کسی گرم شال کے بھی خنکی کا احساس اسے کپکپانے پر مجبور نہیں کرر ہا تھا۔ اس کی ڈیشنگ پرسنالٹی سفید رنگت اور کالی گہری



آنکھوں کے ساتھ کتنے دلوں کے ارمان بنی ہوئی تھی مگر وہ آج اپنے کرچی کرچی دل کو سمیٹنے کی بھرپور کوشش کررہا تھا۔

''عمیر! اس دسمبر کے موسم میں آپ کو یہ پشمینہ اوڑھ لینا چاہیے اور بے وفاؤں کے دکھ میں کڑھنے کے بجائے اس موسم کو انجوائے کیجیے۔'' قریب ہی سرگوشی ابھری تھی اور وہ چونک کر پلٹا تھا مگر وہاں کمرے میں اس وقت خود اس کے وجود کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔

وہ کھڑکی کے پٹ بند کرکے اپنی الماری کی طرف آیا تھا اور اس کے پٹ کھول کر اس بے وقوف لڑکی کا دیا ہوا پشمینہ نکالا تھا جس نے بھی اس کے غم کے موسم کو خوشی میں بدلا تھا اور وہی اسے اس موسم کی لغزشیں دے گئی تھی۔

''عمیر بیٹا! آج اس موسم کے تیور کی وجہ سے اسلام آباد جانے والی فلائٹ بھی کینسل ہوگئی۔ بائی ٹرین بھی جانا مشکل ہے۔ انعم کی شادی کو تین دن رہ گئے ہیں۔ بارش تھمے تو بائی کار ہی چلنے کا پروگرام بنایا ہے اس لیے تیار رہنا۔'' ربیعہ بیگم نے کمرے میں آکر کہا۔

''جی امی۔'' مودب انداز میں عمیر نے کہا۔

''بیٹا! اب انعم کی شادی اٹینڈ کرنے کے بعد تمہاری شادی بھی کردوں گی۔ یوں تمہیں تڑپتے دیکھ کر میرے دل پر کیا گزرتی ہے کبھی سوچنا ضرور۔'' رابعہ بیگم آنکھوں میں نمی لاکر دوٹوک لہجے میں بولی تھیں اور اس سے پہلے عمیر کچھ کہتا، وہ وہاں سے چلی گئیں۔

''انعم پاگل لڑکی یہ کیا کرنے جارہی ہو۔'' وہ اس کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتا تھا مگر سوچ رہا تھا اسے یاد آرہا تھا۔ پچھلے سال کے اوائل دسمبر میں وہ ارمان ولا لندن سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد آیا تھا سب گھر والے اسے ریسیو کرنے آئے تھے۔ جن میں نوجوان کزن لڑکے اور لڑکیاں شامل تھے۔ ان میں ایک منفرد چہرہ بڑا شوخ و چنچل نظر آرہا تھا جو انعم کا تھا بچپن میں وہ کم و بیش ہی دیکھتی تھی کہ وہ اس کی خالہ زاد تھی۔ اسلام آباد میں رہتی تھی۔ رشتے داروں کے گھر جانے سے کتراتی تھی مگر وہ یہاں پورے مہینے رہنے آئی تھی۔ اس کی کیا وجہ تھی ذہن میں آیا تھا مگر اس کو اس کی پرواہ نہیں تھی کیونکہ وہ بجھا بجھا دل لیے سب سے باری باری مل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کرب کی لہریں اس کے غم کی غماز تھیں کہ وہ لندن میں اپنے قہقہے، خوشی اور خوب صورت خوابوں بھری نیندیں لٹا کے آیا ہے۔ سب ہی اس کے اس رویے پر دل مسوس کر رہ گئے تھے۔

☆......☆

''سردی کتنی بڑھ گئی ہے رابعہ آنٹی! میں آلو کے پکوڑے بنا کے لائی ہوں سب کے لیے۔ عمیر کہاں ہیں؟'' کچن سے نکلتی انعم ٹرے لیے رابعہ آنٹی سے پوچھ رہی تھی۔

''عمیر اپنے کمرے میں ہے۔'' رابعہ لاؤنج پر آگئیں، جہاں سب ہی گھر کے افراد موجود تھے۔ انعم عمیر کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔

''کم ان۔'' عمیر کی آواز آئی تھی۔

انعم کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ وہاں دانیال عمیر کا چچا زاد بھائی اور شہلا تایا زاد بہن پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔

''جی مس انعم! آپ بھی آیئے اور سن لیجیے کیوں میں اتنا اداس رہتا ہوں۔ کیوں اتنا کٹھور ہوں آپ سب کو بڑی میری فکر ہے۔''

''ارے عمیر! انعم بے چاری پر کیوں برس رہے ہو۔'' دانیال نے تاسف سے کہا۔

''بھئی! اب میں باری باری سب کے سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ تم بھی کافی دیر سے یہی سوال

پوچھ رہے تھے۔ تمہارے پیچھے شہلا بھی یہی سوال کر رہی تھی۔ اب یہ انعم بھی۔''

''آخر بات کیا ہے؟'' انعم بھونچکا بنی کہہ گئی۔

''بات یہ ہے کہ ایک لڑکی وفا لندن میں مجھ سے اور میں اس سے محبت کرتے تھے مگر اس نے وفا نہ کی جفا کر گئی میرے ساتھ دولت کی ہوس نے اسے اندھا کر ڈالا۔ دولت تو میرے پاس بھی تھی مگر مجھ سے بھی زیادہ دولت مند کی طرف لڑھکتے ایک سیکنڈ نہ لگایا اور اس سے شادی کر لی یہ بھی نہ سوچا محبت کوئی کھیل نہیں یہ موسم مجھے برا لگتا ہے۔ دسمبر کا موسم میرے لیے بدصورتی سے کم نہیں۔ ہم اس موسم میں بڑا لطف اٹھاتے تھے۔ میں تم لوگوں کے ساتھ انجوائے نہیں کر سکتا۔ خدارا میرے دل کو نہ دکھاؤ۔ یہ موسم تکلیف دے رہا ہے مجھے۔'' وہ خفگی سے بولا۔

''غصے سے دھاڑتا ہوا اینگری ینگ مین اس قدر بزدل ہوگا یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' دانیال نے عمیر کو خفت کا احساس دلاتے ہوئے کہا تھا۔

''دانیال! اگر تمہارے ساتھ کوئی دھوکا اور فریب کرتا تم اس طرح نہیں کہتے، میں کیوں خفت محسوس کروں۔'' عمیر نے کرب سے کہا۔

''اس طرح آپ اپنے زندگی کے موسموں سے کیسے بھاگ سکتے ہیں۔ دکھ کا موسم ہو یا خوشی کا موسم ہو یہ زندگی کے موسم ہیں اور محبت بھی ایک موسم ہے اور نفرت بھی ایک موسم ہے یہ دسمبر کا موسم جیسے آپ کی محبت کا موسم ہے جو آپ کی نفرت کا موسم بن گیا ہے۔ اسی طرح میرے لیے یہ نفرت کا موسم ہے۔ ایک دکھ کا موسم ہے جسے میں لطف سے کاٹ رہی ہوں۔'' انعم نے گہری سانس لی تھی۔ اس نے اپنے اندر درد سا اترتا محسوس کیا تھا۔

''انعم! کون نہیں جانتا تمہیں یہ موسم بہت بھاتا ہے۔ تم جتنی خوب صورت ہو اتنا ہی یہ موسم تمہارے لیے خوب صورت ہے، تم نہیں تو اور کون اس موسم کی دلفریبیوں سے واقف ہوگا اور تمہارا افیانسی تمہارا خالہ زاد وہ بھی سنا ہے تم سے شادی دسمبر کے اس موسم میں کرے گا۔ ایک حسین یادگار شادی اس موسم کا خوب صورت لمحہ بن جائے گا تمہارے لیے۔'' عمیر کی باتیں سن کر انعم ٹوٹ کر رونے کی خواہش کے باوجود جیسے پتھر بنی کھڑی تھی۔ آنکھوں میں نمی ضبط کے باوجود جھلکنے لگی تھی تو اس نے وہاں سے جانا بہتر سمجھا۔

''ارے یہ رونے کیوں لگی؟'' عمیر نے شہلا کی طرف دیکھ کر استفسار کیا۔

''آپ تو صرف اپنی دنیا تک محدود ہی ہیں ارد گرد بھی دیکھ لیا کریں کہ کس کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ انعم کا منگیتر حمزہ آپ کو پتا ہے کتنا لوز کریکٹر ہے۔ انعم اس کو بھائی سمجھتی تھی اس نے اپنی کزن شینا کا ہاتھ پکڑا تھا وہ تو شرما کر رہ گئی اور اس کے ساتھ گھومتی پھرتی تھی لیکن جب اس نے انعم کا ہاتھ پکڑا تو انعم نے ایک زور کا تھپڑ اس کے گال پر مارا تھا۔ حمزہ نے اسی بات کا بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی کرنے کی خاندان بھر میں خبر پھیلا دی۔ وہ دسمبر کی رات تھی جب وہ اپنے کمرے میں بیٹھی اپنی کی منگنی کی انگوٹھی کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ تب ہی اس نے کہا تھا۔

''یہ انگوٹھی تمہاری بربادی کی شروعات ہے اور تمہیں دسمبر کا موسم بڑا پسند ہے اسے میں تمہاری تڑپتی ہوئی روح کا موسم بناؤں گا۔ تمہیں خود سے اس موسم سے نفرت ہونے لگے گی۔'' شہلا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

ان باتوں کو سن کر عمیر دنگ رہ گیا تھا۔

☆......☆

دوپہر کے دو بجے تھے مگر سورج آسمان پر نظر نہیں آ رہا تھا۔ چھم چھم برستی سہانی گھٹائیں پورے آسمان پر چھائی ہوئی تھیں۔ نوجوان لڑکے لڑکیوں کی ٹولی

چھت پر پہنچی ہوئی تھی۔

"اتنی سردی بڑھ گئی ہے کتنی تیز بارش ہو رہی ہے اور سرد ہوائیں چل رہی ہیں۔ گرج چمک کے ساتھ بارش کا مزہ ہی اور ہے۔" انعم نے بھیگتے ہوئے اچھل اچھل کر ہنستے ہوئے خوشی کا اظہار کیا۔ شہلا سب کے لیے گرم گرم چائے اور سموسے لے آئی۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں خوب شور وغل اور ہلہ گلہ کر رہے تھے۔ عمیر بھی یہاں چھت پر آیا تھا۔

"ارے عمیر! کیا بات ہے دل خوش کر دیا۔ آؤ آؤ بھیگو اس برسات میں اور گرما گرم چائے سموسے سے لطف اٹھاؤ۔" دانیال نے عمیر سے کہا جو کرسیوں پر براجمان ہو گئے تھے۔

"دیکھو کتنا خوب صورت موسم ہے، ممی اور چچی نے ایک دو دفعہ آ کر بہت ڈانٹا کہ بخار ہو جائے گا۔ زکام ہو جائے گا۔ زیادہ نہیں نہاؤ مگر ہمیں اس موسم نے ڈھیٹ بنا دیا۔" دانیال، عمیر سے باتیں کر رہا تھا اور عمیر کا دھیان انعم کی طرف تھا۔ جب وہ لندن میں تھا انعم کے بارے میں رابعہ بیگم نے اسے کتنی مرتبہ کہا تھا کہ وہ انعم کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں۔ بڑی خوب صورت و سعادت مند بچی ہے۔ ایسی بہو خوش نصیب گھرانے کو ہی نصیب ہوگی۔ تب اس نے انعم کے متعلق نہیں سوچا۔ بچپن کی دوستی تھی تو کیسے اس نہج پر سوچتا۔ کیونکہ وہ وفا کے سحر میں گم تھا لیکن آج وہ جب کسی کے ساتھ منگنی کر چکی تھی وہ اس کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اسے دیکھ رہا تھا۔ دمکتی گوری رنگت، چھوٹی سی خوب صورت ناک بڑی بڑی کشادہ آنکھیں، گھنیری پلکوں کی باڑ حیا سے گرتی اور لرز رہی تھیں۔ بس وہی پل تھا۔ عمیر اس کی معصومیت بھری مسکراہٹ ہمیشہ کے لیے قائم اپنے اردگرد محسوس کرنا چاہ رہا تھا۔ انعم کو ایک ٹک دیکھتے دانیال نے عمیر کے سامنے چٹکی بجائی۔

"کیوں انعم ہے نا پیاری۔" دانیال نے اس کے دل کی بات کہہ دی۔

"ہاں۔" خیالوں میں کھویا ہوا عمیر بے اختیار کہہ گیا۔

"نہیں۔" عمیر سنجیدہ ہو گیا۔

"اب انعم سے بات کرنا تمہارا کام ہے۔ ایسی باوفا لڑکی کو ہاتھ سے جانے نہ دینا منگنی ہوئی ہے شادی نہیں، دیکھنا ہاتھ سے نکلنے نہ پائے۔" عمیر جھینپ گیا، دانیال نے قہقہہ لگایا تھا۔

☆......☆

انعم اس کے کمرے میں رات کو ٹرے میں چھلے ہوئے چلغوزے اور اخروٹ لے کر آئی تھی۔ باہر ابھی بھی بارش ہو رہی تھی، سردی بہت بڑھ گئی تھی۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر جھانک رہا تھا۔

"آہم......م......" اس نے ہنکارا ابھرا۔

وہ چونک کر دیکھنے لگا۔

انعم نے اسے بغیر سوئیٹر کے اتنی سرد ہواؤں کے کو برداشت کرتے ہوئے دیکھا تو اپنا پشمینہ اس کو اوڑھایا۔

"اس دسمبر کے موسم میں آپ کو یہ پشمینہ اوڑھ لینا چاہیے اور بے وفاؤں کے دکھ میں کڑھنے کے بجائے اس موسم کو انجوائے کیجیے۔" انعم نے ٹرے اس کے آگے بڑھاتے ہوئے کہا وہ مسکرا دیا۔

"بے وفاؤں کو بھلانے کے لیے وفا شعار کی ضرورت ہے انعم۔" وہ معنی خیزی سے بولا مگر انعم نا سمجھ سکی۔

"انعم بچپن میں تم مجھے چھلے ہوئے چلغوزے اور اخروٹ بھیجتی تھیں۔ یہ تمہاری مجھ سے وفا شعاری کا ثبوت ہے۔" انعم نے حیرت سے دیکھا۔

"میرے جیسے وفا شعار تو آپ کے اردگرد بھرے پڑے ہیں۔"

"مگر تم خاص ہو میرے لیے کب مجھے اس بات کا احساس ہوا پتہ نہیں چلا، بس اب میں خوش رہنے لگا

ہوں اور اس خوشی کو قائم رکھنا اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔" عمیر نے دھیمے لہجے میں مگر پیار سے کہا۔

"لیکن حمزہ میرا منگیتر ہے۔" بمشکل انعم نے کہا۔

"بھول جاؤ حمزہ کو اس سے تمہارا رشتہ ختم ہو گیا ہے، یہی سمجھو۔"

استحقاق ایسا تھا گویا اس کے جسم و جان کا مالک ہو، انعم کچھ لمحوں کے لیے واقعی کنفیوز ہو گئی تھی۔

وہ اس کے لیے شہزادے سے کم نہیں تھا جو اسے ایک شیطان جادوگر سے آزاد کر کے لے جانا چاہتا تھا، تبھی سر اٹھا کر سرسری سی نگاہ اس کے سپاٹ چہرے پر ڈالتے ہوئے بولی۔

"کل وہ مجھے لینے آ رہا ہے۔ میری تقدیر کا فیصلہ ہو چکا اگر میری اس سے شادی نہیں ہوئی، تو میرے ماں باپ کی بے عزتی ہو گی اور وہ مجھے کہیں کا نہیں چھوڑے گا۔ میرے پاپا نے انہیں زبان دی ہے اور پاپا اپنی زبان سے نہیں پھرنے والے۔" اور پھر دوسرے دن وہ وہاں سے چلی گئی یادوں کے لمحوں سے نکل کر اس نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ بارش تھم چکی تھی۔ سب اسے بلا رہے تھے وہ جلدی سے تیار ہو کر سفر طے کرتے کسی طرح اسلام آباد پہنچے۔ پھر انعم کے گھر پہنچے۔ شادی کے دن انعم اسٹیج پر دلہن بنی بیٹھی تھی۔ عمیر حسرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بارات آنے کا انتظار ہو رہا تھا، وقت بیتتا جا رہا تھا انعم کے پاپا فون پر بات کرتے ہوئے نڈھال ہو گئے۔ رابعہ، عمیر اور شہلا ان کی طرف لپکے تھے عمیر نے انعم کے پاپا کو سنبھالا دیا۔

"کیا ہوا، بھائی صاحب! بارات آ رہی ہے ناں؟" رابعہ بیگم نے استفسار کیا۔

"وہ نہیں آ رہا، وہ کبھی بارات لے کر نہیں آئے گا۔" انعم کے پاپا روتے ہوئے بولے فون رابعہ نے ان کے ہاتھوں سے لے کر کان میں لگایا۔

"ہیلو...... حمزہ۔"

"کون رابعہ آنٹی؟" حمزہ نے کہا۔

"حمزہ! تم بارات لے کر نہیں آ رہے؟"

"نہیں میں بارات لے کر اپنی دلہن شینا کو لا چکا ہوں۔ انعم سے کہیے گا وہ ساری زندگی بارات کا انتظار کرتی رہے۔" حمزہ نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ہوں...... تم نے بہت اچھا کیا۔ بارات لے کر نہیں آئے کیونکہ بارات ہم لے کر آئے ہیں انعم کی شادی اب میرے بیٹے سے ہو گی۔" رابعہ بیگم نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

حمزہ پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔

انعم کے پاپا نہایت ہی مشکور نگاہوں سے رابعہ کو دیکھ رہے تھے۔

عمیر کو دولہا بنا اسٹیج کی طرف آتا دیکھ کر انعم اور مہمانوں کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا۔

"تمہاری جوڑی حمزہ جیسے آدمی کے ساتھ نہیں لکھی تھی پاگل لڑکی۔" دونوں کے نکاح کے بعد شہلا نے انعم سے کہا تھا۔

"ہماری شادی اس موسم میں ہوئی ہے جو ہمارے لیے دھنک کے رنگین موسم جیسا ہے یہ دسمبر کا موسم، ہمارے ملن کا موسم یہ دسمبر کا موسم کبھی آئی تھی جو جدائی اسی موسم میں ایسی نہ آئے اب جدائی اس دسمبر کے موسم میں۔" عمیر نے بڑی چاہ سے کہا۔

"یہ سرخ شال بڑی چاہ سے نہ جانے کیوں میں نے لندن میں خریدی تھی، مجھے یہ پسند آ گئی تھی اس وقت وفا بھی ذہن میں نہ تھی۔ اب پتا چلا یہ اس موسم کی سوغات کے طور پر تمہیں سرد تھپیڑوں سے محفوظ رکھے گی۔" انعم نے شال تھام لی تھی اس کی زندگی کے موسموں میں خوشبوئیں و خوشی و مسرتیں جو بکھر گئی تھیں۔

......☆......

افسانہ

بے ثمر

''یہ جو گلاب کے پودے ہیں ناں بیگم صاحبہ بالکل سڑیل گھٹیا...... یہ دیکھیں یہ اس کی شاخیں دیکھیں کیسی سوکھی ہوئی دکھ رہی ہیں اور یہ دیکھیں ان کے پتے کیسے زرد پڑ رہے ہیں۔'' مالی گلاب کے ایک پتے کو انگلیوں سے مسل کر دیکھتے ہوئے بولا۔ پھر بیگم صاحب کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''بیگم صاحبہ! اس سیزن میں جو کہ گلابوں کا سیزن کہلاتا ہے، اس سیزن میں اس پودے میں یہ سڑیل مریل سا گلاب ہے۔ یہ تو اصلی گلاب کا پودا ہے ہی نہیں۔ بالکل سڑیل گھٹیا مال۔'' وہ گلاب کا ایک سوکھا پتا توڑ کر چبانے لگا۔

''بالکل جنگلی سڑیل! بیگم صاحبہ کسی نے تمہیں بری طرح ٹھگا ہے۔'' مالی گلاب کے پتے کو ایک طرف تھوکتے ہوئے حقارت سے گلاب کے پودے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''بیگم صاحبہ! تم ایسا کرو، مجھے پیسے دو میں تمہیں اصلی اور بڑھیا گلاب کے پودے لا کر دوں گا۔ پھر تم دیکھنا بیگم صاحبہ ان پودوں میں اس سیزن میں کیسے کیسے بڑے بڑے گلاب ہوتے ہیں۔ اتنا بڑا تو اس کا ایک گلاب کا سائز ہوتا ہے۔'' وہ ہاتھوں کے پیالوں سے گلاب کا سائز بنا کر بولا۔

''ایک گلاب کا پودا بیگم صاحبہ! اس گلاب کے سیزن میں چالیس پچاس گلابوں سے لد جاتا ہے۔ بیگم صاحبہ تم ایسا کرو تم مجھے پانچ سو روپے دو پھر تم دیکھنا کہ اصل گلاب کا پودا اور گلاب ہوتا کیسا ہے۔''

''اچھا، اچھا ٹھیک ہے پہلے تم ذرا اِدھر آؤ اور ذرا اس ناریل کے پودے کو تو دیکھو۔'' بیگم صاحبہ بڑی رکھائی اور بے زاری سے گویا ہوئیں اسے ناریل کے درخت کی طرف لے گئیں اور وہ کسی فرمانبردار بچے کی طرح بنا کسی چوں چراں کیے ان کے پیچھے پیچھے ہولیا۔

مسز شہاب نہ جانے کب سے اپنے گھر کی بالکونی میں کھڑی سامنے والے گھر کا نظارہ کر رہی تھیں، گو کہ اس ملک کا ایک پڑھا لکھا مہذب شہری ہونے کے ناطے ان کی یہ حرکت غیر شائستہ اور غیر مہذبانہ گردانی جاسکتی تھی لیکن سامنے والی سچویشن اتنی دلچسپ تھی کہ وہ خود کو ایسا کرنے پر مجبور پا رہی تھیں۔

''بیگم صاحبہ! یہ ناریل...... یہ تو کبھی پھل نہیں دینے کا، بیگم صاحبہ تم اسے یہاں سے اب نکلوا ہی دو تو اچھا ہے۔'' مالی منہ بنا کر اپنی رائے سے نواز رہا تھا۔

''دیکھو بیگم صاحبہ! بارہ سال پہلے میں یہاں آیا تھا، تب بھی یہ ناریل کا درخت اسی طرح بے ثمر کھڑا تھا اور آج بارہ سال بعد بھی یہ یونہی بے ثمر کھڑا ہے۔''

''تم میری بات مانو تو اس درخت کو یہاں سے نکلوا دو، یہ پھل پھول نہیں دینے کا۔'' وہ کسی ماہر اسپیشلسٹ کی طرح پودوں کا بغور جائزہ لیتا اور اپنی قیمتی آراء سے آگاہ کرتا جاتا۔

''بیگم صاحبہ! تم ایسا کرو مجھے پانچ سو روپے لا دو۔ میں تمہیں بڑھیا قسم کے ناریل کے پودے لا کر



دوں گا۔ تم دیکھنا سال بھر میں وہ ناریل سے لد جائے گا۔'' وہ پورے وثوق اور یقین کے ساتھ کہتے ہوئے بیگم صاحبہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

''یہ..... یہ ناریل بالکل سڑیل، اجاڑ نسل یہ کبھی پھل نہیں دینے والا بیگم صاحبہ بالکل گھٹیا سڑیل مال۔'' وہ ناریل کے پودے کا ایک بڑا سا پتا رول کر کے منہ میں ڈال کر چبانے لگا۔

''اف..... میرے خدا! یہ انسان ہے یا کسی جانور یا بکری کا بچہ جو کبھی گلاب کے پتے چبا ڈالتا ہے تو کبھی ناریل کے پتے کھا جاتا ہے۔''

مسز شہاب مالی کی اس حرکت پر حیرت زدہ سی اسے دیکھتی رہ گئیں لیکن اس میں اس کا کیا قصور تھا۔ وہ بے چارا غربت کا مارا اپنے اس فعل کے ذریعے دراصل گھنٹے بھر سے مالکن پر یہ ثابت کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ وہ پودوں کے بارے میں پوری سوجھ بوجھ رکھنے والا ایک ایکسپرٹ مالی ہے اور وہ ان کے پھول پتے چکھ کر یا دیکھ کر یہ بتا سکتا ہے کہ وہ کس نسل کا ہے۔ گھٹیا یا بڑھیا! دراصل وہ بھوک و افلاس کا مارا مالی بیگم صاحبہ سے پودوں کے نام پر ان سے کچھ پیسے اپنا کمیشن یا سو دو سو منافع کمانا چاہتا تھا جو کہ وہ خاتون کسی طور دینے کو تیار نہ تھیں اور مسلسل ٹال مٹول سے کام لے رہی تھیں۔

''اچھا، اچھا! ٹھیک ہے دیکھیں گے۔ سوچیں گے بابا۔'' صرف ایک غریب کو سو دو سو روپے زیادہ ہاتھ آ جانے کے ڈر سے وہ عیار و مکار عورت یہ چال چل رہی تھی۔ حالانکہ اس خاتون کو ابھی کوئی بڑا ادارہ غریبوں کی مدد کے لیے چندہ یا ڈونیشن وغیرہ کے لیے بلائے تو یہی عیار عورت وہاں پبلسٹی کے لالچ میں دوڑی دوڑی چلی جائے گی اور ہزاروں لاکھوں روپے غریبوں کے نام پر ڈونیشن دے کر آ جائے گی لیکن ایک غریب غربت کا مارا آدمی اگر پودوں کے بہانے کچھ پیسے مانگ رہا ہے تو یہ عیاری و مکاری سے کام لے رہی ہے۔

''اف بے چارا مالی۔''

''اچھا، اچھا۔ اسے ابھی چھوڑو تم ذرا اِدھر آؤ مالی۔'' وہ مالی کو مسلسل ناریل کے پودوں کے لیے پیسوں کا اصرار کرتا دیکھ کر جلدی سے بات بدلتے ہوئے بولی اور بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے اپنی معلومات میں پودوں اور پھلوں سے متعلق اضافہ بھی کیے گئی۔

''یہ دیکھو مالی! یہ موتیا، چنبیلی اور یہ گھاس دیکھو کیسے سوکھی چلی جا رہی ہے۔ پتا نہیں کیا بات ہے پہلے تو اچھا بھلا پھول دیتے تھے، گھاس بھی ہری بھری تھی۔ اب پتا نہیں کیوں سب سوکھتے چلے جا رہے ہیں۔ اس گھاس کو دیکھو کیسی سوکھی پیلی ہوتی جا رہی ہے۔'' مالکن پاؤں کے اشارے سے گھاس کو رگڑ رگڑ کر دکھانے لگی تو جیسے مفلس مالی کی آنکھوں میں امید و خوشی کی ایک کرن پھر جھلملائی۔

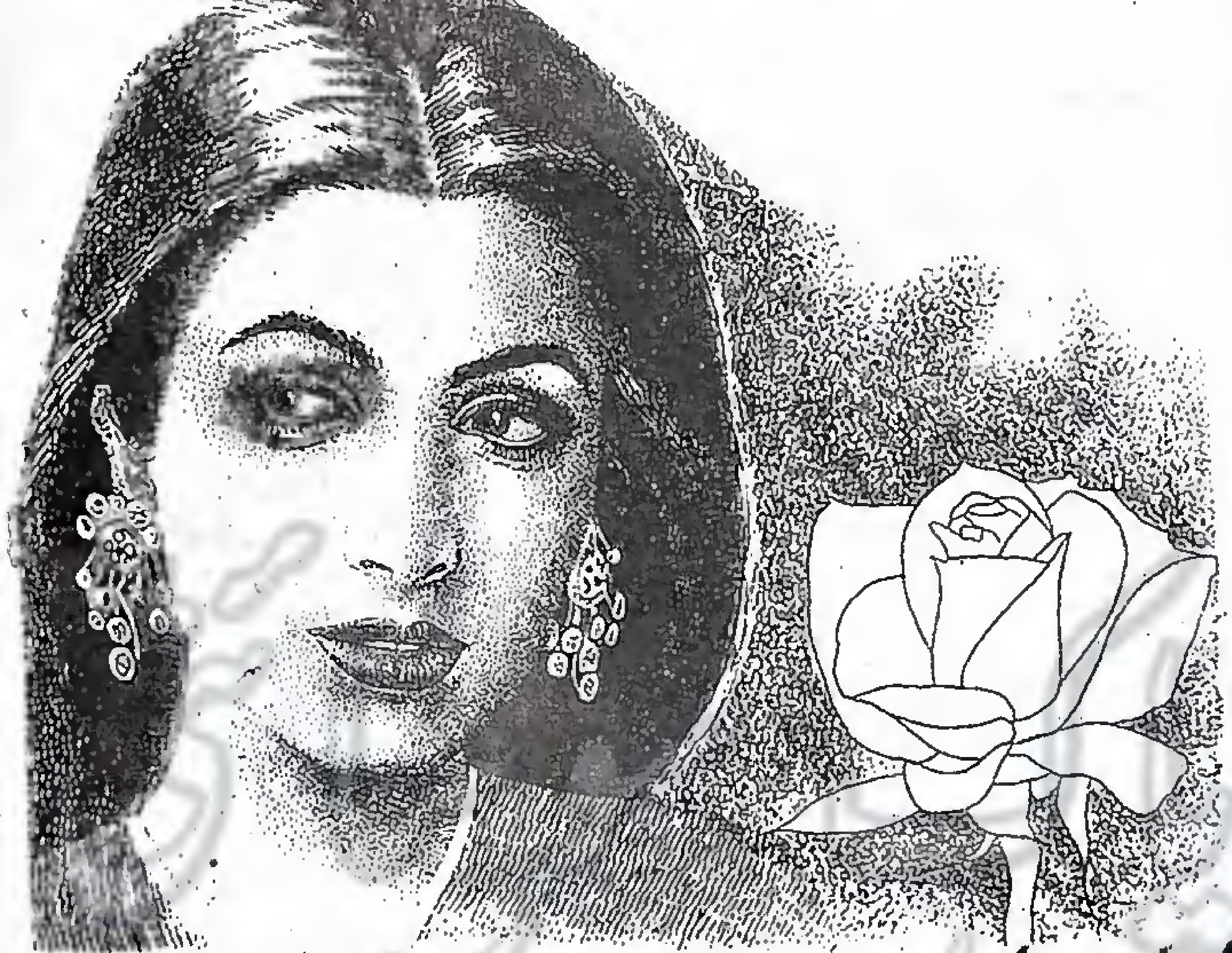
''ارے بیگم صاحبہ! کیسی بات کرتے ہو، ارے اس کو غذا ملے گا تو یہ ہرا ہو گا ناں، جب تم پودوں، درختوں گھاس کو غذا نہیں دو گے تو وہ کیسے پھلے پھولے گا۔'' مالی گہری سوچ میں پڑتے ہوئے بولا۔

''ارے بیگم صاحبہ! اس میں کھاد ڈالو تب کہیں جا کے یہ ہرا ابھرا ہو گا۔ پھول پتے پھینکے گا، اس کو بھی غذا کی ضرورت ہے کہ نہیں ہماری تمہاری طرح اسے بھی پانی غذا کی ضرورت ہے۔ بیگم صاحبہ تم ایسا کرو مجھے پانچ سو روپے دو میں.....''

وہ اپنی دانست میں بیگم صاحبہ پر بہت بڑا انکشاف کرتے ہوئے مطلب کی بات پر آ گیا کہ تب ہی بیگم صاحبہ بیچ سے اس کی بات کاٹتے ہوئے غصیلے لہجے میں گویا ہوئیں۔

''ارے بابا! کیسی باتیں کر رہے ہو مالی، ابھی پرسوں تو میں نے گاڑی بھر کر کھاد ڈلوایا ہے۔ یہ نظر نہیں آ رہا تمہیں۔'' وہ گھاس اور کیاری میں پڑی کھاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مالی کے ارمانوں

پراوس ڈال گئی۔
وہ مایوسانہ سے انداز میں گھاس میں پڑی کھاد کی طرف دیکھنے لگا کہ تب ہی اس کی آنکھوں میں لمحہ بھر کو امید کی ایک کرن جھلملائی۔
''یہ......یہ کھاد......مٹی بالکل بے کار سڑیل......یہ تو بیگم صاحب گوبر کی کھاد ہے۔'' اس نے بیگم صاحبہ پر انکشاف کر کے جیسے اپنی دانست میں بہت بڑا تیر مارا۔
''بیگم صاحبہ! تم ہمیشہ میری ایک بات یاد رکھو۔ تم کھاد جب ڈلواؤ تو خالص گٹر کا کھاد ڈلواؤ، پھر دیکھنا کیسے لد کر پھل پھول آتے ہیں۔ اب تم یہ ناقص گوبر کا کھاد ڈلواؤ گی تو پھول پتے تو مرجھا ئیں گے نہیں تو اور کیا ہوگا۔''
سیاہ فام مالی لہجے میں ڈھیروں اپنائیت بھرتے ہوئے گویا ہوا اور ریسرچ کے طور پر مٹھی بھر کھاد ہاتھ میں بھر کر اسے ابھی بڑا سا منہ کھول کر پھانکنے ہی والا تھا کہ اچانک حیرت اور دکھ کے میری چیخ نکل گئی۔
''مالی! ذرا ایک منٹ کو برابر والے گیٹ پر آنا۔'' وہ میری زوردار آواز اور چیخ پر جلدی سے کھاد سے بھری مٹھی وہیں کیاری میں جھاڑتا تیزی سے گیٹ پر آ گیا۔
''مالی! ذرا یہ پھولوں کی کیاری دیکھ کر بتانا کہ اس میں کون سی اور کتنی کھاد ڈلوائی ہوگی۔''
دالان میں بنی ایک پھولوں کی پتلی سی کیاری کی طرف میں نے اشارہ کرتے ہوئے مالی سے پوچھا اور اس کا جواب سننے سے پہلے اس کے بوڑھے ہاتھ میں پانچ سو کا ایک کڑک نوٹ تھما دیا۔
''کل تم ایسا کرنا ایک بوری کھاد لا کر ڈال جانا۔''
وہ حیرت سے نوٹ کی طرف دیکھتا خوش خوش مست مست سا وہاں سے چل دیا اور مجھے یوں لگا جیسے میں نے اسے اس گندگی کا ڈھیر پھانکنے سے بچا کر اسے ہی نہیں اس کی سات نسلوں کو ہزاروں بیماریوں سے بچا لیا ہو۔ ☆



عائشہ ذوالفقار

سلسلہ وار ناولٹ

اُڑ جا رے تیری باری ہے

ہم سے نہیں ملیں گے جھونکے ہوا کے ہیں
تم سے تراش لیں گے پتھر نظر میں ہیں

کیا چاہتے ہیں ہم لائف سے؟ زیادہ کچھ نہیں بس 21 تک کے منے منے دکھ سکھ بانٹنے کے لیے ایک اچھا سا دوست۔

28 تک کے سونے جیسے پل دونوں ہاتھوں سے لٹانے کے لیے 5 فگرز (ہندسوں) والی سیلری۔

50 تک کی سیڑھیاں چڑھنے کے لیے ایک باوفا ساتھی اور مرنے تک سکون سے جینے کے لیے پیار کرنے والے بچے۔

اور یہ سب ہم لائف سے قرض نہیں مانگتے۔ یہ ہمارا حق ہوتا ہے اس پر مگر لائف یہ ہی نہیں دے پاتی۔



اور میں نے تو شاید کچھ زیادہ ہی مانگ لیا تھا اس سے تبھی وہ مجھ سے بری طرح ناراض ہوگئی تھی۔

☆......☆

''اویار حارث! دیکھیں یہ تو پھر ہینگ ہوگیا۔'' سلمان نے اپنے سے آگے سیڑھیاں اترتے حارث کو کہا تھا۔

''واٹ...... اس سے تو بہتر تھا کہ تو Nokia 1100 لے لیتا، وہ کم از کم تجھے چلانا تو آتا۔'' حارث نے اس کے ہاتھوں سے Dany Tab چھینا تھا۔

''اویس میں تو آپ بہت تنگ ہوں اس سے، جیب وچ وی نئیں آندا۔'' سلمان واقعی تنگ تھا۔ حارث نے گراؤنڈ تک آتے آتے اسے ٹھیک کر دیا۔

''تو بس اس سے کال کیا کرو اور سنا کر، اتنا ہی بہت ہے میرے بیٹے۔'' ٹیبلٹ سلمان کے ہاتھ میں دیتا وہ گراؤنڈ میں اترا۔ لاکھ اس نے عمیر کے گروپ کے پاس سے چپ چاپ گزرنے کی کوشش کی مگر عمیر کو بھی 3000 لڑکوں میں بس وہی پسند تھا۔ سو با آواز بلند اسے چھیڑ لیا۔

''یہ محفل جو آج سجی ہے اس محفل میں ہے کوئی ہم سے''

وہ یکدم رکا۔

قسط نمبر 1

''ہارنا ہی ہے نا تمہیں۔ یہ اتنے سارے بیٹھے ہیں کسی سے بھی ہار جاؤ، میرا وقت ہی برباد کیوں کرنا ہے۔''
عمیر قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔
''کیونکہ جانی، تو ہی تو میری انسپریشن ہے۔'' حارث نے کندھے سے بیگ اتار کے سلمان کے بازو پر لٹکایا۔
''پکڑا سے۔'' عمیر نے مسکراتے ہوئے اپنے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ حارث بیٹھ گیا۔
دونوں نے مضبوطی سے ایک دوسرے کے ہاتھ کو تھام لیا۔
''چل حمزہ! شروع کر۔'' ان دونوں کے گرد کافی جمگھٹا لگ گیا تھا۔ دونوں ہی برابر تھے۔ اکڑ میں، ضد میں اور دشمنی میں۔ حمزہ کو بیٹھے بیٹھے جمائیاں آنے لگیں۔ سلمان نے پھر سے Tab سے کوئی پنگا لے لیا تھا۔ آخر پچیس منٹ بعد حارث نے اس کا بازو گرا دیا۔
''مل گئی انسپریشن۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔
''بالکل ایک چوکیدار کے بیٹے میں اور کچھ ہو نہ ہو، ہمت و حوصلہ ضرور ہوتا ہے۔ ہے ناں۔'' حارث کی آنکھیں سرخ ہوئیں تھیں۔
''اگر ہار کو للکارنے کی ہمت رکھتے ہو تو برداشت کرنا بھی سیکھو۔'' وہ بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے چل دیا۔
سلمان ایک دم اس کے پیچھے بھاگا۔
''دیکھیں حارث! انہوں فر کچھ ہو گیا۔'' حارث، عمیر، سلمان اور حمزہ، چاروں گورنمنٹ کالج میں بی ایس سی کے اسٹوڈنٹس تھے۔ حارث اور عمیر کی یہ دشمنی بہت پرانی تھی مگر اس کی وجہ شاید وہ دونوں خود بھی نہیں جانتے تھے۔
''بائیو لیب فسٹ ایئر سے اٹی پڑی تھی۔ شیلفوں پر بھی لڑکیاں ٹھنسی ہوئی تھیں۔ آج F.Sc فسٹ ایئر کی پہلی بائیو کلاس تھی۔
''ماری! میں نے سنا ہے بڑی سخت ہیں میم رخسانہ، تھپڑ مار دیتی ہیں۔'' نمرہ پگھلی جا رہی تھی۔
''دفع اتنا ہی ڈر لگ رہا ہے تو یہ ردا موٹی کے پیچھے چھپ جا۔'' مجھے غصہ آ گیا۔ میم رخسانہ کی انٹری ہی بڑی ہولناک تھی۔ سیکنڈ ایئر کی کسی لڑکی کو گردن سے پکڑے باقاعدہ گھسیٹتے ہوئے اندر لے کر آئیں۔ ہر طرف ہن ڈراپ سائلنس۔
''خبردار! جو آئندہ کلاس بنک کی تو نکمیاں ٹیوشنز پڑھ کر سمجھتی ہیں کہ بس اب کالج میں پڑھنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔'' وہ لڑکی ان کے جھٹکے سے ہی دروازہ پار کر گئی۔
''تم لوگوں میں سے کون کون اکیڈیموں میں پڑھتا ہے کھڑا ہو جائے۔''
ایک نہ دو، پوری کلاس کھڑی ہو گئی۔ میم رخسانہ کا مرکری 100 تک پہنچا اور تھرما میٹر چھن سے ٹوٹ گیا۔
''یہاں کالج میں پڑھائی نہیں ہوتی کیا جو ماں باپ کا پیسہ اجاڑتی ہو، یہاں آ کر پڑھا کرو۔ اور نہ جانے کیا کچھ۔
''جب تو نے نہیں پڑھانا تو اکیڈیموں میں ہی پڑھنا ہے ناں۔'' ردا میرے کان میں گھسی تھی تیس منٹ بعد آزادی ملی۔
''سیٹ ڈاؤن۔'' سب ایک دم بیٹھیں تو یکدم شور ہوا، دوسرا تھرما میٹر بھی ٹوٹ گیا اور ایک بار پھر کمعیوں ذلیلوں کی گردان شروع ہو گئی ایسے میں ''اوں اوں'' کی باریک سی آواز سناٹے میں ابھری۔

''کون جاہل ہے یہ؟'' اب کے آواز میرے قریب سے ابھری۔

''اسٹینڈ اپ......ایڈیٹ۔'' تیسرا تھرما میٹر ٹوٹنے کے قریب تھا، میں نے سیٹ کر دیا۔ نمرہ، ردا کی بغل میں چھپی سسکیاں بھر رہی تھی۔ پوری کلاس کے چھت پھاڑ قہقہے گونجے تھے اور تیسرا بھی ٹوٹ گیا تھا۔

☆......☆

''باہر سے لائٹ بند نہ کرنا۔'' کہتے ہوئے میں اسٹور میں داخل ہوئی تھی اور اگلے ہی لمحے میرے پیچھے یکدم دروازہ بند، لائٹ بند۔ فلک شگاف چیخ مارتے ہوئے میں واپس مڑی تھی۔

''عارش! ذلیل کمینے دروازہ کھول۔'' کہتے ہوئے میں نے زور سے دروازہ دھڑ دھڑایا تھا۔ عارش ایکدم دروازہ کھولتے ہوئے چھت پر بھاگا۔

''ہمت ہے تو وہیں رک جا۔'' کہتے ہوئے میں نے عارش کی طرف جوتا اچھالا۔

''جوتا نہ ماریں، جوتا نہ......'' مگر میرا دوسرا جوتا عارش کی کمر سینک گیا۔

''دروازہ کیوں بند کیا؟'' عارش پلٹا اور مجھ پر جھپٹ پڑا۔

''اوئے دفع ہونوں، چھت پر نہ لڑو۔'' اماں نے نیچے سے آواز لگائی تھی۔

''حاری! دیکھ وہ کیا۔'' عارش کے ہاتھوں سے اپنے بال چھڑواتے ہوئے میں نے اس کی انگلی کی سمت میں دیکھا۔ دو چھت چھوڑ کر وہ میرے گھر کی چھت پر کھڑا تھا۔

''ہائے اس کے بالوں کو کیا ہوا؟'' میں یکدم ہنسی۔

''کل شب رات تھی ناں ایک پٹاخہ اس نے اپنے بالوں میں چلا لیا ہوگا۔'' عارش ہنسا تھا۔ میں اس کے کندھے پر ہاتھ مار کے ہنس پڑی بس۔

اتنی ہی دیر چلتی تھیں میری اور عارش کی لڑائیاں۔ پل میں ٹشوں فیشوں اور پل میں ہی ہی ہاہا۔ مجھ سے چار سال چھوٹا تھا وہ مگر یاری چار ہزار فٹ اونچے پہاڑ سے زیادہ بلند اور چار ہزار فٹ گہرے سمندر سے زیادہ گہری تھی۔

میرا مسئلہ......اس کا مسئلہ۔

میری خوشی......اس کی خوشی۔

میرے آنسو......سمجھو اس کی آنکھوں سے نکل رہے ہیں۔

اس کی غلطی......سمجھو ڈانٹ مجھے پڑی ہے۔

ہر الٹے سیدھے کام میں ہم دونوں ساتھ ہوتے تھے۔ چاہے وہ کوئی غلط بات پر بحث کرنے کا ہو یا غلط فرمائشوں پر ضد کرنے کا۔ رات کو ایک ہی رضائی میں گھس کے ڈراؤنی موویز دیکھنے کا ہو یا چھپ چھپ کر ہینڈ فری لگا کر گانے سننے کا، بس ایک فرق تھا ہم دونوں میں، میں ذہین تھی اور عارش بہت ذہین تھا۔

☆......☆

وہ جیسے پہلے ہی کاریڈور سے باہر نکلا، سامنے سے تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے عمیر سے ٹکرا گیا۔

''دیکھ کر چلا کرو مسٹر چشمش......اب ہٹو۔'' عمیر کو جلدی تھی۔

''میں کیوں ہٹوں سائیڈ سے گزر جاؤ، پہلوان تو ہو نہیں تم۔'' حارث کے لہجے کی تمام تلخی صرف عمیر کے لیے تھی۔

''ناؤ یو وانٹ ٹو فائیٹ ودمی (اب تمہیں لڑائی کرنی ہے؟)'' حارث نے کندھے اچکائے۔
''سنو! اکڑ کی بھی ایک حد ہوتی ہے، ایسا نہ ہو کہ تمہاری اکڑ تمہیں تمہاری اوقات سے ہی باہر نکال دے۔'' عمیر کو غصہ آیا۔
''آج تم یہ بھی بتا ہی دو کہ میری اوقات کیا ہے؟'' حارث آگے کو آیا تھا۔
''اوقات تو خیر تمہاری میرے جوتے سیدھے کرنے کی بھی نہیں ہے نہ کہ لڑائی کرو۔'' عمیر کی مسکراہٹ حارث کو سلگا گئی۔
''مگر دیکھ لو، تمہارا گریبان پکڑا تھا۔'' عمیر نے پوری قوت سے اسے تھپڑ مارا اور بس...... دونوں وہیں سیڑھیوں پر ہی گتھم گتھا ہو گئے۔ ہوش تب آیا جب گارڈ اٹھا کر پرنسپل آفس میں چھوڑ آیا، ٹوٹے ہوئے بٹن، بکھرے بال اور خون رستے ہونٹ...... چشتی صاحب دونوں کو دیکھ کر رہ گئے۔
''داد دو میری ہمت کو جو چار سال سے تم دونوں کو ایک ہی کالج میں رکھا ہوا ہے اور جب تم دونوں صحیح سلامت یہاں سے فارغ ہو جاؤ گے تو میں اپنا نام گنیز بک آف ریکارڈ میں بھیجوں گا۔'' دونوں چپ تھے۔
''ایسا کرتے ہیں تم دونوں میں ریسلنگ کا ایک مقابلہ رکھواتے ہیں۔ ایک مر جائے گا ایک بچ جائے گا۔ فائدہ ہی فائدہ سکون ہی سکون۔''
بیس منٹ تک ہوتی رہی۔
''شڈ وی گو ناؤ۔ (کیا اب ہم جائیں)۔'' حارث نے بیزاری سے پوچھا۔
''مجھ سے زیادہ اہم وقت نہیں ہے تمہارا سمجھے۔ شوکت صاحب کو بلایا ہے میں نے۔''
''اوہ نو......'' عمیر بے بس سا ہو گیا یعنی ابھی مزید ہونا تھی۔

☆......☆

دی اسٹار سائنس اکیڈمی ہمارے شہر کی واحد بیسٹ سائنس اکیڈمی عالیہ نے یہ اکیڈمی اس لیے جوائن کی کیونکہ اس کے چچا یہاں تھرڈ شیئر ہولڈر تھے۔ نمرہ نے اس لیے جوائن کی کہ اسے اس کے بھائی اور بہن نے کہا تھا میں نے اکیڈمی کا نام سن کر اور ردا موٹی نے میری وجہ سے۔
''ہماری باقی سب تو ٹھیک ہے یہاں مگر فزکس کی بینڈ بج جاتی ہے۔ سر شوکت کا جیٹ سر کے اوپر سے گزر جاتا ہے، بھائی بتا رہے تھے۔'' نمرہ صرف ایک کام ٹھیک سے کرتی تھی۔ ڈرنا اور ڈرانا (سیکرٹ۔ میں نے اور ردا موٹی نے اس کا نام ڈراؤنی رکھ دیا تھا)۔
''ہاں ٹھیک کہہ رہی ہے یہ F.sc کے بچوں کو ایم فل لیول کا پڑھاتے ہیں۔ خاک سمجھ نہیں آتا۔'' عالیہ بولی تھی۔ میری بس ہو گئی۔
''بات سن میری۔ مجھے تو یہ سب پتا نہیں تھا اس لیے یہاں آ گئی۔ تم دونوں کو تو سب پتا تھا ناں پھر کیوں آئیں یہاں۔'' عالیہ نے آہ بھری۔
''اب اپنے چچا کی اکیڈمی میں، میں ہی نہیں پڑھوں گی تو کون پڑھے گا۔'' غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔
''بہت سست ہیں سر شوکت، سلیبس بھی بمشکل ختم ہوتا ہے۔''
''کلاس میں بہت دیر سے آتے ہیں۔''
''چھٹیاں بہت کرتے ہیں۔'' یہ...... وہ...... فلاں...... فلاں......

اوران کی پہلی کلاس میں ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ سب غلط نہیں تھا۔ سولہ آنے درست تھا۔ ان کے الفاظ اتنا اونچا اڑ رہے تھے کہ میں تو ایک بھی نہ پکڑ سکی۔ تیس منٹ میں صرف فزکس کی تعریف ہی سمجھا پائے وہ۔

حاری میری بات مان۔ کہیں اور چلے جاتے ہیں۔ یہاں رہے تو پاس بھی نہیں ہوں گے۔'' ردا موٹی بھی پریشان ہو گئی مگر میری شروع سے ہی ایک بری عادت تھی۔ جو کام نہیں ہو سکتا وہی کرنا ہے۔ دو تین ہفتوں میں ہی سر شوکت کو سمجھ گئی میں، ان کے مطابق۔

''آسان چیز کو مشکل کر کے پڑھو۔ مشکل کو مزید مشکل کر کے پڑھو تو پھر جو سب سے زیادہ مشکل ہو گا وہ مشکل نہیں لگے گا۔'' سر شوکت مشکل پسند تھے۔ اب انہوں نے تو میرے جیسا بننا نہیں تھا سو میں ان جیسی بن گئی۔ وہ بورڈ پر ٹائپ لکھ کر نہیں پڑھاتے تھے بلکہ سب کچھ پڑھا کر ٹاپک لکھتے تھے۔ پہلے دن کلاس میں کل 38 لڑکیاں تھیں۔ ہفتے بعد 17 رہ گئیں۔ پہلا ٹیسٹ ہوا تو وہ میں نے دہیں پھاڑ دیا۔ 15 میں سے 07 نمبر۔''

''میں بھائی سے کیا کہوں گی؟'' نمرہ سسکیاں بھر رہی تھی۔ ردا موٹی پرسکون تھی کیونکہ اس کے مجھ سے صرف دو کم تھے۔ سب سے زیادہ 09 تھے بس۔''

''مجھے لگتا ہے یہ ٹیسٹ سر نے نہیں افلاطون نے بتایا تھا۔'' عالیہ بولی۔

''وہ کون ہے؟ کہاں پڑھاتا ہے۔'' نمرہ بولی تھی۔

''اب حاری، نمرہ کے کتنے ہیں۔'' نمرہ کی بڑی بہن ناعمہ ہم سے ایک کلاس آگے تھی۔ بقول نمرہ کے ''میری سوکن ہے یہ۔'' نمرہ جھٹ ردا موٹی کی بغل میں جا چھپی۔

''اوکوئی نہیں، میرا تو انڈہ آیا تھا پہلے ٹیسٹ میں اب 15,16 آجاتے ہیں۔'' ناعمہ نے دلاسہ دیا تھا۔

☆......☆

''بھائی! امی بلا رہی ہیں۔'' عالیہ اسے آواز دے کر اپنے کمرے میں گھس گئی۔ بیزار سا منہ بنائے وہ نیچے آیا تھا۔

''پوچھو اس سے صرف اس کی شکایتیں سننے کے لیے تو نہیں جاتا میں کالج۔'' شوکت راؤ اسے دیکھتے ہی پھٹ پڑے۔ ثمینہ راؤ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

''اتنا ہی اسے سید ہونے کا زعم ہے تو بات ہی نہ کیا کرے اس سے، کیوں لیتا ہے اس سے پنگا؟'' عمیر ہولے سے بولا۔

''ہمیشہ میں ہی نہیں لیتا۔'' شوکت راؤ زور سے بولے۔

''تم ہی لیتے ہو، میں جانتا ہوں حارث کو، وہ تمہارے اکسانے پر بھڑکتا ہے۔'' عمیر چپ رہا۔

''دیکھیں بھابی! پروموشن کے بعد شاید میرا ٹرانسفر ہو جائے، جانے سے پہلے اپنا مقام اور اپنی سیٹ اسے دے کر جانا چاہتا ہوں، مجھے لگتا ہے بس ایک دو سال اور پھر دی اسٹار ٹوٹ ہی جاتی ہے۔'' ثمینہ راؤ نے بے بسی سے عمیر کی طرف دیکھا۔ متوقع نصیحتوں کے پیش نظر وہ پہلے ہی بول اٹھا۔

''اچھا سوری، آئندہ خیال رکھوں گا، سوری۔'' کہہ کر اٹھ گیا۔ جب کہ چہرے پر بڑا بڑا لکھا ہوا تھا۔

''میری مرضی جو مرضی کروں۔'' ثمینہ راؤ، شوکت راؤ کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔

☆......☆

''حارث یار! میں نے ٹیبلٹ بیچ دیا یہ لے لیا۔'' حارث حمزہ کو ڈھونڈتا ہوا باہر آیا تھا جب سلمان نے آ کے

خوش خبری سنائی۔
''او تھینکس برو۔'' حارث ہنسا تھا۔حمزہ اسے گراؤنڈ میں نظر آ گیا۔
''رضوی صاحب کے نوٹس کہاں سے مل رہے ہیں؟'' اس نے پوچھا۔
''حسن فوٹو شاپ سے۔'' حمزہ بولا۔
''تھینکس۔'' اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ آگے بڑھنے لگا تھا جب عمیر پر نظر پڑی۔ وہ نیٹ کے پاس کھڑا تھا۔
''آج نہیں لینی انسپریشن؟'' حارث کو معلوم تھا کہ عمیر بیڈ منٹن میں اچھا ہے مگر پھر بھی اسے جا کے چھیڑ دیا۔ عمیر نے ہنستے ہوئے ریکٹ اس کی طرف اچھالا تھا۔
''پھر لوگ کہتے ہیں کہ میں پنگا لیتا ہوں۔'' حارث نیٹ کے دوسری طرف آ گیا۔
''یار! ان دونوں کا کھیل بڑا بورنگ ہوتا ہے لمبا ہی لمبا۔'' حمزہ بولا تھا۔
''ہاں پر دیکھنا پڑتا ہے۔ کیا خبر کب کھیل سے دنگل ہو جائے۔'' سلمان وہیں بیٹھ گیا۔
''آگے کیا کرنا ہے حمزہ؟'' سلمان نے پوچھا۔
''M.sc Physics لیکن لاہور سے۔'' حمزہ بولا۔
''عمیر نے بھی یہی کرنا ہے پر وہ شاید فیصل آباد سے کرے۔'' سلمان نے سر ہلایا۔
''میں اور حارث بھی فیصل آباد ہی جائیں گے۔ حارث تو شاید کیمسٹری میں کرے گا۔'' حمزہ چونکا۔
''یعنی پھر دونوں اکٹھے ہو جائیں گے۔ ایک ہی یونیورسٹی میں۔'' سلمان نے کندھے اچکائے۔
''یونیورسٹی میں تو ویسے بھی اتنی سختی نہیں ہوتی، ان دونوں نے اور خودسر ہو جانا ہے۔'' حمزہ دونوں کی طرف دیکھ کر بولا۔
''میں سوچتا ہوں ابھی کچھ ہوا نہیں ہے دونوں کے بیچ تو نفرت کا یہ حال ہے اگر خدانخواستہ کبھی کچھ ہو گیا تو کیا ہو گا۔'' سلمان بولا تھا۔حمزہ نے بھی سر ہلایا۔ عمیر جیت گیا تھا۔ حارث ریکٹ اس کی طرف اچھالتے ہوئے سلمان کی طرف آ گیا۔
B.Sc کے بعد حمزہ تو پنجاب یونیورسٹی چلا گیا۔ جب کہ عمیر، حارث اور سلمان، تینوں نے فیصل آباد یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا۔ جانے سے پہلے شوکت راؤ نے خاص طور پر حارث کو اپنے پاس بلایا۔
''جب ایک ہی ماں کے دو بچوں میں جھگڑا ہوتا ہے ناں تو وہ اس کو سمجھاتی ہے جس کے بارے میں اسے یقین ہوتا ہے کہ وہ سمجھ جائے گا۔ میں آج تمہارا باپ بن کر تمہیں سمجھا رہا ہوں، نہ خود سے آگے بڑھنا اور نہ وہ بلائے تو آگے بڑھنا۔'' حارث نے سر ہلایا تھا۔

☆......☆

''یار ایسا لگتا ہے مجھے کہ جب سر پڑھا رہے ہوتے ہیں تو میرا سر اوپر سے کھل جاتا ہے اور جب چپ ہوتے ہیں تو بند ہو جاتا ہے۔ سب کچھ اندر اتر جاتا ہے۔'' میری بات نمرہ کو انتہائی بری لگی۔
''اوہو، تیرا دماغ نہ ہوا ماڈل ہو گیا۔ جب چاہا کھل گیا جب چاہا بند ہو گیا۔'' ردا موٹی آگے کو آئی تھی۔
''حاری میرے ساتھ بھی ایسے ہی ہوتا ہو گا۔ ہے ناں۔'' میں نے اسے حوصلہ دیا تھا۔ خوش ہو گئی ردا (موٹی)، لوگ کہتے ہیں کہ کالج لائف نہیں بھولتی۔ یونیورسٹی لائف نہیں بھولتی وغیرہ وغیرہ۔ مگر میں مجھے اکیڈمی لائف نہیں

بھولتی۔ F.Sc کے دو سالوں میں سیکھا کہ شوق کیا ہوتا ہے۔ لگن کسے کہتے ہیں اور لگن کس طرح شوق کو جنون بنا دیتی ہے اور جو چیز شوق بن جائے وہ پھر مشکل نہیں رہتی ہم دو لڑکیوں کے ساتھ بھی یہ ہی ہوا۔ فزکس کے فائنل پیپر میں ہم سب قہقہے لگا کر ہنس رہی تھیں۔ سر شوکت کے افلاطون کے بنائے ٹیسٹ دے دے کر وہ پیپر حلوہ لگ رہا تھا۔ F.Sc کے بعد آگے کا مسئلہ۔ میرے اندر کہیں خواہش تھی ڈاکٹر بننے کی مگر مسائل اتنے تھے کہ میں نے وہ خواہش مضبوطی سے اندر ہی دبا دی۔

''انٹری ٹیسٹ تو دے لے۔'' اماں نے بہت اصرار کیا۔

''رہنے دیں۔ نہ کلیئر ہوا تو دکھ ہوگا لیکن کلیئر ہو گیا تو زیادہ دکھ ہوگا۔ یہ عارش دے گا انٹری ٹیسٹ انشاء اللہ۔ یہ بنے گا ڈاکٹر۔'' میں، نمرہ اس کی بہن نائمہ اور نائمہ کی ڈھیر ساری فرینڈز رہ گئیں۔ ردا موٹی اور عالیہ کی سائنس پڑھ پڑھ کر شاید بس ہوگئی تھی۔ سو دونوں نے وہیں بی اے میں ایڈمیشن لے لیا۔ مجھے اور نمرہ ڈراوُنی کو روز نائمہ اور اس کی سہیلیوں کے ساتھ ڈسٹرکٹ کالج جانا پڑتا۔ میں ان سب کو صرف نمرہ ڈراوُنی کی وجہ سے برداشت کرتی ورنہ وہ سب پھونکنے کے لائق تھیں۔ اس دن بھی میں صبح صبح تیار ہو کر جب نمرہ ڈراوُنی کے گھر پہنچی تو نائمہ ابھی تیار ہو رہی تھی۔ مجھے بازو سے کھینچ کے اندرونی کمرے میں لے گئی۔

''سنو حاری! ہمیں نائمہ کی فرینڈز سے سوری کرنی ہے۔ ٹھیک!'' مجھے پتنگے لگ گئے۔

''دفع میری تو جوتی بھی معافی نہ مانگے ان خدائی مخلوقوں سے اور کس خوشی میں مانگنی ہے معافی۔'' نمرہ اور آگے کو آئی۔

''کل ہم انہیں ساتھ لیے بغیر آگئے ناں تو۔'' میں نے ایک دم نمرہ کی بات کاٹی۔

''او ہیلو! آدھا گھنٹہ انتظار کیا تھا ہم نے ان کا ان کی تو مٹر گشتیاں ہی ختم نہیں ہوتیں۔ تمہاری بہن کی دوستیں ہیں ناں تو تم مانگو معافی۔ میں تو نہیں مانگوں گی بلکہ ایک سیکنڈ، کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں بھی سیریس ہونے کی، تم میری دوست ہو نہ کہ ان چڑیلوں کی۔'' میری آواز اونچی ہوگئی۔

''آہستہ بولو۔ حارث بھائی سو رہے ہیں۔'' نمرہ نے میرے منہ پر ہاتھ رکھا۔

''اب تو اٹھ گیا ہوں میں۔'' حارث نے کروٹ لی۔ ''اس کے چہرے کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ اس نے میری باتیں سن لی تھیں۔

''سوری جی! آپ کو اٹھا دیا ویری سوری۔'' اب اتنے مینرز تو آتے تھے مجھے۔

''نو پرابلم۔'' وہ اٹھ گیا تھا۔

''کب جا رہے ہیں آپ فیصل آباد؟'' میں نے پوچھا۔

''پرسوں۔'' وہ مسکرایا۔

''چلیں جی۔ بیسٹ آف لک۔'' نائمہ تیار ہوگئی تھی اور اس کی چچیاں بھی آگئی تھیں۔ سو نمرہ مجھے باہر لے آئی۔

☆......☆

یونیورسٹی میں لڑکے ہوں یا لڑکیاں، اکثر کو لت ضرور ہی لگ جاتی ہے گرل فرینڈ اور بوائے فرینڈ کی۔ حارث نے چند ایک بنائیں۔ عمیر نے بے تحاشا بنا۔ میں اور ان بے تحاشا دوستیوں میں ایک نہ ایک شدت اختیار کر ہی جاتی ہے جسے ہم ''کرش'' بھی کہتے ہیں۔ علیزہ بیگ۔ عمیر کا پہلا کرش۔ وہ ان چند لڑکیوں میں سے تھی جو خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین اور عقلمند بھی ہوتی ہیں۔ عمیر اور علیزہ کی دوستی کافی آگے تک نکل گئی۔ اس

دن بھی عمیر اور وہ گروپ کے ساتھ بیٹھے اسائمنٹ بنا رہے تھے جب اس کی نظر حارث پر پڑی۔ وہ کسی کام سے فزکس ڈپارٹمنٹ آیا تھا۔

''عمیر یہ ہی ہے ناں، جس کے الیکٹرونکس میں ہم دونوں سے زیادہ مارکس ہیں۔'' علیزہ نے پوچھا۔

''ہاں، آجاتا ہے یہ بھی کبھار اوقات سے باہر۔'' شاید کافی دن ہو گئے تھے ان دونوں کو پنگا لیے۔ تبھی جب حارث پاس سے گزرا تو عمیر نے اسے چھیڑ لیا۔

''حارث جانی! یہ علیزہ بڑی تعریف کر رہی تھی تمہاری۔'' حارث رک گیا۔

''میں نے بڑی مشکل سے روکا اسے، کہاں پتا ہے اسے کہ چھوٹے لوگوں کو بڑے لوگوں کی تعریفیں ہضم نہیں ہوتیں۔'' عمیر کو اندازہ نہ ہوا کہ وہ کتنی بڑی غلطی کر رہا ہے۔

''اور تم ٹھہرے ایک چوکیدار کی اولاد۔ خوامخواہ ہمت دکھانا تو ویسے بھی تمہارے خون میں ہے۔'' حارث نے چپ چاپ آگے بڑھنا چاہا مگر عمیر کی آواز نے اس کے قدم روک دیے۔

''پتا ہے علیزہ! بڑی محنت سے پڑھایا ہے اس کے باپ نے اسے۔ پارٹ ٹائم بیرہ گیری کر کر کے ہم لوگوں کے آگے کھانے کے برتن سجایا کرتا تھا اس کا باپ، میں اسے وقتاً فوقتاً اس کی اوقات اسی لیے یاد کرواتا رہتا ہوں کہ کہیں یہ اپنے باپ کی محنت کو نہ بھول جائے۔'' حارث نے نہ جانے کیسے اپنا غصہ دبایا تھا۔

''کاش..... جو وعدہ مجھ سے لیا گیا ہے وہ تم سے بھی لیا گیا ہوتا۔'' وہ کہہ کر رکا نہیں۔ علیزہ، عمیر کے روکنے کے باوجود اس کے پیچھے آئی تھی۔

''پلیز ایم سوری۔'' وہ ایکدم مڑا۔

''بٹ وائے؟'' حارث حیرانی سے بولا۔

''وہ سب آپ نے تو مجھ سے نہیں کہا۔'' علیزہ چند لمحوں بعد بولی۔

''مگر کہا گیا تو میرے سامنے ہے ناں۔'' حارث مسکرایا۔

''رہنے دیں علیزہ جی! جب کہنے والے کو پرواہ نہیں ہے تو آپ کیوں شرمندہ ہو رہی ہیں۔ اٹس اوکے۔'' وہ کہہ کے آگے بڑھ گیا۔

☆......☆

F.Sc جتنے مزے سے کی۔ B.Sc نے اتنا رلا دیا۔ مشکل، مصیبت، پریشانی وغیرہ وغیرہ کا جو ملک شیک بنتا ہے وہ بھی بی ایس سی سے آسان ہوتا ہوگا۔ ایسے ٹھونسا ہوا ہے سلیبس کتابوں میں جیسے پڑھنے والے نیوٹن کے لگتے ہیں۔ اوپر سے سونے پر سہاگا یہ ہوا کہ وہاں فزکس اور میتھ کی کل چھ ٹیچرز تھیں اور ایک سے بڑھ کے ایک۔ کسی کی آواز نہ نکلتی کسی کی کانوں میں اتر جاتی۔ پچیس تیس سالوں سے پڑھا پڑھا کے وہ جیسے خود بھی تنگ آچکی تھیں۔ میں نے پوری زندگی میں کبھی اتنا نہیں پڑھا جتنا بی ایس سی میں۔ کبھی فزکس کو یاد نہیں کیا، کبھی اپنے نوٹس نہیں بنائے۔ کبھی راتوں کو جاگ کر نہیں پڑھا۔ کبھی پیپرز والی رات کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ پیپرز سے چار گھنٹے پہلے کتاب چھوڑ دیتی تھی میں مگر بی ایس سی...... اس نے سب کچھ کروا لیا۔ بے تحاشا پیپرز اور بے تحاشا پریکٹیکلز...... خدا خدا کر کے ختم ہوئے نوبت یہ آگئی تھی کہ میں صرف پاس ہو جانے کی دعائیں کیا کرتی تھی۔

☆......☆

اس دن حارث کو ہلکا ہلکا بخار تھا۔

''حارث! اٹھ کھانا کھا کے آتے ہیں۔'' سلمان نے اس کا کندھا ہلایا۔ رات کے نو بج رہے تھے۔
''تو جا میرا دل نہیں کر رہا۔'' اس نے کروٹ لی۔
''حارث! چپ چاپ اٹھ جا، صبح سے یوں ہی پڑا ہے۔ اٹھ میس سے ہی کھا آتے ہیں۔ باہر نہیں جاتے۔'' سلمان نے بمشکل اسے اٹھایا۔ میس روم میں کافی رش تھا۔
''او بھاجی کی پکایا آج۔'' سلمان نے پوچھا تھا۔
''بھنڈی اور شامی انڈہ۔'' حارث تپ گیا اور ان بھنڈی توریوں کے علاوہ کچھ نہیں ملتا تجھے۔'' پکانے والا بھی بول پڑا۔
''سبزیوں سے آپ کو پرابلم ہے جی۔ گوشت سے انہیں۔ روز چاول بھی نہیں کھانے، مجھے بتاؤ کہ میں کدھر جاؤں۔'' اس سے پہلے کہ حارث کچھ بولتا۔ عمیر اس کے برابر آ کر کھڑا ہو گیا۔
''چہ چہ...... حارث جانی کو کچھ نہیں ملا کھانے کو، اچھا کھانا تو باہر سے ہی ملے گا ناں اور اگر پیسوں کا مسئلہ ہے، نو پرابلم مجھ سے لے لینا۔'' حارث پہلے ہی اپ سیٹ تھا۔
''اتنا ہی بڑا دل ہے ناں تمہارا تو مجھے دیکھ کے زبان بند رکھنا سیکھو۔'' حارث کی آواز اونچی ہو گئی۔
''چل چھوڑ حارث۔'' سلمان بیچ میں آیا تھا۔
''اور تم مجھ سے تمیز سے بات کرنا سیکھو ورنہ۔'' حارث نے ایکدم پلٹ کے اسے بات بھی مکمل نہ کرنے دی۔
''ورنہ کیا...... آج بتا ہی دو کہ ورنہ کیا؟'' عمیر تن کے اس کے سامنے آیا تھا۔
''ورنہ وہ حشر کروں گا کہ واپس جانے کے قابل بھی نہیں رہو گے چوکیدار کی نسل۔'' شوکت راؤ سے کیا وعدہ ایک لمحے میں توڑ کے حارث، عمیر پر جھپٹا تھا۔
''تم مجھے ہاتھ بھی لگا کر دکھاؤ ذلیل انسان۔'' دونوں وحشیوں کی طرح لڑتے ہوئے پاس پڑی میز پر گرے تھے۔ سلمان دونوں کو روکتا رہ گیا۔ بمشکل دونوں کو الگ کیا گیا۔
''تمہارا جو دماغ عرش پر پہنچا ہوا ہے ناں اسے نیچے اتار کے دم لوں گا میں۔'' حارث جاتے جاتے بھی باز نہ آیا تھا۔

☆......☆

''حارث تو بچہ تو نہیں ہے کہ میں تجھے سمجھاؤں۔ گندگی میں ہاتھ ڈالو تو چھینٹے اپنے اوپر ہی آتے ہیں۔'' سلمان اس کے ماتھے پر سنی پلاسٹ لگاتے ہوئے بولا تھا۔
''میں نہ بھی ڈالوں تو چھینٹے میرے اوپر ہی آتے ہیں۔'' وہ غصے سے بولا۔
''کدھر گئی تیری وہ مشہور زمانہ قوتِ برداشت۔'' سلمان نے پوچھا۔
''کہیں نہیں گئی، یہیں ہے سارے زمانے کی بات برداشت کر سکتا ہوں میں مگر اس کی نہیں۔'' حارث نے سلمان کے ہاتھوں سے اپنا بازو چھڑوایا اور کھڑا ہو گیا۔
''اب کہاں جا رہا ہے؟'' سلمان اس کے پیچھے ہی باہر آیا۔ حارث ریلنگ پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔
''یہاں......'' اس نے سلمان کے دل پر انگلی رکھی۔
''یہاں زخم لگاتا ہے وہ میرے سیدھی یہاں آ کے لگتی ہیں اس کی باتیں۔ ہر بات میں ابو کی جاب کا ذکر ہے۔ ہر بات میں اوقات یاد دلاتا ہے۔'' غصے سے حارث کے ہونٹ کانپنے لگے تھے۔

''اب میں بھی اسے اسی کی اوقات ہی یاد کرواؤں گا۔'' سلمان نے چونک کر اسے دیکھا۔
''اس کے بھی دل پر لگے گی ناں تب پتہ چلے گا اسے۔'' سلمان کو اس کی آنکھوں سے خوف آیا۔
''حارث! کیا کرے گا اب تو؟'' حارث صرف مسکرایا تھا۔

☆......☆

کلاس شروع ہونے میں دس منٹ باقی تھے۔ عمیر ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ ہولے ہولے کاریڈور میں واک کرنے لگی۔
''ہائے۔'' حارث کی آواز پر وہ یکدم مڑی تھی۔
''اوہ ہائے...... آپ نے تو مجھے ڈرا دیا۔'' علیزہ واقعی ڈر گئی تھی۔
''سوری جی، پر میں تو سمجھا تھا کہ آپ خاصی بہادر ہیں۔'' علیزہ ہنسی تھی۔
''وہ تو میں ہوں کوئی شک نہیں۔'' حارث کھل کے ہنسا۔
''ویسے آپ صبح صبح یہاں کیسے؟'' اس نے پوچھا۔
''میں اپنے ڈیپارٹمنٹ جا رہا تھا جب آپ کو یہاں ٹہلتے دیکھا، سوچا ہیلو بول دوں، صبح صبح خوب صورت لوگوں کے درشن کر لو تو دن اچھا گزر جاتا ہے۔'' علیزہ ہنسی تھی۔
''یعنی میرا دن تو گیا۔'' وہ حارث پر چوٹ کرتے ہوئے بولی۔
''یہ تو اپنی اپنی قسمت ہے جی، ویسے بھی آپ کو اپنے اس چاکلیٹی ہیرو کے آگے میں گیا گزرا ہی لگوں گا۔'' حارث کھل کے بولا۔
''نو نو یو ہیو گڈ پرسنالٹی۔'' علیزہ فوراً بولی۔
''چلیں جی تھینکس، ویسے بھی آپ کا ہیرو آ گیا۔'' حارث تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے عمیر کو دیکھ کر بولا جس کے تاثرات ان دونوں کو دیکھ کر ایک دم تبدیل ہوئے تھے۔ اس کی طرف ہاتھ ہلاتے ہوئے اس نے ایک دلنشین مسکراہٹ عمیر کی طرف اچھالی تھی اور یہ تو بس شروعات تھی۔ کوئی کمی تو نہیں تھی حارث میں، خوب صورت، دلکش، ذہین، بہت اچھا اخلاق تھا اس کا۔ بس ایک بیک گراؤنڈ مضبوط نہیں تھا اور علیزہ جیسی عقلمند لڑکی کے لیے وہ کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس نے علیزہ کو اچھا خاصا اپنی طرف کھینچ ہی لیا۔ عمیر کی آنکھوں میں اسے دیکھ کے بیدار ہونے والی نفرت اور لہجے میں اس کے ذکر سے ہونے والی کڑواہٹ بڑھتی چلی گئی۔ عمیر جتنا تلخ بنتا گیا، حارث اتنا میٹھا ہوتا چلا گیا۔ عمیر کی ہر کڑوی بات مسکراہٹ میں اڑا دیتا۔ بہت اچھی دوستی ہو جانے کے باوجود اس نے کبھی علیزہ کو تم نہ کہا۔ ہمیشہ آپ کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔
''جانتے ہو حارث! عمیر بہت اچھا ہے۔ بہت اچھا۔ مجھ سے بہت پیار کرتا ہے اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ میں بھی شاید اس سے پیار کرنے لگی ہوں لیکن تم...... تم ان چند لوگوں میں سے ہو جن کا مقام میرے دل میں بہت بڑا ہے۔ بہت اونچا۔ میں شاید باقی زندگی تمہیں کبھی نہ بھلا سکوں۔'' حارث ہولے سے مسکرایا تھا۔
''یعنی دیر ہو گئی۔ عمیر سے پہلے کوشش کرتا تو آپ کو مجھ سے پیار ہو ہی جاتا۔'' علیزہ اس کی بات پر کھل کے مسکرائی تھی۔
''ایک بات مانیں گی؟'' وہ چند لمحوں بعد بولا تھا۔
''کہو۔'' علیزہ بولی۔

''ہو سکے تو کل شام 5 بجے یونیورسٹی گارڈن آجائیے گا۔ کچھ دکھانا ہے۔'' علیزہ حیران ہوئی۔
''مجھے؟'' حارث صرف مسکرایا تھا۔
''او کے آجاؤں گی۔'' علیزہ ہنستے ہوئے بولی تھی۔

☆......☆

''یونیورسٹی گارڈن 5 بجے۔'' عمیر کو Text کر کے وہ گارڈن آ گیا۔ علیزہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ وہ کچھ دیر ٹہلنے کے بعد بینچ پر بیٹھ گیا۔
''سوری تھوڑی دیر ہوگئی۔'' اپنے پیچھے علیزہ کی آواز سن کر وہ کھڑا ہو گیا۔
''علیزہ میں تمام عمر آپ کا انتظار کر سکتا ہوں۔'' حارث کی ذو معنی بات میں بہت کچھ چھپا تھا۔ علیزہ چپ کر گئی۔
''میں جانتا ہوں علیزہ میری اتنی اوقات نہیں ہے جتنی بڑی میں بات کہنے جا رہا ہوں مگر یہ جو دل ہے ناں یہ بس میں نہیں رہا اب۔'' علیزہ آگے کو آئی تھی۔
''حارث کیا ہوا؟'' حارث چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر آگے کو آیا۔
''علیزہ میں کئی راتوں سے سو نہیں سکا۔'' حارث کی آواز اسے بھرائی ہوئی لگی۔
''اتنا بے چین اتنا بے بس میں نے خود کو کبھی نہیں دیکھا۔ مانتا ہوں غلطی ہوئی ہے مجھ سے۔ سب کچھ جاننے کے باوجود میں خود کو روک نہیں پایا۔ علیزہ میں......'' گارڈن کے گیٹ پر اس نے عمیر کی بائیک رکتے دیکھی تھی۔ وہ علیزہ کے اور قریب ہوا۔ عمیر نے بائیک کھڑی کر کے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں۔''
''میں نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر۔ آئی لو یو۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے علیزہ کا چہرہ تھاما تھا۔ عمیر کے قدم انہیں دیکھتے ہی ایک دم رک گئے۔
''آئی لو یو علیزہ۔'' کہتے ہوئے اس نے بہت ہولے سے علیزہ کے لرزتے لبوں کو مقید کیا تھا۔
''حارث۔'' علیزہ کی سرگوشی حارث کی سانس میں ہی گم ہوگئی۔ بوجھ اتنا تھا کہ وہ اپنے سہارے پر کھڑی نہ رہ سکی اپنے پیچھے درخت کے تنے سے جا لگی۔
''حارث پلیز۔'' علیزہ بے بس تھی۔
''مر جاؤں گا میں۔'' علیزہ کو لگا وہ رو رہا ہے۔ حارث کے کندھے سے سر ٹکائے ہوئے اس نے آنکھیں بند کی تھیں اور عمیر...... جہاں غصہ شدید ہو کہ ختم ہوتا ہے وہاں سے دکھ کی ابتداء ہوتی ہے۔ اس کی غصے سے سرخ ہوتی آنکھوں میں یکدم پانی بھرا تھا۔ دل سے چاہا تھا اس نے علیزہ کو۔ وہ اسے کسی اور کے ساتھ برداشت نہ کرتا تو یہ تو پھر حارث تھا۔ جو اس کے لیے نفرت کا دوسرا نام تھا۔ وہ لڑکھڑا سا گیا۔ پانی آنکھوں سے باہر آنے لگا تھا۔ اس نے زور سے ہاتھوں کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا۔ دل خون خون ہو گیا تھا۔ اسے لگا جیسے حارث ہولے ہولے مسکرایا ہو۔ بمشکل قدموں کو گھسیٹتے ہوئے وہ بائیک نکالتے ہوئے گارڈن سے نکل گیا۔ حارث واقعی مسکرایا تھا۔

☆......☆

وہ اور سلمان کچھ پوائنٹس ڈسکس کر رہے تھے جب دھاڑ سے کمرے کا دروازہ کھلا۔ رات کے دس بجنے والے تھے۔ عمیر تیر کی طرح اندر آیا۔ حارث اسے دیکھ کر رہ گیا۔ سرخ آنکھیں۔ بکھرا سا ٹوٹا سا۔
''میں سچ کہتا تھا ناں۔ حارث کو زمین پر رہنے والوں کی اوقات عرش پر رہنے کی نہیں ہوتی۔ وہ عرش تک پہنچ بھی جائیں تو کہیں نہ کہیں اپنی اوقات دکھا ہی دیتے ہیں۔ تم نے بھی دکھا ہی دی۔'' آج عمیر کی آواز میں غرور

نہیں۔ دکھ بول رہا تھا۔ حارث کھڑا ہو گیا۔
''لگی ناں آج یہاں۔'' اس نے عمیر کے دل پر انگلی رکھی تھی۔
''ہوا ناں...... ہوا ناں دل کا خون آئے ناں آنکھوں میں آنسو، میرے دل پر بھی یونہی لگتی ہیں تمہاری باتیں، یونہی خون ہوتا ہے میرے دل کا بھی۔ یونہی درد ہوتا ہے مجھے بھی۔'' عمیر ایک دم چلایا تھا۔
''گوٹو ہیل یو اینڈ یور ہارٹ (بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا دل)۔ تمہاری جرأت کیسے ہوئی علیزہ کو چھونے کی۔'' عمیر کے دونوں ہاتھ اس کے گریبان تک پہنچ گئے۔
''چیخ لو جتنا مرضی۔ آج حق بنتا ہے تمہارا۔'' حارث کی بات اسے سلگا گئی۔
''تو پھر ٹھیک ہے۔ یہ بھی میرا حق ہے۔'' کہتے ہوئے اس نے حارث کے تھپڑ مارا تھا۔
''عمیر! اب تو حد سے بڑھ رہا ہے یار۔'' سلمان ایکدم کھڑا ہوا تھا مگر عمیر شاید پاگل ہو چکا تھا۔
''یہ بھی میرا حق ہے۔'' عمیر کے دوسرے تھپڑ سے حارث کھڑا نہ رہ سکا۔
''رک جا عمیر!'' سلمان نے پھر روکا تھا مگر آج عمیر کو غصہ نہیں دکھ تھا۔
''یہ بھی میرا حق ہے۔'' اس کے مکے نے حارث کا ہونٹ پھاڑ دیا اور حارث کی بس ہو گئی۔ اس نے وحشیوں کی طرح عمیر کو جھپٹا تھا۔ دونوں لڑتے ہوئے باہر نکل آئے۔
''قسم سے حارث آج یا میں، یا پھر تو۔'' عمیر کی سرخ آنکھیں اور گرجتی آواز حارث کو وحشی بنا گئیں۔ سلمان نے حارث کے موبائل سے علیزہ کو فون کیا تھا۔
''بولو حارث۔'' علیزہ کی آواز ابھری تھی۔
''سلمان بات کر رہا ہوں۔ علیزہ جی آپ پانچ منٹ میں نہ آئیں تو شاید دونوں میں سے کوئی بھی نہ بچے آج۔ یہ دونوں یہیں گاڑھ دیں گے ایک دوسرے کو جلدی آئیں۔'' علیزہ ایکدم پریشان ہو گئی۔ رات کے اس پہر وہ بوائز ہاسٹل کیسے جائے۔ خود گاڑی چلاتے ہوئے وہ جناح ہال آئی تھی۔ سلمان نے اسے دور سے ہی دیکھ لیا۔
''وہ دیکھیں لگ رہے ہیں پڑے لکھے۔'' علیزہ دنگ رہ گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو خونم خون کر دیا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی گراؤنڈ تک آئی تھی۔
''خدا کا واسطہ بس کر دو تم دونوں۔'' علیزہ کی آواز پر حارث نے عمیر کا گریبان چھوڑا جو تقریباً پھٹ چکا تھا۔
''آج اگر مجھے اس بات کا ذرا سا بھی یقین ہوتا ناں کہ دو خوب صورت ذہین اور ویل ایجوکیٹیڈ لڑکے صرف میرے لیے آپس میں لڑ رہے ہیں تو مجھے خوشی ہوتی۔ مگر میں جانتی ہوں میں تو صرف ایک بہانہ ہوں۔ یہ تو نہ جانے کتنی پرانی نفرت ہے جو یوں نکل رہی ہے۔'' علیزہ کی آواز بھر آئی۔ تیزی سے آگے بڑھ کے اس نے عمیر کو سیدھا کیا اور زناٹے دار تھپڑ رسید کیا۔ پھر کھٹاک سے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔
''یہ دیکھو میرے جڑے ہاتھ غلطی ہو گئی مجھ سے جو تم سے پیار کر لیا مگر اب معاف کر دو مجھے۔ نہیں جی سکتی میں اس قدر گھٹن میں۔'' کہہ کر وہ حارث کی طرف مڑی۔ ویسا ہی ایک تھپڑ اس کے حصے میں بھی آیا۔
''کہا تھا ناں میں نے کہ تمہیں کبھی نہیں بھول پاؤں گی۔ واقعی میں تمہیں کبھی نہیں بھول پاؤں گی۔'' علیزہ کی آنکھیں چھلک گئیں۔
''پلیز بس کر دو۔ پلیز۔'' کہتے ہوئے وہ بھاگتی ہوئی گیٹ کراس کر گئی۔

(جاری ہے)

فریدہ فرید

مکمل ناول

مقدر نہیں تابع منطق

ڈھولک کی تھاپ نے اسے جیسے خواب سے بیدار کر دیا، بیٹھے بیٹھے کھو جانے والی اس کی عادت کوئی ہمیشہ سے نہ تھی، یہ تو چند ماہ کا کرشمہ تھا جس سے اس کی عادات میں نمایاں تبدیلی رونما ہوئی تھی، اس کے تخیل کی دنیا شور ہنگامے



سے متاثر نہ ہوتی تھی۔
خواب اور وہ بھی من پسند حسین، ان کے ٹوٹنے پر غصہ حد سے سوا نہ ہوتو کیا ہو، حاضرین محفل اس کے چونکنے اور بڑبڑانے کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی شور وغل غپاڑہ میں مگن رہے۔
وہ باہر کی آوازوں کا گلا گھونٹتی اپنے کمرے میں بند ہو چکی تھی، مگر اندر کیا طوفان برپا تھا کوئی نہیں جانتا تھا، ان ہنگاموں سے وہ خود کو کیسے آزاد کرے؟ یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

......☆......

فجر شاہ، جہانزیب شاہ کی لاڈلی، کوئی اکلوتی بیٹی نہیں تھی، سجدہ اور ایمان کے بعد دنیا میں آنے کے باوجود اس نے محبت اور لاڈ میں کوئی کمی نہیں پائی۔
''ایمان! خود تو کیسا اسٹائلش سوٹ بنایا ہے اور میرا یہ کفن سی دیا''۔ فجر، ایمان کا حال ہی میں تیار ہو کر آیا سوٹ



ہاتھ میں لیے شکوہ کر رہی تھی۔

''اے فجر! تیرا دماغ تو آسمان پر ہے، تین ہزار کے سوٹ کو کفن کہہ دیا اللہ تیری شان''۔ آمنہ بی ہمیشہ کی طرح اس کی بات پر کلس کر رہ گئیں۔

''اس کا دین ایمان تو ہے ہی نہیں، خود ہی کہا تھا میرا وائٹ کلر کا سوٹ لانا اور اب محترمہ کے ناک سے نیچے نہیں اتر رہا''۔

ایمان ماں کو مزید تاؤ دلاتے ہوئے بولی فجر تو بات کر کے پچھتا رہی تھی اور ہمیشہ کے لئے عہد کرنے لگی کہ پہلے سوچوں گی پھر بولوں گی۔

بڑی بہن سجدہ کی شادی پر اور گھر کی پہلی تقریب ہونے کے تحت اہتمام میں کیا کوئی کمی تھی، تیاریاں جوبن پر تھیں، تو ڈانٹ کا گراف بھی آسمان سے اترنے کو تیار نہیں تھا۔

لاڈلی فجر سب سے زیادہ عتاب کا شکار تھی۔

''بابا جان! دیکھیں ناں میرا جوڑا ایمان سے کم لگ رہا ہے، میری تو سبکی ہو جائے گی آپی کے سسرال والے کیا کہیں گے؟ کہ یہ تو ان کی سوتیلی بیٹی ہے''۔

زبردستی کے آنسوؤں اور دل چیرتی اطلاع پر بابا کی لاڈلی اپنے مقصد میں کیسے کامیاب نہ ہوتی۔

ڈارک میرون کلر کی ایمبرائیڈری سے سجے گرے کلر کے لانگ کرتا پاجامہ پہنے، نک سک سے تیار فجر شاہ ہر نگاہ کا مرکز بنی لہک لہک کر گا رہی تھی۔

''آئی مہندی کی یہ رات

یہ لائی سپنوں کی بارات''

نگاہ خیرہ کرنے کے تمام لوازمات سے لیس یہ پری وش عباد احمد کی نگاہوں سے کیسے مخفی رہ سکتی تھی، امریکہ سے ایڈورٹائزنگ ڈگری لے کر لوٹنے والے عباد احمد، سجدہ کے ہونے والے دیور کے لئے مشرقی روپ کا یہ انوکھا انداز انتہائی جاذب نظر تھا، چلبلاتی گوریوں کا سحر، کھلکھلاتی ہنسی میں ڈول گیا، اس کی نگاہیں ہی نہیں سوچیں بھی اس کے قابو میں نہیں تھیں۔ وہ بات کرنے کے بعد سوچنے لگ پڑتا کہ ابھی کیا کہہ رہا تھا، اپنی کیفیت کو دوستوں کی شریر نگاہوں سے بچانے کے لئے وہ الگ تھلگ رہنے کی کوشش کر رہا تھا، دوسری طرف ہر بات سے بے نیاز فجر شاہ کی چیخ و پکار عروج پر تھی۔

''فجر! گھر جانے کا ارادہ نہیں ہے، یہیں رہنا ہے کیا''۔ ایمان نے چپڑ چپڑ باتیں کرتی فجر کو جھاڑ پلائی تقریب اختتام کو پہنچ گئی تھی، تقریباً سبھی مہمان رخصت ہو چکے تھے، مگر سجدہ کی نند سے مصروف گفتگو فجر کو دیکھ کر ایمان کا جل جل کے برا حال تھا۔

''ایمان! آرام سے بات کرو دیکھ نہیں رہی ہو، کتنے اہم مسائل پر ڈسکشن ہو رہی ہے''۔ فجر نے کمال لاپرواہی سے کہا۔

''تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے چار بج رہے ہیں اور صبح تمہارا اکنامکس کا ٹیسٹ ہے''۔ ایمان نے اس کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا، حربہ کامیاب رہا وہ فوراً اسے پیشتر باہر کی طرف لپکی مگر آدھے ہی راستے میں ٹریفک پھر جام تھی۔

''اب کیا ہے''۔

''ایمان میرا دوپٹہ اوپر ہی رکھا ہے وہ تو لے آؤ''۔

''رہنے دو بعد میں مل جائے گا، دیر ہو رہی ہے''۔ ایمان نے اسے باہر کی طرف گھسیٹا، مگر وہ خود کو اس کے شکنجے سے

آزاد کرا کے واپس دوڑی، مطلوبہ کمرے تک پہنچی تو اندر سے نکلتے وجود اجنبی سے بمشکل خود کو ٹکرانے سے روکتے ہوئے دور ہوئی اجنبی کے لبوں کی مسکان اسے سراسیمہ کرنے کو کافی تھی۔

''ہیلو! اینی پرابلم''۔ عباد احمد کے لہجے میں مٹھاس کی بھرمار تھی، جبکہ فجر کے ذہن پر عجلت سوار تھی۔

''وہ میرا دوپٹہ......''

''رنگ دوں''۔ عباد نے شوخی سے جملہ مکمل کیا۔

''جی......'' فجر کی آنکھیں پھٹ پڑنے کے قریب ہو گئیں، عباد نے اس دلنشین جملے سے بمشکل خود کو بچایا اور ادھوری بات سمجھتے ہوئے اندر پلٹ گیا، دوپٹہ تو سامنے ہی رکھا مل گیا مگر وہ کچھ سوچتا ہوا خالی ہاتھ لوٹ آیا۔

''سوری دوپٹہ فی الوقت دستیاب نہیں، شاید بھیڑ میں آگے پیچھے ہو گیا ہو آپ فکر نہ کریں، جیسے ہی مجھے ملا میں آپ تک پہنچا دوں گا''۔ وہ اردو دانی کے جوہر دکھاتا اسے اطلاع فراہم کر رہا تھا، جو از لی لاپروائی سے آدھی بات سن کر واپس ہو چکی تھی۔

''ایکسکیوزمی، میم! یہ تو بتاتی جائیں دوپٹہ مل گیا تو پہنچاؤں کہاں؟'' عباد اس کے پیچھے چلاتا ہوا لپکا۔

''میرے گھر پہنچا دیجئے گا''۔ فجر بے تکا بولتی ہوئی تیزی سے قدم اٹھا رہی تھی۔

''لیکن آپ کا گھر کرہ ارض کے کون سے خطے پر ہے؟'' عباد اردو دانی کے چکر میں بولنے لگا تھا۔

''ایدھی سینٹر پہنچا دیں مگر اس وقت میری جان چھوڑ دیں''۔ فجر بیزاری سے گویا ہوئی۔

''اوکے میم! مگر یہ تو بتا دیں آپ ہیں کون؟'' عباد کی ڈھٹائی بھی عروج پر تھی شاید وہ یہ موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔

''میں آپی کی بہن ہوں''۔ فجر جان چھڑاتے ہوئے عجیب و غریب تعارف کراتی گیٹ عبور کر گئی، عباد آپی کی بہن کا نام پوچھنے کی حسرت دل میں لئے کھڑا رہ گیا۔

......☆......

''ماما! آج چھٹی کرنے دیں پر اس آئندہ ڈیلی کالج جایا کروں گی''۔ وہ نیند سے بوجھل پلکوں کے ساتھ ماں کے کندھے پر سوار تھی، شادی گزرنے کے بعد اس کی تھکاوٹ جاگ اٹھی تھی وہ بھی نیند پوری نہ ہونے کے باعث مریل بکری کی طرح بیٹھی تھی۔

''کوئی چھٹی نہیں کرنی یہ تمہارا کالج ہے، یا مذاق دو دن پڑھائی تو چار دن چھٹی''۔ ایمان اس کی کوششوں پر پانی پھیرتے ہوئے بولی۔

''تم بی جمالو چپ رہو''۔ وہ بدتمیزی سے بولی۔

''اوں ہوں، فجر! ایمان ٹھیک کہہ رہی ہے تم چھٹیوں میں خود کفیل ہوتی جا رہی ہو شادی میں تو تم سے زیادہ کوئی الرٹ اور چاک و چوبند تھا ہی نہیں اور اسٹڈی کا وقت آیا تو اتنی نقاہت۔ بہت بری بات ہے چلو اٹھو تیاری کرو''۔ ماں کے حتمی انداز نے اسے مزید کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا، وہ بے دلی سے اٹھ کر تیاری کرنے لگی۔ ایمان کی مسکراہٹ الگ جلائے دے رہی تھی مگر فون کی بیل پر ایمان نے مزید ستانے کا پروگرام کینسل کر دیا۔

''ہیلو''! ایمان نے فون ریسیو کیا۔

''السلام و علیکم!''

''وعلیکم السلام! آپ کو کس سے بات کرنی ہے؟''

''اس گھر میں جو سب سے زیادہ حسین ہستی ہیں مجھے ان سے بات کرنی ہے''۔ اجنبی مردانہ آواز سو بر انداز میں جواب دیا۔

''وہ تو آپ کر ہی رہے ہیں''۔ ایمان بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

''لیکن مجھے جس سے بات کرنی ہے، وہ حسین کے ساتھ ساتھ معصوم، کیوٹ و سوئیٹ اور......''

''او ہیلو ذرا بریکیں لگاؤ یہ شریفوں کا گھر ہے کوئی......'' ایمان تیکھے ترین لہجے میں مخاطب کو لتاڑتے ہوئے بولی اس نے ذرا سی بے تکلفی کیا دکھائی تھی، بدتمیزی کے ریکارڈ ٹوٹ گئے تھے (اور فری ہوا جنبیوں سے) وہ دل میں خود کو کوسنے لگی۔

''او آئی ایم جوکنگ میں عباد بات کر رہا ہوں، سجدہ بھابھی کا دیور''۔ عباد فوراً سنبھل کر تعارف کروانے لگا، مزید عزت افزائی نہ ہو جائے۔

''او سوری میں پہچانی نہیں آپ کو، بھئی سیدھے سبھاؤ سے بات کرنی چاہیے تھی''۔ ایمان نے بھی بہن کے سسرال کا لحاظ کرتے ہوئے خوش اخلاقی کا پینترا بدلا۔

''اصل میں روشنی کو فجر سے بات کرنا تھی، میں نے تو بس فون آپریٹر کا کام دیا ہے''۔ عباد نے اپنی بہن کے حوالے سے بات آگے بڑھائی جو فجر کی دوست بن چکی تھی، اور اس کے توسط سے وہ فجر کا نام جان گیا تھا۔ فجر کو وین کے انکل سے لیٹ ہونے پر سخت سست سننا پڑیں، دوسری طرف ایمان کی صدائیں آ رہی تھیں وہ تیز آندھی کی طرح اوپر آئی۔

''کیا مصیبت ہے نیچے انکل کا ہارن بج رہا ہے اور اوپر تمہارا''۔ فجر خود تو کہہ کر فون کی طرف بڑھ گئی مگر ایمان کا نظام ہاضمہ اس کی جلی کٹی بات ہضم کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھا۔

''ہیلو''۔

''ہائے کیا حال ہے''۔ بھاری مردانہ آواز سے وہ حق دق رہ گئی (ہائیں یہ ایمان تو کہہ رہی تھی تمہاری دوست کا فون ہے، اس کی بھی کوئی گل سیدھی نہیں ہے)۔ وہ ریسیور تھامے ایمان کو کوسنے لگی، جبکہ عباد احمد اس کی ہیلو کے خمار میں بھٹک رہا تھا۔

''ہیلو! آپ کی بہن کیا کوئی اسٹاپ کر کے چلا گیا''۔ شوخی سے بھرپور آواز ابھری وہ چونک اٹھی۔

''آپ کو کس سے بات کرنی ہے''؟

''آپ سے''۔ مختصر جواب حاضر خدمت تھا۔

''لیکن آپ ہیں کون؟'' اس نے کام کا سوال اب جا کر پوچھا۔

''ویری سیڈ! آپ مجھے بھول گئیں، جبکہ میں نے لمحہ بھر آپ کو فراموش نہیں کیا''۔ وین کے ہارن میں گم فجر نے اس کی بات کو بمشکل نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''آپ کو جو کہنا ہے کہیے مجھے دیر ہو رہی ہے''۔

''اوکے آپ کا دوپٹہ میرے ہاتھ میں ہے، کب تشریف لاؤں امانت پہنچانے کے لئے''۔ عباد نے بات سمیٹی مگر فجر چیخ کر رہ گئی۔

''حد ہو گئی آپ نے اتنی سی بات کہنے کے لئے اتنی صبح جاگنے کی، فون کرنے کی میرا وقت ضائع کرنے کی زحمت کی اسٹوپڈ''۔

''کیا ہوا بھائی بات نہیں بنی شاید''۔ روشنی نے شرارت سے چھیڑا۔

''چھوڑو روشنی! اتنی صبح بے عزتی ہو گئی'' ۔ عباد منہ بسورتا ہوا بولا۔

☆

آج تو شاید دن ہی ڈانٹ کا تھا کالج لیٹ پہنچنے پر پرنسپل سے اور اب کلاس ٹیچر سے نوادرات کے وصول کے بعد وہ دل ہی دل میں ایمان کو کوسے جا رہی تھی، جس نے آج صبح اسے نیند سے بیدار کیا تھا۔

''او ہو آ گئی شہزادی شادیاں اٹینڈ کرنے کے بعد'' ثمن نے ٹیچر کے انداز کو برقرار رکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔

''اے ثمن! آج مجھ سے بات کم کرنا ورنہ نتائج کی ذمہ دار تم خود ہو گی۔'' وہ خونخوار لہجے میں غرائی۔

''واہ، اتنے دنوں کے بعد دوستوں سے یوں ملا جاتا ہے ناں شیم آن یو'' ۔ ثمن کے لتاڑنے پر وہ قدرے شرمندہ ہوئی۔

''سوری ثمن! آج اتنا کچھ ہوا کہ میرا موڈ انتہائی خراب ہے'' ۔ وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

''اپنے موڈ کو درست کر لو آج اکنامکس کے نئے ٹیچر تشریف لا رہے ہیں، جو خیر سے کافی روڈ قسم کی شخصیت سمجھے جاتے ہیں، لہٰذا میری پیشگوئی تو یہ ہے کہ تمہارا زوال شاید مزید جاری رہے'' ثمن نے ایسے پراسرار ہو کر کہا کہ وہ واقعی میں دہل سی گئی، مگر دعا کلاس فیلو کی اچانک طبیعت خراب کا سن کر وہ اسے لئے میڈیکل روم کی طرف بڑھ گئی۔

''السلام وعلیکم'' ۔ اکھڑ سے سلام پر سب اپنی اپنی نشست پر ادب سے بیٹھ گئیں، آنے والی شخصیت بھی تو خاصی جاندار تھی، لڑکیوں کے لئے انسپائر ہونے کے تمام لوازمات موجود تھے، مگر صاحب کافی نک چڑھے سے معلوم ہوتے تھے لڑکیوں کی حس شرارت ڈری سہمی ہوئی تھی اور لیکچر نے تو رہی سہی ہمت بھی توڑ دی۔

''آپ سب اچھی طرح جانتی ہیں ہمارا بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو چکا ہے، لہٰذا ہمیں کافی شارٹ ٹائم میں لف ورک کرنا ہے، اس کے لئے میری رہنمائی اور آپ کی محنت وتعاون ضروری ہے، میرا ساتھ دیں گی تو بہترین رزلٹ میری گارنٹی ہے اور وائز مجھے آپ کی ناکامی پر دکھ نہیں ہوگا۔ ناؤ فرسٹ آف آل ریڈنگ سے اسٹارٹ کرتے ہیں'' لڑکیاں جو طویل لیکچر سے ہی دم بخود تھیں ریڈنگ کرنے کے فرمان نے تو انہیں ادھ مرا ہی کر دیا، کیونکہ یہ ہمارا تعلیمی المیہ ہے ایم اے کے اسٹوڈنٹ سے اگر مشکل ریڈنگ کرائی جائے تو تمام قابلیت سامنے آ جاتی ہے'' ۔ بارعب شخصیت کی حکم عدولی سے باز رہنے کے لئے ثمن نے ریڈنگ کرنے کا بیڑا اٹھایا مگر محترم کا غصہ تو اب سامنے آیا، جب ایک ایک کر کے کلاس دروازے سے آؤٹ ہوتی گئی، ''بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے'' کا ورد زبان زد عام تھا۔ سر انتہائی غصے کے عالم میں کلاس سے نکلنے لگے، مگر اگلے ہی لمحے اندھا دھند بھاگ کے آتی فجر اس چٹان سے ٹکرا کر زمین بوس ہو چکی تھی۔

''آئی ایم سوری سر! آپ گرے کیوں نہیں؟ آئی مین آپ گرے تو نہیں'' ۔ فجر فوراً اٹھ کر بوکھلائی ہوئی بولی۔

''کیا آپ کو میرے نہ گرنے پر افسوس ہے'' ۔ خوفناک شخصیت کے چہرے پر پہلی بار نمودار ہونے والی مسکراہٹ نے زخم خوردہ لڑکیوں کو حیران کر دیا، ان کے نظر نہ آنے والے زخموں سے ٹیسیں نکلنے لگی۔

''نو سر! آپ فکر نہ کریں میں بالکل ٹھیک ہوں'' ۔ فجر نے یوں تسلی دی گویا وہ فکر سے مرے جا رہے ہوں، لڑکیاں اس کی بوکھلاہٹ پر گھور رہی تھیں۔

''ایکسکیوزمی مس! میں آپ کو فکرمند نظر آ رہا ہوں؟'' سر نے استہزائیہ استفہام کیا مگر اس کی شرمندہ ترین صورت پر ترس کھاتے ہوئے فوراً نرم لہجے میں استفسار کیا۔

''آپ کا نام کیا ہے؟''

''سر! میں فجر ہوں''۔ وہ ایسے بولی جیسے سر کی لاعلمی پر افسوس کر رہی ہو۔
''اچھا آپ فجر ہیں ماشاءاللہ کافی پاپولر شخصیت ہیں آپ''۔ سر کی رگ شرارت کی موجودگی نے لڑکیوں پر حیرانگی کے پہاڑ توڑ دیئے تھے۔
''بائی داوے آپ کون سے ایئر میں ہیں اور اتنی اسپیڈ سے کہاں آرہی تھیں؟'' سر نے اس کی خاموشی پر اپنی بات جاری رکھی۔
''سر! میں سیکنڈ ایئر میں پڑھتی ہوں، وہ دعا کی ٹریٹمنٹ کر رہی تھی''۔
''واٹ.....'' سر کی اچانک دھاڑ پر وہ سہم کر انہیں دیکھنے لگی۔
''آپ اسی کلاس میں پڑھتی ہیں اور آپ نے میرا پیریڈ اٹینڈ نہیں کیا، واٹ نان سینس میں یہ حرکت قطعاً برداشت نہیں کر سکتا اور کون کون اسٹوڈنٹ کلاس روم سے باہر ہیں۔ آئندہ یہ سب اسٹوڈنٹ میری کلاس میں نہیں بیٹھیں گے ڈیٹس اٹ''۔
''نو، نو سر! میں پہلے کبھی بھی کوئی پیریڈ مس نہیں کرتی، وہ دعا کی کنڈیشن ایسی تھی کہ اور سر مجھے آپ کی کلاس میں آمد کا علم بھی نہیں ہوا آئی ایم سوری سر''۔ فجر معذرت کرتے ہوئے رو دینے کو تھی، سر کے غصے سے سرخ چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی وہ خلاف عادت نرم لہجے میں بولے۔
''اوکے آئندہ ایسا نہ ہو، جایئے کلاس میں اور آپ سب بھی''۔ رہائی کا فرمان پاتے ہی سب تیر کی طرح کلاس میں داخل ہوئیں۔
''فجر.....'' نرم سی پکار پر فجر ٹھٹک کے مڑی اور خوفزدہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔
''چوٹ تو نہیں لگی''۔ سر کے لہجے کی نرمی نے فجر کو الٹا ہراساں کر دیا۔
''نو سر!'' وہ سرخ ناک کے واضح ثبوت کے باوجود نفی میں بولی سر کچھ کہے بنا پلٹ گئے۔
''یہ کون تھے یار؟'' فجر نے کلاس میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔
''آدمی تھے''۔ ثمن نے جل کر کہا۔
''وہ تو مجھے ٹکراتے ہی پتہ چل گیا تھا اسٹوپڈ میں پوچھ رہی ہوں تھے کون؟''
''ڈریکولا تھے انتہائی بے مروت حد ہوگئی نہ سلام نہ دعا نہ تعارف نہ کچھ لے دیے کے پہلے ہی دن کلاس سے نکال دیا، اتنی خوبصورت، معصوم سی صورتوں پر ذرا بھی ترس نہیں آیا''۔ ثمن کی دہائی جاری تھی وہ ہنسی دباتی سیٹ پر براجمان ہوگئی۔

☆

''یہ آپی کے دیور ہیں''۔ عباد احمد کو دیکھتے ہی اسے گزشتہ دن کی اپنے رویئے کی بدصورتی یاد آگئی۔ سجدہ کے سسرال کی دعوت کے تحت فیملی ممبرز میں عباد کو دیکھ کر وہ ایمان کے کان میں منمنائی تھی۔
''عباد بیٹا! تمہارے آنے کی بطور خاص خوشی ہوئی ہے''۔ جہانزیب شاہ کے خوشدلانہ انداز اور عباد سے حد سے زیادہ وابستگی اسے کھٹک رہی تھی، جیسے عباد زیر لب مسکراتا ہوا نوٹ کر رہا تھا۔
''مس فجر! آپ کا دوپٹہ تو میں اسپیشلی ساتھ لے کر آیا ہوں کافی کانشس تھیں آپ اس کے بارے میں''۔ فجر کو ٹھٹکتے دیکھ کر وہ فوراً سے پیشتر بولا، اس دوپٹے سے تو اب فجر کو چڑ ہو چلی تھی۔ ''بیٹا! بلاوجہ تکلف کیا ذرا سا دوپٹہ ہی تو تھا''۔ آمنہ بی کے شہد آگیں لہجے کو بھی اس نے ناگوار نظروں سے دیکھا۔

''ذرا سا کہاں آنٹی! اس دوپٹے کے لئے تو انہوں نے کالز کی بھرمار کردی تھی''۔ فجر حیرت زدہ سی اس کے ڈھٹائی سے پُر جھوٹ کو دیکھے گئی، جو اپنی غیر ضروری حرکت پر ہنس پڑا تھا، حاضرین مجلس کو بے موقع خواہ مخواہ کی ہنسی پر کوفت سی ہوگئی مگر وہی بیٹی کا سسرال، نازک معاملہ ہمارے ہاں کا معاشرتی تقاضہ ہے، خاموشی اختیار کرنا پڑی۔

''اچھی بات ہے بیٹا! اس بہانے آپ ہمارے گھر تو آئے''۔

''بس انکل! دعا کریں بہانے ملتے رہیں''۔ عباد نے زیرلب کہا فجر اس کی عجیب وغریب حرکات پر گلشن آمنہ بی کے اشارے پر اس کے ہاتھ سے دوپٹہ لینے لگی، احتیاط کی انتہا تھی کہ وہ چاہتے ہوئے بھی اس کا ہاتھ چھوڑ نہ پایا۔ لڑکی عمر میں کم مگر شعور میں زیادہ تھی، اسے دل میں اعتراف کرنا پڑا۔ دوران چائے اسے شائل نہ دیکھ کر وہ موبائل سگنل نہ ملنے کا بہانہ بنائے باہر نکل آیا، سامنے ہی چھوٹے سے گارڈن میں لائٹ پنک کاٹن کی شلوار قمیض میں بالوں کی چوٹی بنائے، چہرے پر آنے والی لٹوں کو بار بار کان کے پیچھے اٹکاتی دشمن جاں پودوں کو پانی دینے میں مصروف تھی اور لبوں پر کوئی نیا ہٹ سانگ بھی جاری تھا۔ عباد اس کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر خوب تفصیلی معائنہ کرنے کے بعد اس کے پاس چلا آیا۔

''ہیلو، آپی کی بہن''۔ فجر جھٹکے سے مڑی اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں ناپسندیدہ تاثرات کے ساتھ مدمقابل ہوئی۔

''دیکھیں! آپ آپی کے دیور ہیں ٹھیک ہے اسی لئے ہمارے گھر میں آپ کا آنا جانا رہے گا، مگر آپ ناں مجھ سے بات مختصر اور ٹو دی پوائنٹ کیا کریں، میں اجنبیوں سے زیادہ بات نہیں کرتی''۔ فجر نے طویل لیکچر میں وارن کیا، عباد تلخ الفاظ کے باوجود اس کی دھمکی پر نہیں چڑا۔

''ایک تو آپ ہنستے بلاوجہ ہیں''۔ فجر نے مزید تبصرہ کشائی کی عباد کے لبوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔

''آپ کو میری ہر بات پر اعتراض ہے''۔ عباد نے اس کی آنکھوں میں گہرائی تک جھانکتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں مجھے آپ پر اعتراض کرنے کا کوئی شوق نہیں، آپ جیسے بھی ہیں جو بھی ہیں مجھے کیا؟'' فجر کی مختصر بات کا دورانیہ بھی کچھ کم نہیں تھا، وہ کاندھے اچکاتی اس کی طبیعت صاف کر گئی۔

''مس! میں تو آپ کی دعوت پر آیا تھا، مگر آپ نے گھر آئے مہمان کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہیں کیا''۔ فجر کالے چنے چبارہی تھی، عباد کو لگا جیسے اسے چبارہی ہو اسی لئے حفظ ماتقدم کے طور پر باور کروایا کہ آنے کا سبب اور رشتے کا لحاظ ملحوظ خاطر ہو، فجر یقیناً سنبھل گئی تھی۔

''ویسے اگر ہم سکون سے بیٹھ کر چند لمحے بات کرلیں، تو کوئی مضائقہ نہیں آفٹر آل میں آپ کی آپی کا دیور ہوں''۔ عباد اونٹ پہاڑ کے نیچے آتا دیکھ کر اکڑ گیا، بار بار رشتے کا حوالہ دے کر وہ اسے زیر کرنا چاہتا تھا۔

جو مزید کچھ سخت کہنے سے خود کو روکتے ہوئے اندر دوڑ گئی تھی۔

''اوں لگتا ہے گھی سیدھی انگلی سے نکلنے والا نہیں ہے''۔ وہ خود سے کہتا کچھ سوچتا آگے بڑھ گیا تھا۔

......☆......

کالج کی کینٹین میں سموسے، برگر، کولڈ ڈرنکس سے شغل کرتیں وہ لوگ دنیا مافیا سے بے نیاز تھیں، سب سے زیادہ پرجوش فجر شاہ تھی جس کی جیب نے ہلکا ہو کر باقی فرینڈ کے پیٹوں کو فل کرویا تھا، ٹریٹ خوشی کی تھی اور خوشی بھی انتہائی انوکھی کوئی سنے تو یقین نہ کرے۔

خونخوار ٹیچر نے بیسٹ ویکلی پرفارمنس پر فجر کو محض زبانی شاباش دی تھی، جو اس قدر حیرت انگیز واردات تھی کہ فجر سے باقاعدہ ٹریٹ وصول کی گئی تھی، جو اس کنجوس نے خوشدلی سے دے بھی دی تھی۔

فجر کا ایک اور کارنامہ دیگر اسٹوڈنٹس کی نظر میں یہ بھی تھا کہ اس نے سر اکنا مکس سے نام بھی دریافت کرلیا تھا۔
اپنی شاندار شخصیت کے عین مطابق ''سر شان'' کا نام لڑکیوں کے نزدیک اسم بامسمیٰ تھا۔
''ایمان! سر شان نے پوری کلاس میں صرف میری تعریف کی اور میں ہی واحد لڑکی ہوں جن کو انہوں نے اپنے بارے میں تفصیل سے بتایا، حالانکہ وہ اتنے روڈ ہیں کہ بس پل بھر بس بے عزتی کرکے رکھ دیتے ہیں۔ کل لائبریری میں بیٹھے کچھ لکھ رہے تھے۔ اقصیٰ نے مخاطب کیا ''سر'' تو کہنے لگے ''ہاں دھاڑو'' بیچاری اتنا شرمندہ ہوئی، مجھے خود ان سے ڈر لگتا ہے، جب وہ میری طرف دیکھتے ہیں تو میری جان ہی نکل جاتی ہے، 45 منٹ کے پیریڈ میں میرا 45 کلو خون خشک ہو جاتا ہے''۔
گھر آکر بھی اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، وہ مسلسل ایمان کے کان میں گھسی تعریفوں کے پل باندھ رہی تھی۔
''اس ساری تقریر سے میں نے جو باتیں اخذ کی ہیں وہ یہ ہیں کہ ایک تو تم سب ان سے بہت زیادہ ایمپریس ہو، دوسرا وہ کوئی ڈریکولا نما چیز ہیں، تیسرا یہ کہ تمہارے اندر 50 کلو خون ہے''۔ ایمان نے فجر کی زبان کو بریک لگاتے ہوئے گل افشانی کی لیکن اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔
''اور ایمان! وہ تو اپنے کولیگز کو بھی لفٹ نہیں کراتے اور''۔
''خدا کے لئے فجر! مجھے کسی نادیدہ شخص کے بارے میں غائبانہ تعارف سے کوئی دلچسپی نہیں کوئی اور بات کرو''۔
''ایمان! ان کی آنکھیں تو بس''۔ فجر سرگوشی میں بولی، مگر ایمان اس کے منہ پر تکیہ رکھ چکی تھی۔

☆

''فجر......'' دوڑ کے گیٹ کراس کرتی فجر رک گئی۔
''جی سر!'' وہ جو بظاہر اسے روک تو بیٹھے تھے، مگر اب تذبذب کا شکار تھے کہ کیا کہنے کے لئے روکا تھا''۔
''سر! وہ میری گاڑی''۔ ''او کے تم جاؤ''۔
''سر! آپ کچھ کہنا چاہتے تھے''۔
''تھنک پھر کبھی سہی جاؤ خدا حافظ''۔ وہ حیرت سے انہیں تکتی وین میں جا بیٹھی وہ خاموشی سے پلٹ گئے۔
''ثمن! سر شان اچھے ہیں ناں''۔ فجر وین میں بیٹھتے ہی ثمن سے مخاطب ہوئی، آج کل اسے سر کی قصیدہ گوئی کے سوا کوئی کام نہ تھا۔
''ہاں اچھے ہیں مگر مجھ سے خواہ مخواہ کا بیر ہے''۔ ثمن کا فرسٹ امپریشن کچھ اچھا نہیں پڑا تھا۔
''ثمن! مجھے لگتا ہے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں لیکن کہہ نہیں پاتے''۔
''یقیناً گیٹ آؤٹ یا شٹ اپ ہی کہنا چاہتے ہوں گے''۔ ثمن غیر سنجیدگی سے بولی۔
''ثمن! تم سے تو بات کرنا ہی بیکار ہے، ادھر ایمان بھی اسی طرح کرتی ہے میں کس سے بات کروں''۔ فجر بے بسی سے بولی۔

☆

''آئیے، آئیے مستقبل کے دہشت گرد کیا حال ہیں؟'' ایمان نے شوخی سے کہا۔
''اللہ کا شکر ہے اور پہلا قتل میرے ہاتھوں تمہارا ہوگا''۔ معاذ نے شگفتگی سے جواب دیا۔
''سوچ لو اگر مجھے قتل کر دیا تو میرے ماں باپ ایک بیٹی کے قاتل کو دوسری بیٹی کبھی نہیں دیں گے''۔ ایمان نے انداز برقرار رکھا۔
''جو میری ہے وہ مجھے مل کے ہی رہے گی، کم از کم تم سے تو جان چھوٹ جائے گی''۔ معاذ نے بے رحمی سے کہا،

ایمان مزید گل افشانی کرتی مگر آمنہ بی کی آمد نے زبان بندی پر مجبور کر دیا۔
''او میرا بیٹا! معاذ آیا ہے تم تو عید کا چاند ہو گئے ہو سال بعد نظر آتے ہو''۔
''بس چاچی آج محنت کروں گا تو کل کچھ بن سکوں گا''۔ معاذ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''اور کتنا عرصہ لگے گا؟''
''چاچی! میڈیکل کا لاسٹ ایئر تو کمپلیٹ ہونے ہی والا ہے، بس کچھ عرصے بعد میں ڈاکٹر ہوں گا''۔
''اور تو کیا اسلام آباد میں ہی مستقل رہو گے''۔ آمنہ بی نے بے صبری سے بات کاٹی۔
''نہیں چاچی! کراچی ٹرانسفر کراؤں گا ناں بھلا اسلام آباد میں کیا رکھا ہے؟'' معاذ نے ایمان کو دیکھتے ہوئے شوخی سے کہا۔
''امی! چھوڑیں اسے وہیں سیٹل ہونے دیں، کراچی میں دہشت گردوں کی کمی ہے کیا؟'' ایمان ادھار رکھنے والوں میں سے نہ تھی۔
''سجدہ پلیز جب میں آؤں تو مجھے تم کمپنی دیا کرو، اس چڑیل کو دوسرے باپردہ لوگوں کے پاس چھوڑ آیا کرو''۔ معاذ نے بدلہ چکانے میں آمنہ بی کا بھی لحاظ نہیں کیا۔
''ایمان! چائے بناؤ''۔ آمنہ بی نے شوہر کے بھتیجے کی خاطر مدارت کے خیال سے ایمان کو الرٹ کیا۔ معاذ عبدالغازی کو اس گھرانے میں خاص اہمیت حاصل تھی، جہانزیب شاہ کے بیٹے کی کمی اس نے ہمیشہ محبت و خدمت سے دور کی تھی، دل میں کیا کیا جذبے پنپنے لگے۔ وہ جان ہی نہ پایا دیدار کے شوق میں وارفتہ یا اس کے جلدی کے پھیرے بالآخر دل پر بیتی واردات سے واقف کرا گئے، مگر معاملہ یک طرفہ ایک بے یار و ہنوز ناواقفیت تھی۔

......☆......

''شکر ہے محترمہ کو بھی ہمارے گھر قدم رنجہ فرمانے کا خیال آیا جب آئے آپی ہی آئے''۔ آج وہ امی کی زبردست جھاڑ کے بعد سجدہ کے گھر چلی آئی تھیں، جس نے شکوؤں کی ٹرین چلا دی تھی۔
''ارے آپی! آنے کی خوشی منائیں ناں، نہ آنے کا غم کیوں کر رہی ہیں؟'' ایمان نے پرجوش بغل گیری کے دوران عرض کیا۔
''تمہیں کیا پتہ تم لوگوں کے نہ آنے پر مجھے نند اور دیوروں کے سامنے کیسے کیسے جوابدہ ہونا پڑتا ہے''۔ سجدہ مسلسل شکوہ در شکوہ کناں تھی۔
''لیکن ہمارے نہ آنے سے نند اور دیوروں کے سامنے جوابدہی کی بات سمجھ نہیں آئی آپی''۔ ایمان اور فجر نے جانتے ہوئے بھی انجان بنتے ہوئے کہا۔
''بس وہ شادی میں تم لوگوں سے ملاقات رہی تھی ناں ان کی......''
''السلام وعلیکم!'' سجدہ کی وضاحت کو عباد کی آمد اور زوردار سلام نے منقطع کر دیا۔
''کیسی ہیں آنٹی آپ''۔ فجر کو دیکھتے ہوئے آمنہ بی کی خیریت دریافت کی گئی۔
''اللہ کا شکر ہے بیٹا! تم نے پھر کبھی چکر نہیں لگایا''۔ آمنہ بی نے بھی اخلاقاً دریافت کیا۔
''کیسے آتا آنٹی! گھر آؤ تو چھوٹے غصے کرتے اور فون کرو تو بڑے''۔ عباد نے راہ صاف کی۔
''نہیں نہیں بیٹا کون ڈانٹتا ہے یا غصہ کرتا ہے، تم جم جم آؤ تمہارا اپنا گھر ہے''۔
''ایسا ہے آنٹی! تو میں آتا ہی رہوں گا''۔ عباد نے آنا پر زور دیا جبکہ فجر نے دل میں جس بات پر زور دیا، وہ بیان کے

لائق نہیں اس کی نگاہوں سے پیچ وتاب کھاتی فجر، سجدہ کے بیڈروم کو دیکھنے کا بہانہ کر کے وہاں سے کھسک گئی، مگر شومئی قسمت عباد نے کوریڈور سے گزرتے ہوئے جالیا۔

''فجر پلیز! میری بات سنو''۔ ان سنی کر کے گزرتی فجر کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

''فجر! میں اتنا برا تو نہیں کہ تم مجھ سے اتنی الرجک رہتی ہو، کم از کم شناسائی کا تعلق تو ہمارے بیچ ہے ناں''۔ عباد عاجزانہ لہجے میں بولا محبت انسان کو ایسا ہی عاجز کر دیتی ہے اور جب محبوب لاتعلق بھی ہو، پھر عاجزی بے بسی میں بدل جاتی ہے، عباد کا بھی یہی حال تھا۔

''فجر! میں نے کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کی، جس سے تم پر آنچ آئے میں تو محض دوستی کا خواہشمند ہوں''۔ سدا کی ہمدرد فجر فوراً نرم لہجے میں بولی۔

''دیکھیے! مجھے آپ سے کوئی پرخاش نہیں، ان فیکٹ میں تو آپ کو اچھی طرح جانتی بھی نہیں ہوں، بس میرا مزاج اور میری تربیت ان دوستیوں کی متحمل نہیں ہوسکتی، اس لئے پلیز اپنے دل و دماغ کو امریکہ سے واپس بلا کر پاکستان میں سیٹ کیجیے۔

''بٹ فجر......''

''پلیز عباد صاحب، یوں سرِراہ روک کر بات کرنا آپ کو معیوب نہیں لگتا، تو پھر آپ کی تربیت میں یقیناً کوئی کمی ہے''۔ فجر کے بجائے ایمان نے آکر اس کی بات پوری کردی تھی اور وہ اسے سمجھاتی فجر کو لئے آگے بڑھ گئی تھی۔

......☆......

''سر! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے سر، سر'' فجر نے لائبریری میں سر دباتے سرشان کو مخاطب کیا۔

''فجر! میرے سر میں شدید درد ہے''۔

''سر! آپ نے گولی کھائی؟'' سر کے نفی میں سر ہلانے پر وہ منٹوں میں میڈیکل روم سے ٹیبلٹ لے آئی تھی، مگر اب سرشان کو کھلانا ایک بڑا مرحلہ ثابت ہو رہا تھا۔

''رہنے دو میں گولیوں سے پرہیز کرتا ہوں''۔ وہ نفاست زدہ لہجے میں بولے، درد کی اگر حد نہیں تھی تو ضد بھی حد سے سوا تھی، اس کا ہر حیلہ ناکام ہوگیا اور سر نے ٹیبلٹ ہتھیلی سے نہ اٹھائی بالآخر وہ ہار مانتے ہوئے بولی۔

''سر! آپ کو آپ کی امی نے اس حالت میں دیکھا تو پریشان ہوں گی''۔

''امی......اوں......وہ تمام فکروں، پریشانیوں سے آزاد ہوگئی ہیں''۔

''جی سر! میں سمجھی نہیں''۔

''شی از ڈیڈ''۔ سرشان نے دلگرفتگی سے کہا۔

''اوہ......سر! آئی ایم سوری میں آپ کی امی تو نہیں بن سکتی، لیکن آپ بہن تو بن سکتی ہو، پلیز آپ بہن سمجھ کر میری بات مان لیں''۔ فجر نے فوراً رشتہ جوڑا۔

''شٹ اپ فجر شٹ اپ! جاؤ یہاں سے میرا دماغ خراب مت کرو''۔ سرشان کے رویئے کی اچانک تبدیلی نے اسے دم بخود کردیا، وہ بنا بولے تیر کی طرح دوڑ لگا گئی۔

''ثمن پلیز! تم ایک بار جا کر دیکھو تو سہی''۔ فجر مسلسل ثمن کو مجبور کررہی تھی کہ وہ لائبریری جا کر سر کی حالت دیکھ کر آئے وہ ان کی طرف سے بہت فکرمند تھی، مگر ثمن متوقع بے عزتی کے خیال سے انکاری تھی، اتنے میں علیزہ کی آمد نے دونوں کو متوجہ کیا۔

''فجر! تمہیں سرشان بلا رہے ہیں''۔ وہ اطلاع ملنے پر سابقہ ڈانٹ بھلائے دوڑ پڑی، سر ہنوز لائبریری میں تھے اور قدرے نارمل حالت میں بھی۔

''سر! آپ نے بلایا؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے دریافت کیا۔

''فجر پلیز! ایک کپ دودھ کے ساتھ سر درد کی ٹیبلٹ دے دو''۔ اس کے پلٹنے کے ارادے کو دیکھ کر وہ فوراً پکار اٹھے۔

''فجر! میں نے تمہیں ڈانٹا تم ناراض تو نہیں ہو''۔ سرشان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا وہ آنکھیں جھکانے کے ساتھ سر بھی جھکا گئی۔

''نو سر، سر تو ڈانٹتے ہی رہتے ہیں''۔ وہ سر جھکائے جھکائے بولی۔

''لیکن اگر تم نے دوبارہ ایسی بات کی تو دوبارہ ڈانٹ پڑ سکتی ہے''۔ سرشان نے بدستور اس پر نگاہیں جمائے مسکرا کے کہا۔

''کون سی بات سر؟'' وہ حیرانی سے گویا تھی۔

''خود سوچو''۔ سر مسکرا کے اٹھ گئے جبکہ وہ بات سوچتی رہ گئی۔

.......☆.......

''ہیلو!''

''ہیلو، مجھے سمجھ نہیں آتا کہ ہمیشہ آپ ہی کیوں فون اٹھاتی ہیں''۔ عباد کی چڑچڑاتی آواز نمودار ہوئی۔

''تو آپ فون کرنے سے پہلے بتا دیا کریں کہ آپ کا فون ہے تاکہ میں نہ اٹھایا کروں''۔ ایمان طنزیہ بولی۔

''او کے اب تو پتہ چل گیا ہے پلیز ہیلپ ی''۔ عباد نے اسے ہم خیال کرنا چاہا۔

''سوری عباد! ان تلوں میں تیل نہیں ہے، آپ کہیں اور ٹرائی کریں''۔ ایمان نے ہری جھنڈی دکھائی۔

''واٹ ڈو یو مین کہیں اور ٹرائی کریں۔ آپ نے مجھے ایسا سمجھ رکھا ہے مجھے سمجھ نہیں آتا، ہماری پاکستانی لڑکیاں ہر امریکن پلٹ کو فلرٹی کیوں سمجھتی ہیں، ہم بھی تو دل رکھتے ہیں اور کسی سے محبت بھی کر سکتے ہیں''۔ عباد نے تفصیلاً اپنا موقف واضح کیا۔

''عباد! ہم آپ کو غلط نہیں سمجھتے لیکن محبت کا یہ انداز کم از کم ہمارے ماحول سے میچ نہیں کرتا، ہم محبت کو شادی کا دوسرا نام سمجھتے ہیں، اگر آپ اپنی محبت میں سچے ہیں، تو حیلوں بہانوں کے بجائے سیدھا راستہ کیوں نہیں اختیار کرتے''۔ ایمان نے بھی آج ٹھان ہی لی تھی۔

''لیکن ایمان! محبت کو دل میں دفن کر دینا بھی تو اپنے ساتھ دشمنی ہے، جب کوئی دل کی بات سمجھ نہ رہا ہو تو اسے سمجھانے کی سعی تو کی جا سکتی ہے''۔ عباد ٹس سے مس ہونے کو تیار نہ تھا، وہ جانتا تھا کہ یہ باتیں ایمان سے نہیں فجر سے ہی کر رہا ہے، کیونکہ دونوں بہنیں ایک دوسرے کا پرتو ہی تو تھیں۔

''لیکن مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ہر سعی شادی سے قبل کرنا ہی کیوں لازم ہے؟ دل کی بات بنا کسی رشتے کے کیوں اتنی اہمیت رکھتی ہے۔ عباد جی میرا خیال ہے ہمیں آپ کنویں کا مینڈک سمجھ کر اگر اگنور ہی کر دیں تو عین عنایت ہو گی''۔ ایمان نے دوٹوک موقف کے ساتھ فون بند کر دیا تھا، عباد کے لئے سوچ کا نیا دور اہوا تھا۔

.......☆.......

''میں گیارہ سال کا تھا جب امی کا انتقال ہوا آخری وقت ان کے پاس صرف میں ہی تھا، میں نے ماں کی تکلیف

نزع محسوس کی ہے، سمجھو کہ وہ موت میری ماں کی نہیں میری تھی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ماں کے بعد مجھے کسی نے سہارا نہیں دیا۔ مجھے پیار کرنے والوں کی کمی نہیں لیکن میری حساسیت نے میرے گرد ایک خول بنا دیا۔ پتہ نہیں میں نے دوست بنائے نہیں یا میرے دوست بنے نہیں، حقیقت یہ ہے کہ میں نے ماں کے بعد کسی سے محبت کی ہی نہیں مگر اب مجھے لگتا ہے کہ ایک ہستی وہ محبت جو میرے اندر دفن ہے وہ پالے گی، وہ ذیشان احمد خان کو پالے گی"۔ فجر خاموشی سے ان کی بات سماعت کر رہی تھی، اس ہستی کے متعلق جاننے کے لیے مچل اٹھی مگر ان سے کچھ پوچھنا مناسب معلوم نہیں ہوا۔

"سر!"

"ہوں"۔ وہ جیسے خواب سے چونک اٹھے اور جلدی سے بولے۔

"سنو! میں نے کہیں نام تو نہیں لیا"۔

"نہیں سر! میں تو خود پوچھنا چاہ رہی تھی"۔ فجر نے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا، انہوں نے سکون کا سانس لیا۔ وہ مزید کچھ بتانے کے موڈ میں نہیں لگ رہے تھے، اس لیے فجر نے بھی مزید نہیں کریدا۔ وہ اس وقت کالج کے تھرڈ فلور کے نسبتاً کونے کے کمرے میں آمنے سامنے بیٹھے تھے، درمیان میں میز تھی سر نے مارک شیٹ تیار کرنا تھی اور فجر کا پیریڈ فری تھا، اس لیے انہوں نے فجر کو اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا تاکہ جلد کام ہو سکے شور سے بچنے کے لیے وہ اوپر چلے آئے تھے۔ سر شان کام کے ساتھ آج بات چیت کے موڈ میں تھے اچانک ہوا کے زور سے کمرے کا دروازہ بند ہو گیا، دن کا وقت تھا اندھیرا تو نہ تھا مگر روم کا باہر سے رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔

"فجر! تم کچھ کہہ رہی تھیں"۔

نیم اندھیرے میں سر کی آواز گونجی۔

"سر! وہ دروازہ کھول دوں روشنی کم ہو گئی ہے"۔ فجر نارمل انداز میں بولی۔

"رہنے دو خاموشی اچھی لگ رہی ہے"۔ سر شان تو آج سر خوفناک لگ ہی نہیں رہے تھے، فجر چونکہ ٹیچر کو نامحرم کا درجہ نہ دینے والوں میں سے تھی اور آئیڈیل شخصیت پر اعتماد بھی حد سے زیادہ تھا، لہٰذا اسے کوئی خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا، اس لیے اس نے مزید اصرار نہیں کیا اور اپنے کام میں لگ گئی، لیکن سر شان بہرحال ایک مرد تھے ان کے جذبات فجر سے مختلف تھے، وہ فجر کی مانگ پر نظریں جمائے ہوئے تھے، بے اختیار ہی ان کا ہاتھ فجر کی شفاف مانگ پر جا ٹکا تھا، فجر نے چونک کر نگاہ اٹھائی اس نگاہ کی حیرانی نے سر شان کے ہاتھ کو کپکپا دیا، فوراً سنبھل کر بولے۔

"فجر دروازہ کھول دو"۔ وہ فوراً دروازے کی طرف لپکی اور قسمت کے بند دروازے کو کھول دیا۔

"جاؤ تم اب میں خود کام کر لوں گا"۔ وہ ابھی اس کیفیت سے نکلے نہیں تھے۔ فجر جو خود بھی یہی چاہتی تھی، فوراً نیچے کی طرف بڑھ گئی، وہ اپنے ہاتھ کو لبوں سے لگا گئے جو اس کے سر سے مس ہوا تھا۔

☆

"اے معاذ! کن سوچوں میں گم ہو"۔ ایمان نے معاذ کو ایریل کی مانند گھما دیا۔

"او کے تم آؤ بیٹھو آج کیسے رستہ بھول گئیں؟ ویسے نہ ہی بولتیں تو اچھا تھا"۔ معاذ اس کے خوفناک جھنجھوڑنے پر کچھ زیادہ ہی ہل گیا تھا۔

"کیا مطلب نہ بولتی یعنی کہ نہ آتی"۔ ایمان اکلوتے تایا کے گھر بے دھڑک آنے جانے میں پہلی بار تپ اٹھی تھی۔

"نہیں میرا مطلب اکیلی کیوں آئیں کسی اور کو بھی ساتھ لے آتیں ناں"۔ معاذ بات بناتے ہوئے بولا۔

''کس کو ماما کو وہ مارکیٹ گئی ہیں، سجدہ کو ارے وہ اپنے گھر کی ہو گئی ہیں، بابا کو وہ آفس میں ہوتے ہیں''۔ ایمان اسے رج کر زچ کر رہی تھی، اصل مدعا جان کر بھی آئیں بائیں شائیں کیے جا رہی تھی۔

''بائی داوے تم سے کب تک جان چھوٹے گی''۔ معاذ اچھا خاصہ گرم ہو چکا تھا جل کر بولا۔

''بری بات معاذ! بہنوں کو مصیبت نہیں کہتے''۔ شمع بی نے داخل ہوتے ہوئے گھر کا ان کے پیچھے سمیہ چائے کی ٹرے کے ساتھ داخل ہوئی۔

''امی! میں کوئی دل سے تھوڑی کہہ رہا تھا، ویسے ہی جھوٹ بہت بولتا ہوں''۔ معاذ نے صفائی دیتے ہوئے اسے مزید چڑایا، جو تائی کے سامنے شرافت کے جامے میں تھی۔

''اوہ ہاں فجر کا رزلٹ آ گیا؟'' سمیہ کو اچانک یاد آیا۔

''ہاں کل ہی آیا ہے تمام پیپرز کلیئر کر لیے ہیں اس نے''۔ ایمان نے جواب دیتے ہوئے معاذ کی طرف دیکھا، جس کے ہونٹوں نے مبارک باد کی شیپ بنائی تا کہ ایمان فجر تک اس کی دش پہنچا دے ایمان نے سر ہلا کر تسلی دی تھی۔ شمع بی کے اٹھتے ہی معاذ نے جھٹ ایمان سے آہستگی سے کہا۔

''رات میں فون کروں گا کوشش کرنا وہ ہی اٹینڈ کرے''۔

''مشکل ہے تم یہاں ہو تو وہ فون کم ہی اٹینڈ کرتی ہے''۔

''بھائی! آپ فون پر فجر کی آواز پہچان لیتے ہیں''۔ سمیہ نے سوال داغا۔

''آواز تو نہیں پہچانتا انداز سے سمجھ آ جاتی ہے، اگر چاچی اٹھائیں تو تعارف کراتے ہی دعائیں دینے لگتی ہیں، ایمان، سجدہ اٹھائیں تو فوراً کہتی ہیں ''ہاں معاذ کیا حال ہے؟'' اور جب وہ اٹھائے تو کہتی ہے، ''جی فرمائیے کس سے بات کرنی ہے''۔ پتہ چل جاتا ہے محترمہ آن لائن ہیں''۔ معاذ نے تفصیل سے بتایا جس پر ایمان اور سمیہ ہنسنے لگیں، فجر کزن ہونے کے باوجود معاذ سے زیادہ بات نہیں کیا کرتی تھی، ایمان کی طرح دونوں میں بے تکلفی برائے نام بھی نہ تھی، وجہ کیا تھی کوئی نہیں جانتا تھا، ہاں معاذ کے اس کی طرف جھکاؤ سے ہر کوئی واقف تھا۔

☆

''دیکھیے انکل! عباد میرا چھوٹا بھائی ہی نہیں بیٹا بھی ہے، ہم نے اسے ناز و نعم میں رکھا ہے اس کی کسی خواہش کو کبھی رد نہیں کیا، پھر زندگی کے اتنے اہم معاملے میں اس کی مرضی کو کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور ویسے بھی وہ کوئی غلط مطالبہ نہیں کر رہا''۔ سجدہ کے شوہر غیاث احمد، عباد احمد کا پرپوزل لئے اس وقت فجر کے چھوٹے سے گھر کے خوبصورت ڈرائنگ روم میں براجمان تھے۔ جہانزیب شاہ کے عباد احمد کی طرف رجحان نے انہیں خوب امید بھی دلا رکھی تھی اور پھر عباد کی قابلیت اور اعلیٰ معاشی حالت بھی نظر انداز کیے جانے کے لائق نہیں تھی، یہ سب وہ عوامل تھے، جو غیاث احمد کے لب و لہجے میں بول رہے تھے۔

''عباد بلاشبہ ہر لحاظ سے قابل اور بہترین لڑکا ہے، اسے گھر کا داماد بنا کر ہمیں بھی اتنی خوشی ہوگی جتنا تمہیں اپنا داماد بنا کر''۔ جہانزیب شاہ کے پر مسرت جواب نے ماحول کو خوشگوار کر دیا، جس طرح غیاث اس رشتے کے خواہاں تھے، وہیں جہانزیب شاہ بھی متمنی تھے، عباد کی طرف ان کا جھکاؤ بے سبب نہ تھا، سجدہ زیادہ خوش دکھائی نہ دیتی تھی بلکہ وہ غیاث احمد کے یہاں آنے کے مقصد سے اس سے قبل آگاہ بھی نہ تھی اور پھر جہانزیب شاہ کے اثبات نے تو اسے اور بھی حیران کر دیا تھا۔

''بابا! آپ اس رشتے کے لئے ہاں کہہ رہے ہیں''۔ سجدہ نے بے یقینی سے دریافت کیا، پردے کے پیچھے سے

جھانکتی ایمان کی پھیلتی نگاہیں بھی وہ دیکھ سکتی تھی، خود آمنہ بی کی خاموشی بھی معنی خیز تھی۔
"ہاں بیٹا! عباد احمد اچھا لڑکا ہے اور پھر تم دونوں بہنیں ایک ہی گھر میں ایک دوسرے کے ساتھ رہو، اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے"۔ جہانزیب شاہ اپنی ہی جون میں کہے جا رہے تھے۔
"تو پھر انکل! منگنی ابھی کیے دیتے ہیں، شادی فجر کی اسٹڈی کمپلیٹ ہونے کے بعد کر لیں گے"۔
"فجر......" اب کے جہانزیب شاہ بھی چونک اٹھے تھے، نجانے فریقین کے دماغ کس کے لیے پر سوچ رہے تھے؟
"فجر نہیں بیٹا ایمان تم غلط نام لے گئے ہو"۔ اصل مدعا تو اب سامنے آیا تھا، جہانزیب شاہ کا اثبات ایمان کو لے کر تھا جبکہ غیاث عباد کے لیے فجر کا پروپوزل لایا تھا، سجدہ اور آمنہ بی کی بے تابی یونہی نہ تھی۔ دوسری طرف اپنا نام سن کر ایمان کی پھیلی آنکھیں مزید پھٹ پڑیں تھیں ہاں ایک سکون کی سانس فجر کے سینے سے ضرور خارج ہوئی تھی، وہ ایمان کے برابر ہی دبک کے ساری صورتحال ملاحظہ کر رہی تھی۔
"انکل! میں آپ سے فجر کے رشتے کے سلسلے میں بات کر رہا ہوں"۔ غیاث نے فوراً تصحیح کی۔
"نہیں بیٹا! فجر تو ابھی بچی ہے، ایمان بڑی ہے اور عباد کے لیے بالکل مناسب بھی اس کے رشتے کے لیے ہاں کر رہا ہوں"۔ جہانزیب شاہ نے بھی وضاحتی بیان دیا، عجیب کشمکش ہو چلی تھی۔
"لیکن عباد کی خواہش فجر کے ساتھ کی ہے اور میرے یہاں آنے کا مقصد بھی یہی تھا"۔
"غیاث بیٹا! فجر کے متعلق ایسی بات ممکن نہیں ہے"۔
"کیوں انکل"۔ غیاث کے لہجے میں روایتی داماد کا سا تیکھا پن در آیا، سجدہ کی اصل پریشانی تو اب شروع ہوئی۔
"آپ فجر کے لیے ہاں کہیے، ایمان ماشاءاللہ سے قابل بچی ہے، اس کے لیے اور رشتے آ جائیں گے"۔ غیاث اپنے موقف سے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔
"نہیں بیٹا! آپ پر کوئی زبردستی نہیں کہ آپ ایمان کا رشتہ لیں، ماشاءاللہ میری بچی کے لیے واقعی رشتوں کی کمی نہیں مگر فجر کے لیے معذرت"۔ جہانزیب شاہ بھی اب دوٹوک جواب پر اتر آئے تھے۔
"انکار کی کوئی وجہ تو ہو"۔ غیاث نے سجدہ کو گھورتے ہوئے دریافت کیا، اسے اب سبکی محسوس ہونے لگی تھی وہ تو عباد کو 100 پرسنٹ رزلٹ کی امید دے کر آیا تھا، آخر داماد تھا ہمارے معاشرے میں داماد کب سسرال سے خالی لوٹتے ہیں؟
"وجہ یہ ہے کہ فجر میرے بھتیجے سے انگیج ہے"۔ جہانزیب شاہ نے جو وجہ بتائی، اس نے غیاث کے ساتھ ساتھ فجر کو بھی حیرت زدہ کر دیا، یہ اطلاع اس کے لیے بھی نئی تھی، معاذ کا اپنے گھر میں مقام وہ اچھی طرح جانتی تھی، مگر اندرون خانہ کیا کھچڑی پک چکی تھی اس سے وہ ہنوز ناواقف تھی، مطمئن سانسوں میں پھر طغیانی در آئی تھی، کشتی پھر طوفانوں کی زد پر تھی۔

......☆......

"مس فجر! دو دن کی غیر حاضری کی وجہ عنایت فرما سکتی ہیں آپ"۔ سر شان کے ٹھنڈے لہجے نے اسے اور بھی مضمحل کر دیا، تین دن تک خود کو حقیقت باور کرانے میں لگے تھے کہ اس کا فیصلہ مستقبل، ماضی بعید میں ہی کر دیا گیا تھا، اس شخص کے ساتھ جسے آج تک اس نے اچھا تو کیا برا تکلم بھی نہیں کیا تھا، دو گھرانوں کا واحد چشم و چراغ گھر کے ہر فرد سے وابستگی کے باوجود نہ تو معاذ نے اسے کبھی خود سے مخاطب کیا تھا اور نہ ہی فجر نے کبھی غیر ضروری بات کی تھی۔ معاذ دل کے جذبات دل ہی میں رکھنے کا قائل تھا، اس کے برعکس عباد احمد نے پل بھر کی دیر بھی نہ کی تھی،

حکایت دل عیاں کرنے میں اور وہ خود تھی کہ دونوں کے نقطۂ نظر سے متفق نہ تھی، آخر اس کی بے چینی کا سبب کیا تھا؟

''سر! میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی''۔ پتہ نہیں کیا بات تھی دل تو پہلے بوجھل تھا، سر کے سرد رویے نے کیوں اتنی تکلیف دی تھی؟

''اور دو دن میں طبیعت ٹھیک ہوگئی، آپ لوگوں کا بخار بھی تو جادو کی طرح ہوتا ہے چھڑی گھمائی حاضر، چھڑی گھمائی غائب''۔ سر بھگو بھگو کے تیر چلا رہے تھے، کیونکہ ان کے نزدیک یہ اسٹوڈنٹس کا کامیاب ترین بہانہ تھا۔ ''نو سر! طبیعت تو اب بھی خراب ہے، زبردستی چلی آئی ہوں''۔ اس کی آنکھوں میں پانی بھرنے لگ گیا تھا، اگرچہ اسے دو دن بخار نہیں تھا، مگر سر شان نے دو منٹ میں بخار کر دیا تھا۔

''اچھا ذرا دکھاؤ میں تمہارا بخار تو چیک کروں''۔ سر شان تو آج کسی مروت کے موڈ میں تھے ہی نہیں، فوراً اسے طلب کرلیا شاید دو دن کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے کا ارادہ تھا، وہ مارے باندھے اپنے بنچ سے سر کے قریب چلی آئی تھی، تمام کلاس اس کی کلاس ہوتے دیکھ رہی تھی اور محظوظ بھی ہو رہی تھی، کیونکہ یہ پہلی بار تھا جب سر شان نے اسے کھڑا کیا تھا ورنہ بریلینٹ Breliant اسٹوڈنٹ کے تحت وہ ہمیشہ سر کی شفقت وصول کنندہ رہی تھی۔ مگر دوسرے ہی لمحے ساری کلاس آنکھیں پھاڑے سامنے کا منظر تک رہی تھی۔ سر شان نے فجر کی کلائی تھام کر نبض ہی چیک نہیں کی، ماتھے پر انگلیاں ٹکا کر حرارت بھی نوٹ کی تھی، خود فجر سر کے پرفیوم کی مہک سے بزل ہو رہی تھی، جنہیں دور سے دیکھ کر لڑکیاں آہیں بھرتی تھیں، وہ اس کے اتنا قریب کھڑے تھے کہ اس نے سر کی ناک پر تل کا نشان تک دیکھ لیا تھا، جو دور سے واضح نہیں ہوتا تھا وہ جھینپ کر نگاہیں جھکا گئی۔ سر شان کے لبوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ تھی۔

''او کے تمہاری نبض بتا رہی ہے کہ تمہیں واقعی دو دن قبل بخار تھا، او کے جاؤ اور اپنی سیٹ پر بیٹھ جاؤ''۔ وہ گرتے پڑتے کلائی کے آزاد ہوتے ہی اپنی سیٹ پر آ گری، باقی کلاس تو ابھی تک اس سعادت سے محروم ہونے کا دکھ منا رہی تھی، کسی عقل ماری کو یہ تک خیال نہیں آیا کہ بھلا نبض دیکھ کر دو دن قبل بخار ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ کون سے میڈیکل میں ہوتا ہے۔

......☆......

''اکیسویں صدی میں رہتے ہوئے تم لوگ سترہ، اسی دہائی سے نکل نہیں پائے، اس دور میں بچپن کے رشتوں کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے، اب وہ دور کہاں ہے؟ جہاں دادا دادی کے بنائے اصول آخری نسل تک چلتے تھے''۔ غیاث لاوہ کی طرح سجدہ کے سر پر چڑھے جاتے تھے، آج تیسرا دن تھا جہانزیب شاہ کے واضح انکار کے بعد غیاث اور عباد نے سجدہ کی ناک میں دم کر دیا تھا۔ کبھی دلائل کے انبار لگائے جاتے تو کبھی دھمکیوں سے قائل کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی، وہ بے چاری تو مفت میں پس گئی تھی۔

''لیکن غیاث! فجر کا رشتہ بچپن میں نہیں چند سال قبل طے ہوا ہے، اور پھر آپ کے بھائی کی پسند یکطرفہ ہے فجر اس میں انوالو نہیں''۔ وہ یہ بات کوئی اٹھارہویں مرتبہ کہہ رہی تھی، مگر وہی بھینس کے آگے بین بجانے والا حساب تھا۔

''میں نہیں مانتا تمہاری بہن کی مرضی کے بنا عباد کبھی پرپوزل لے جانے کی بات نہیں کرسکتا تھا، وہ تمہاری فیملی کی طرح 70 کا بدھو نہیں، آج کا پریکٹیکل نوجوان ہے، اس نے پہلے سب معاملات کلیئر کرکے ہی ہمیں بات بڑھانے کا کہا ہوگا''۔ غیاث کسی طور ماننے کے نہیں دے رہے تھے دوسری طرف عباد نے خود کو کمرے میں بند کر کے

الگ پوری فیملی کو پریشان کررکھا تھا، تبھی تو سجدہ کو پریشرائز کیا جارہا تھا۔
"لیکن فجر ایسا نہیں کرسکتی، وہ ماں باپ کے فیصلے کے خلاف کبھی کوئی قدم نہیں اٹھاسکتی"۔ سجدہ بھی اپنا کیس لڑنے کی پوری سعی کررہی تھی۔
"بس سجدہ! میں کچھ نہیں جانتا اپنی ماں کے کان میں بات ڈال دو، فجر کا رشتہ صرف عباد سے ہوگا ورنہ کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا"۔ غیاث نے ماں کی پڑھائی پٹی انتہائی بے دردی سے سجدہ کے کان میں انڈیلی، وہ دل میں سوچتی رہ گئی کہ اکیسویں صدی کی ویل آف فیملی کہلانے کا دعویٰ کرنے والوں کا مینٹل لیول ایک جاہل چنے فروش سے زیادہ نہیں تھا۔

......☆......

"چپ چپ بیٹھے ہو ضرور کوئی بات ہے"۔ کان کے بہت پاس گنگناہٹ نے اسے حقیقت کی راہ دکھائی، جانے کن بھول بھلیوں میں بھٹکا پھر رہا تھا۔ ایمان کی شرارتی صورت اور بے سری آواز اسے ستانے کے لئے تیار کھڑی تھی۔
"اے کیا پوچھا ہے میں نے؟" ایمان نے وار خالی جاتا دیکھ کر یاددہانی کرائی۔ بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی"۔ معاذ بالآخر میدان میں اتر ہی آیا۔
"ادئے، ہوئے دس سال گزر گئے، ابھی تک جناب کی مشکل حل نہیں ہوئی"۔ ایمان نے اس کی طویل خاموشی پر جی بھر کے مذاق اڑایا۔
"بات تھی بھی ایسی معاذ کی فجر میں دلچسپی کوئی ڈھکی چھپی نہیں تھی، وہ بچپن سے ہی فجر کو بہت عزیز رکھتا تھا، اس کی ضروریات کو اس کے گھر والوں سے زیادہ سمجھتا تھا۔ زیادہ تر وقت اس کے گھر میں گزارتا، اپنے تمام کھلونے اس کی نذر کردیتا، اس کی ذرا سی فرمائش پر بھاگ بھاگ کر جانا اس کا ہمیشہ سے وطیرہ رہا تھا، عمر کے ادوار کے ساتھ انداز شوق بھلے سے نہ تھے، مگر دل کی دھڑکنیں آج بھی اسی ساز پر دھڑکتی تھیں، فجر اس کے برعکس ہمیشہ سے لئے دیئے انداز رکھتی تھی، نہ تغافل تھا نہ وابستگی، معاذ نے بھی اس کے گرد خول کو توڑنے کی کبھی کوشش نہیں کی، اپنی ہی چاہت کی دنیا بسائے خود ہی اس میں رنگ بھرے جاتا تھا۔ ان کی نسبت طے پانے میں بھی معاذ کے کسی عمل کا دخل نہیں تھا، یہ سراسر بھائیوں کے آپس کی صلاح تھی، جو رشتوں کو استحکام بخشنے کی ایک کوشش تھی، یوں اس کی خوشی خود بخود اس کا نصیب بنتے جارہی تھی۔
"سمیہ! فجر تمہیں اچھے رزلٹ کی مبارک باد دے رہی تھی"۔ ایمان کی آواز نے ایک بار پھر اسے جھنجھوڑا، کب سمیہ اور شمع بی ان کی محفل میں شریک ہوئیں اسے تو پتہ ہی نہ چل سکا۔
"مجھے نہیں چاہئے اس کی مبارک باد اسے کہنا خود آکر دے گی تو لوں گی"۔ سمیہ نے پیار بھری خفگی کا اظہار کیا۔
"وہ نہیں آئے گی جب تک محترم یہاں ہیں"۔ ایمان نے سمیہ کے کان میں سرگوشی کی، معاذ اشاروں کی زبان سمجھ گیا تینوں ہنس پڑے۔
"معاذ! پھوپھو کم سے کم اس سے ایک بار بات کرکے تو دیکھو وہ تو جب سے خبر سنی ہے سکتے میں گھوم رہی ہے، مجھ سے تو بات ہی نہیں کرتی سمجھ نہیں آتا خوش ہے کہ ناخوش"۔ ایمان نے شمع بی کے اٹھتے ہی اسے ایک بار پھر گھیرا، وہ یہ کوشش پچھلے کئی سالوں میں کئی بار کرچکی تھی، مگر معاذ کے چپ ٹوٹتے ہی نہ آئی تھی وہ ایک دوسرے کے حسین رازوں کے امین تھے۔

''ایمان! بڑے راضی ہیں تو پھر کیا مسئلہ ہے؟ وہ من پسند نتائج کے بعد لاپرواہ انداز میں گویا تھا، بغیر ہلے جلے کام جو بن گیا تھا۔

''اتنا آسان مت سمجھو سجدہ آپی کے سسرال میں اچھی خاصی پرابلم چل رہی ہے، صورتحال ہاتھ سے نکل بھی سکتی ہے، فجر کا تم سے متفق ہونا ضروری تھا''۔ ایمان نے بالآخر وہ بات کہہ ہی دی جسے کہنے کے لئے آج آئی تھی وہ ہر طرح کے حالات سے آنکھیں بند کیے بیٹھے شخص کو آگاہ کرنا چاہتی تھی، مگر کچھ خاص اثر ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

''اگر تم چاہتی ہو کہ میں اس سے بات کروں تو وہ میں کروں گا نہیں''۔ معاذ نے بھی صاف صاف جواب دیا۔

''کیوں......؟'' ایمان اور سمیہ کی بیک وقت کیوں برآمد ہوئی۔

''یار! وہ اتنی نادان ہے مجھے ڈر لگتا ہے اگر میں اس سے کچھ کہوں گا تو یا اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا، یا وہ ایسی شکل بنائے گی جسے دیکھ کر میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا''۔ معاذ کی بات پر فکر میں گھلتی ایمان کی ہنسی چھوٹ گئی، بات کسی حد تک سچ بھی تھی دونوں اس کے مزاج سے واقف تھے۔

''لیکن معاذ! اگر فجر نے تمہیں اس محاذ پر تنہا کر دیا تو پھر''۔ ایمان کے خدشات اپنی جگہ ڈٹے ہوئے تھے۔

''میں بلاوجہ کے وہموں میں نہیں پڑنا چاہتا، مجھے صرف اتنا پتہ ہے کہ اگر میری چاہت میں سچائی ہے تو کاتب تقدیر نا انصافی نہیں کرے گا''۔ وہ پرعزم تھا ایمان اس کے چہرے پر بکھرے محبت کے رنگ دیکھے گئی۔

......☆......

فون کی بیل نے نیند میں ہلکورے لیتی فجر شاہ کو اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

''ہیلو...... ہیلو کا'' و'' اس کی جمائی میں ڈوب گیا۔

''وعلیکم ہیلو'' دوسری طرف بھرپور صبح کا تاثر لئے بغیر ہیلو برآمد ہوا۔

''کون؟'' وہ ہنوز نیند کے اثر میں تھی، ایک سنڈے ہی تو ملتا تھا دیر تک سونے کے لئے اسے بھی برباد کرنے کوئی چلا آیا تھا، یہ اور بات ہے اگر وہ آنکھ کھول کر گھڑی دیکھتی تو گیارہ بجے صبح کے دوپہر میں بدلنے والے تھے۔

''کیسی ہیں آپی کی بہن''۔ عباد احمد کے مخصوص انداز نے اس کی آنکھیں پٹ سے کھول دیں، یہ پہلی مرتبہ تھا جب عباد نے پروپوزل کے انکار کے بعد اس سے رابطہ کیا تھا، وہ اس ناگہانی کے لئے قطعاً خود کو تیار نہ پاتی تھی۔

''خوب میزبان ہیں آپ لوگ ہمیشہ مہمانوں کو نامراد ہی لوٹاتے ہیں''۔ عباد نے اس کی مسلسل خاموشی پر گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھایا بلکہ فوراً مطلب تک لے آیا۔

''دیکھئے! آپ آپی کے دیور ہیں اس لئے میں......''

''آپی کے دیور کی خوب کہی انکار کرتے وقت یہ بات پیش نظر نہیں تھی''۔ عباد نے اس کی تنبیہ کو رستے میں ہی کاٹ کر خوب چبا کر معاملے کی نزاکت کی طرف اسے متوجہ کیا۔ وہ واقعی کچھ کہنے کے لائق نہ تھی، عجب دھونس تھی نئے رشتے کی خاطر پرانے رشتے کو سولی پر چڑھایا جا رہا تھا۔

''فجر......'' عباد اپنے لہجے کی بدصورتی پر یکدم شرمندہ سا ہو گیا، شہد آگئیں تنفس کے ساتھ اسے پکارا۔

''فجر میری خامیاں تو گنوا دو، کوئی فرد جرم ہی عائد کر دو، کوئی دفعہ نافذ کر دو کم مائیگی کے اس احساس سے نکال دو بہت تکلیف دہ ہے''۔ اس کے ہر لفظ سے اس کی تڑپ عیاں تھی، فجر سنگ پرست تو نہ تھی کہ کسی کو مٹی میں رول کر خوشیاں مناتی، شیشہ دل پر درد دستک دیتے تھے، مگر پارسائی صنف کو ہر آنسو پر پگھل جانا گوارہ نہ تھا۔

''عباد صاحب! انکار کا ریزن میرے بابا بتا چکے ہیں، خواہش کرنا آپ کا حق تھا، تو میرے لئے بہتر سے بہتر

سوچنا میرے والدین کا حق ہے، اگر ایک کی حق رسائی سے دوسرے کی حق تلفی ہو تو ظرف کا دامن وسیع کر لینا ہی سکون دیتا ہے۔ جوڑ توڑ کرنے کی سوچ رکھنے والے سکون کی نعمت کیسے پا سکتے ہیں؟" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولتی اپنا مطمع نظر، عباد کے متعلق اپنی سوچ حتیٰ کہ آئندہ کا اپنا فیصلہ تک اس پر واضح کر چکی تھی، جواباً کچھ کہنے کی حسرت وہ دل میں لئے رہ گیا کیونکہ وہ معذرت کر کے فون بند کر چکی تھی، عجیب شش و پنج اسے گھیرے میں لئے ہوئے تھی، اپنی خواہش تک رسائی یا محبوب کے دل میں کسک بن کر قیام آئندہ کا لائحہ عمل کیا ہو؟

☆

آج کالج رنگوں سے نہایا ہوا تھا سفید کپڑوں کی اپسرائیں رنگین تتلیوں کی مانند یہاں سے وہاں سرگرداں تھیں، لانگ شرٹس کی ورائٹی آنکھ کو خیرہ کئے دے رہی تھی، اسٹوڈنٹس ہی نہیں ٹیچرز کے بھی رنگ نرالے تھے، عام دنوں میں ڈھنگ سے بال بھی نہ بنانے والی ٹیچرز کے ہیئر اسٹائل اور میک اپ لڑکیوں میں مستقل زیر بحث تھے۔ کالج کے سالانہ مینا بازار کے انعقاد میں سب کی جان توڑ کاوش تھی، اسٹوڈنٹس کی مختلف ٹولیوں نے مختلف اسٹالز لگا کر شرکاء کو لوٹنے کے تمام انتظامات مکمل کر لئے تھے کون کتنے کا ہدف حاصل کرے گا باقاعدہ شرطیں باندھیں گئی تھیں۔ لائٹ پنک کلر کے پلین جارجٹ کی لانگ شرٹ پر شاکنگ پنک اسٹالر گلے میں ڈالے ڈھائی انچ کی سلور بالیاں پہنے، بالوں کو ننھے سے کیچر میں ذرا سا سائے کولاپوری چپل میں فجر شاہ کے رنگ روپ کی الگ ہی چھب تھی، مگر چونکہ آج ہر ایک دوسرے سے بڑھ کر بناؤ سنگھار کئے تھا۔ سو کسی ایک کو داد دینا مشکل تھا چائے کا اسٹال لگا کر اس نے اپنی دانست میں سب سے ہلکا اور کم بجٹ والا کام چنا تھا، مگر چائے کے شوقین کراچی والوں نے اسے اچھا خاصہ ہلکان کر دیا تھا، نتیجتاً اس نے ثمن کو بھی اپنی مدد کے لئے شامل کر لیا تھا۔

"اے فجر مس! انعم کو دیکھا ہے یار وہ تو کپڑے پہننا بھول ہی گئی ہیں" ثمن کے پراسرار طریقے سے اطلاع دینے پر اس کی آنکھیں پھٹی اور سانسیں تھم سی گئیں۔

"کیا کپڑے؟"

"ارے نہیں پاگل میرے کہنے کا مطلب تھا لباس میں بہت کچھ لیس ہے؟" ثمن نے اس کی غیر ہوتی حالت دیکھ کر اپنی تصحیح کی مبادا وہ گر کر بے ہوش ہی نہ ہو جائے۔

"کیا مطلب کیا اول فول بول رہی ہو؟" فجر کی جیسے جان میں جان آئی تھی، بھلا استاد کے بارے میں ایسی بات کا تصور بھی کیسے کیا جا سکتا ہے؟

"اور کیا قمیض سلیوز لیس، دوپٹہ غائب شدہ، ٹخنوں پر شلوار ندارد گلے پر سے......"

"ارے تو تجھے کیا ہے، پہننے دے جو پہنتی ہیں" فجر نے اس کی نامعقول تفصیلات کو بریک لگائے۔

"کیا مطلب پہننے دیں، ارے وہ ہماری ٹیچر ہیں ہمارے سامنے ان کا ایک امیج ہے، یہ ہماری تربیت گاہ ہے، انہیں اپنے پہناوے میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے" ثمن اپنے موقف سے ہٹنے کے لئے تیار نہ تھی۔

"لیکن وہ ایک عورت بھی تو ہیں اپنی مرضی سے جیسے چاہیں رہیں یہ ان کا حق ہے اب ٹیچر ہو کر وہ ہماری پراپرٹی تو نہیں بن گئی ناں" فجر بھی اس کو قائل کرنے کے لئے شروع ہو گئی۔

"تو اس طرح سے اپنے حق کا استعمال کر کے وہ اپنے اسٹوڈنٹس کو کیا تعلیم دے رہی ہیں کہ بس اپنے دل کی کرو کسی کی نہ سنو نہ سمجھو" ثمن اسے ہم خیال کئے بغیر چھوڑنے والی نہیں تھی۔

"نہیں وہ اس طرح کر کے اپنا معاشرتی حق استعمال کر رہی ہیں" فجر اپنے خیال کی عینک آنکھوں پر چڑھائے

ہوئے تھی۔
''مثلاً کون سا معاشرتی حق......'' سر شان کی بھاری آواز سے دونوں کئی فٹ اونچا اچھلی تھیں۔ آس پاس کے اسٹالز پر بھی لڑکیاں پوری طرح ان کی طرف متوجہ تھیں، ہجوم میں سر کی آمد اور بطور خاص فجر کے اسٹال پر تشریف آوری کسی کی نظر میں نہیں آپائی تھی۔
''سر آپ...... آیئے چائے لیں گے آپ''۔ فجر کی بوکھلاہٹ اس کے اسٹال کے لئے خطرہ ثابت ہوسکتی تھی، مگر اسے ہوش کب تھا؟
''ہاں کیا کہہ رہی تھیں تم معاشرتی حق کچھ وضاحت کروگی''۔ سر نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا، ثمن اور وہ ایک دوسرے کو تکے جارہی تھیں، وہ تو بس بات برائے بات کا ایک ذریعہ تھا، سر کب سے ان کی باتیں سن رہے تھے اور کیا کیا سنا تھا ثمن کو تو اپنی ابتداءاعابات کی شرمنا کی ہی غرق کئے دے رہی تھی۔
''سر! ہم تو بس ایسے ہی فضول سا بول رہے تھے، بس یونہی''۔ فجر کی گرامر تابڑ توڑ جاری ہوگئی، سر کے سامنے ضروری بات بھی دس بار سوچ کر بولنے والوں کے لئے غیر ضروری بولنا کس قدر محال تھا صاف نظر آرہا تھا۔
''یقیناً تم لوگ پرسنلی ڈسکس کررہے تھے، مگر بحیثیت ایک استاد کے تمہاری سوچ کو واضح سمت دینا میرا فرض ہے، تم نے کہا معاشرتی حق، کیا تم بتاسکتی ہو اپنے لباس کی بے احتیاطی سے کسی عورت کا کون سا حق متعین ہوتا ہے؟ اگر ایک عورت کو ہر قسم کے پہناوے کا حق حاصل ہے، تو کیا یہ حق تم اپنی ماں کو دینا پسند کروگی، وہ بھی ایک عورت ہے''۔ سر فجر کو نشانے پر لئے تھے، گویا انہیں فجر کے نقطۂ نظر سے اختلاف تھا ثمن کی جان میں جان آئی تھی۔
''نہیں سر! میرا کہنے کا مطلب تھا ہمیں کسی پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟'' فجر نے منمناتے ہوئے بات مکمل کی۔
''نہیں ہمیں کسی کے جائز فعل پر اعتراض کا کوئی حق نہیں اور ایسا فعل جو انفرادی نوعیت کا ہو، جس سے کسی دوسرے پر اثرات مرتب نہ ہوں، وہ فعل تنقید کے لائق تو ہیں مگر اختلاف کی گنجائش نہیں، مگر ایک ماں اور ایک استاد کا کوئی بھی عمل انفرادی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ تربیت گاہیں ہیں، وہ نمونہ عمل ہیں انہیں دیکھ کر بچے سیکھتے ہیں، ان کے عمل کی لاپرواہی پر اعتراض تربیت پانے والوں کا حق ہے اور جہاں تک معاشرتی حق کے حوالے سے بات ہے، تو کیا ہم نشہ کرنے والوں کو یہ کہہ کر اگنور کردوگی کہ اس کا معاشرتی حق ہے، جو چاہے کھائے پئے، چور، ڈاکو، دہشت گرد اس بنا پر نظر انداز کردیئے جائیں کہ یہ ان کا معاشرتی حق ہے جیسے چاہیں رہیں''۔ سر شان نے اپنے منصب کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے ان کی تصحیح کی تھی، سوچ کو درست سمت کی طرف موڑنے کی سعی کی تھی۔
''ثمن! ٹھیک کہتی ہے انسان کو اپنے مرتبے اور مقام کو سامنے رکھ کر اپنی پسند ناپسند کو متعین کرنا چاہئے، کتاب رٹوادینا، امتحان پاس کرادینا استاد کا فریضہ نہیں، اپنے ہر عمل سے اعلیٰ نمونہ پیش کرنا اسٹوڈنٹس کو صحیح غلط کی تمیز کرانا اصل مقصد ہے، خواہ اس کی تکمیل میں اسے اپنی نفسیاتی خواہشات کا گلا گھونٹنا پڑے''۔ گھول کر دماغ میں ڈال دینا شاید اسی لئے کہتے ہیں وہ اپنے مطمع نظر کو دلائل کے ساتھ ان کے ذہنوں میں انڈیل کر ذہن و دل کو شفافیت پہنچاچکے تھے۔ ثمن کے چہرے کے ایکسپریشن سے فجر کو اپنی جیت کا مژدہ سنایا، جو ہر بات سے متفق ہونے میں کوئی سبکی محسوس نہیں کررہی تھی۔
''ویسے اچھی چائے پینا میرا معاشرتی حق ہے''۔ سر شان نے ماحول کو خوشگوار بنانے کے لئے سر جھکائے فجر کے سر پر انگلی بجائی اور مسکرا کر بات کا رخ موڑ دیا۔

''جی سر! ابھی بناتی ہوں''۔ وہ فوراً ایکٹیو ہوگئی، سر کے ہاتھ میں کپ تھماتے ہوئے آس پاس کی سکتے میں کھڑی لڑکیوں کو اپنے اپنے کام سے لگو کا اشارہ دے چکی تھی۔ سر نے چائے کا ایک ہی گھونٹ لے کر واپس رکھ دیا، وہ وجہ دریافت کرنا ہی چاہتی تھی کہ سر نے اسٹال کے بورڈ پر لگی قیمت اس کی طرف بڑھائی وہ ٹپٹا گئی۔

''نو سر! اس کی ضرورت نہیں آپ نے چائے پی ہی کب ہے؟''

''یہ قیمت اس بات کی ہے کہ تم نے مجھے چائے کے ذائقے سے روشناس کرا دیا ہے، یہ ایک گھونٹ میری زندگی کا پہلا Sip of tea ہے''۔ سر کی بات نے اسے حیران کردیا، دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو چائے نہیں پیتے اس کے تو دن میں پیئے گئے چائے کے کپ گننے میں بھی نہیں آسکتے تھے۔

''سر! چائے کیسی تھی؟'' سر کو مڑتے دیکھ کر وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

''اٹریکٹو تمہاری طرح''۔ سر کہہ کر جاچکے تھے مگر ''تمہاری طرح'' کی صدائیں اسے حصار میں لئے ہوئے تھیں ثمن کی تو معنی خیز مسکراہٹ ہی ختم ہونے کو نہ آرہی تھی، جبکہ وہ خلاء میں تھی یا زمین پر اسے کچھ خبر نہ تھی۔

......☆......

''سجدہ! خود ہی سوچ یہ کیسے ممکن ہے؟'' آمنہ بی پریشانی سے بولیں، بالآخر بات قابو میں نہ آتی دیکھ کر سجدہ والدین کے آگے دست سوال دراز کئے ہوئے تھی۔

''ماما! میں نے انہیں سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر ان پڑھے لکھے جاہلوں پر کچھ اثر نہ ہوا آپ بتائیں میں کیا کروں؟'' سجدہ کی اضطرابی کیفیت سے اسے پریشرائز کئے جانے کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا تھا۔

''ہم نے تو اپنی دانست میں تمہیں ایک پڑھی لکھی، معاملہ فہم فیملی میں بیاہا تھا، کیا معلوم تھا ضد اور انا سب کو ایک ہی لائن میں کھڑا کردیتی ہے''۔ آمنہ بی کا تفکر دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، بیٹی کا بسا بسایا گھر اجڑتا کون ماں دیکھ سکتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ سجدہ کے لئے ایک بہترین سسرال تھی، مگر لاڈلے بیٹے کی مجھے چاند چاہئے کی فرمائش پر وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔

''بابا جان! میں نے انہیں سمجھانے کے ساتھ ساتھ ٹالنے کی کوشش بھی کی ہے، یہ کہہ کر عبا و اپنا بزنس سیٹل کرلے تب تک فجر کی اسٹڈی بھی کمپلیٹ ہوجائے گی، سوچیں گے مگر عبا و کچھ سننے کو تیار نہیں، وہ ابھی دنوں میں منگنی کی رٹ لگائے ہوئے ہیں''۔ سجدہ نے کافی دیر سے خاموش بیٹھے جہانزیب شاہ کو مخاطب کیا، جن کی دلی اذیت سے وہ خوب واقف تھی، دنیا میں فقط ایک ہی بھائی کا وجود موجود تھا، جسے خون سے مزید جوڑنے رکھنے کے لئے انہوں نے یہ رشتہ استوار کرنا چاہا تھا، اور سب باتوں کی ایک بات معاذ ان کا ہردلعزیز تھا۔ شروع ہی سے اسے جان سے بڑھ کر چاہتے تھے بھائی کو رشتے سے انکار گویا دلوں میں فصیلیں بنانے کے مترادف تھا، دوسری طرف سجدہ کے ساتھ ناانصافی بھی انہیں کھائے جارہی تھی۔

......☆......

''ایمان تمہیں کیا بتاؤں؟ وہ جب بات کرتے ہیں تو دل چاہتا ہے کہ وہ بات کرتے رہیں اور ہم سنتے رہیں''۔

''کون کس کی بات کررہی ہو''۔ ایمان جو گھر میں پھیلی کشیدگی کے زیر اثر تھی، ہر بات سے لاعلم فجر کی آواز پر چونک اٹھی جو کافی دیر سے بیڈ پر لیٹی چھت کو تک رہی تھی جب بولی تو معلوم ہوا سوچ کیا رہی تھی؟

''کالج کی ہر لڑکی کے فیورٹ ٹیچر ''سر شان''۔ وہ ہنوز اسی کیفیت میں بولی چہرے پر شوق کا جہان آباد تھا۔

''ایک تو تم سب سر شان سے کچھ زیادہ ہی امپریس ہو''۔ ایمان اس کی حالت سے چڑتے ہوئے بولی۔

''ایمان! وہ اتنی ماورائی سی شخصیت معلوم ہوتے ہیں، کہ مجھے لگتا ہے وہ اس جہان کی مخلوق ہی نہیں ہیں''۔
''فجر! کنٹرول یور سیلف اتنی انسپائریشن اچھی نہیں''۔ ایمان نے بڑی بہن ہونے کا حق ادا کیا۔
''ایمان! وہ بائے فیس جتنے اچھے ہیں، بائے نیچر اس سے بڑھ کر ہیں، وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے اور......''
فجر پر تو کچھ اثر دکھائی نہ دیتا تھا۔
''فجر میں تمہارے سر شان پر کتاب لکھنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی، تم اپنی تفصیلات بند کرو''۔
''ایمان! وہ لڑکیوں سے ذرا بھی فری نہیں ہوتے، حالانکہ سب ان سے بات کرنے کے لئے کیا کیا جتن کرتی ہیں وہ مونا ہے ناں وہ''۔
''فجر! میں مونا کی بے وقوفی پر داد دینے والی نہیں، تم بھی ایسی احمقانہ حرکتوں پر توجہ نہ دیا کرو''۔
''ایمان وہ جس دن کلاس میں نہیں آتے لڑکیاں اتنی اداس ہوتی ہیں، بلکہ مونا کا گروپ کہہ رہا تھا، سر کی ڈانٹ سننے کی عادت پڑ گئی ہے، اب جس دن ڈانٹ نہ پڑے کھانا ہضم نہیں ہوتا''۔
''فجر کی بچی بس کرو یہ قصہ اب کوئی اور بات کرو''۔
ایمان! ان میں ایک کشش ہے وہ سب سے جدا لگتے ہیں''۔
''فجر خدا کے لئے بس کر دو اگر میرے پاس سونے کے لئے کوئی اور جگہ ہوتی تو کب کی تم پر لعنت بھیج کر جا چکی ہوتی، میری مجبوری کا ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ''۔
''ایمان! تم ان سے ایک بار مل کر دیکھو، میں دیکھتی ہوں تم کیسے اس ذکر میں دلچسپی نہیں لیتیں''۔ اب فجر کو اس کی بیزارگی نے متوجہ کر ہی لیا۔ وہ آئیڈیلزم کی انتہا پر تھی، سر شان کی مینا بازار والی استاد کے مقام و مرتبے والی تقریر نے تو اسے اور بھی ان کا گرویدہ بنا دیا تھا، پتہ نہیں وہ اپنے دل میں انہیں کیا مقام دیئے ہوئے تھی؟
''ایمان! سر کی آنکھیں بھی اتنی خوبصورت ہیں، ان آنکھوں کا بند ہونا ان کا حسن نہیں بلکہ ان کا شرافت سے بھرپور ہونا ان کی خوبی ہے''۔
''فجر! کیا سر شان کی آنکھیں معاذ کی آنکھوں سے زیادہ حسین ہیں؟'' ایمان کا تیر نشانے پر لگا، وہ جو اس کی ہر بات سے بے نیاز اپنی ہی کیے جا رہی تھی، تھم ہی گئی، اس کی آنکھیں ایمان کے چہرے پر جم گئیں اور ہاتھ آپس میں جڑ گئے ایمان اپنی ترکیب پر خوش تو تھی، مگر وہ اندازہ نہ لگا سکی کہ آیا فجر کی یہ کیفیت کیا معنی رکھتی ہے؟

......☆......

جہانزیب فیملی کے لئے اگلی صبح مزید دشواری لئے نمودار ہوئی، جب علی الصبح شاہ زیب شاہ بھائی کے گھر تشریف لے آئے، جانے انہیں کچھ بھنک پڑی تھی یا حفظ ماتقدم تھا چھوٹے بھائی نے باقاعدہ طور پر معاذ کے رشتے کو نہ صرف پیش کیا بلکہ فوری منگنی کی استدعا بھی کر دی۔ جہانزیب شاہ کے لئے عجیب دوراہا تعمیر کر دیا گیا تھا سجدہ تین دن سے میکے میں تھی، بھائی کے پھیلے دامن کو خالی لوٹانا بھی ان کے بس میں نہ تھا۔ جہانزیب شاہ جہاندیدہ اور زیرک انسان تھے، جذباتی اور فوری فیصلے کس قدر غیر مستحکم ثابت ہوتے ہیں، وہ بخوبی واقف تھے بیٹیوں کو کانچ کی طرح سنبھال کر رکھنے والے والدین رشتوں اور ضدوں کے قلعوں میں انہیں کیسے قید کر سکتے تھے۔ سو ایک طویل سوچ بچار ہر اونچ نیچ کے لئے خود کو تیار کرنے کے بعد انہوں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ غیاث احمد کو طلب کر کے عندیہ سنا دیا گیا۔
''غیاث! مجھے زندگی میں بیٹے کی کمی کبھی محسوس نہیں ہوئی، میں نے اپنی بیٹیوں کو سیپ میں موتی کی طرح سجا کر رکھا ہے۔ میرے آنگن کی کلیاں قدموں تلے روندنے کے لائق نہیں ہیں، جب تک میں زندہ ہوں میری بچیاں

کھلکھلائیں، نہ رہوں تو میری تربیت انہیں مضبوط بنانے میں مدد دے گی، تم کو بیٹا بنا کر اپنا قیمتی موتی تمہاری گود میں ڈالا تھا، کیونکہ حکم ربی اور سنت نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

''تم میری بچی کو چاہے دنیا کا کوئی سکھ نہ دیتے، مگر اس کی عزت نفس کا لحاظ کرتے تو میرے نزدیک سجدہ سے زیادہ خوش بخت کوئی بیٹی نہ ہوتی، تم نے میری بیٹی کا ہاتھ مانگا تھا، بھائی کی خواہش کے تحت جائز تھا، میں نے اپنے مجبوری کے تحت انکار کیا مصلحت کا تقاضا تھا، مگر تم لوگوں نے شطرنج کی بساط بچھادی، اگر کھیلنا میرے لئے لازم ہے تو ٹھیک ہے میں ایک بیٹی ترازو میں رکھنے والوں کو دوسری بیٹی کا ساتھ نہیں دے سکتا، آگے تمہاری مرضی سجدہ کو لے کر اپنا گھر بسانا چاہو تو میری دعائیں، تمہارے ساتھ ہیں اور عباد کی ہٹ دھرمی پر مہر لگانا چاہو، تو میری سجدہ تاحیات میرے گھر کی بہار ہے اور رہے گی''۔

جہانزیب شاہ کہے جاتے تھے اور غیاث احمد کی خاموشی گہری ہوتی جارہی تھی، نامعلوم اس خاموشی میں غضب پوشیدہ تھا یا ہوش وحواس کروٹ لے رہے تھے۔ بہرحال جہانزیب شاہ کے فیصلے سے اختلاف صرف فریق مخالف کو ہی ہوسکتا تھا، ان کے آنگن کی چڑیاں آنکھوں میں اشک لئے اپنے بابا کے پرعزم چہرے کو تکے جارہی تھیں۔ اپنے گھر کی تباہی کے خوف کے باوجود سجدہ کے لبوں پر اپنے پیار لٹاتے بابا جان کے لئے تشکرانہ مسکراہٹ تھی۔

......☆......

معاذ کے خیالاتی محل میں بھی دراڑیں پڑ چکی تھیں۔ جہانزیب شاہ نے شاہ زیب شاہ سے بھائی مان کے ساتھ معذرت کرلی کہ منگنی شادی ایک طرف وہ فی الحال اس رشتے کے استحکام کی بھی یقین دہانی نہیں کراسکتے۔ ظاہر ہے چند ماہ کی بیاہتا بیٹی کو گھر بیٹھا کر دوسری بیٹی کی خوشی کے شادیانے کیسے بجائے جاسکتے تھے اور پھر دل میں ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید اس ضرورت سے زیادہ پڑھی لکھی فیملی کے اندر انسانیت جاگ جائے اور وہ ہٹ دھرمی سے باز آجائیں، شاید سجدہ پھر سے اپنے گھر جاسکے، مگر فجر شاہ کی کہیں اور نسبت طے کرنا گویا سجدہ کے مقدر میں آخری کیل ٹھوکنا تھا، ضد اور خودسری سے بھلا بعید بھی کیا کیا جاسکتا ہے۔

جہانزیب شاہ نے ہر مسئلہ کا حل فی الوقت خاموشی کو گردانا اور اپنی نازک چڑیوں کو خود میں چھپائے زمانے کے سرد وگرم سے بچانے کی سعی کرنے لگے، کیونکہ جب فیصلہ انسان کی استطاعت سے باہر ہوجائے تو تقدیر اور حکم الٰہی کا منتظر ہوجانا ہی ہر مسئلہ کا حل ہے۔

......☆......

''فجر! آج ناشتہ نہیں کیا''۔ سر شان کی طرف سے غیر متوقع سوال پر وہ حیران وپریشان انہیں تکے گئی، کلاس روم میں دوران پیریڈ اس کی مستقل دماغی غیر حاضری کو نوٹ کرتے ہوئے سر نے اپنے انداز میں دریافت کیا۔

''سر کیا تھا''۔ وہ منمنائی۔

''کیا کیا تھا؟'' مختصر اسوال حاضر تھا۔

''سر ناشتہ''۔

''اوں ہوں سر ناشتہ نہیں سر شان تم نے میرا نام بدل دیا''۔ سر نے شگفتہ پیرائے میں اس کی کھینچا تانی جاری رکھی۔

''نوسر!'' وہ پھر سے منمن کرنے لگی۔

''کیا نوسر! اب تم مجھے نوسر باز کہوگی؟''

''نہیں سر! جی سر، وہ سر، اصل میں سر''۔ اس کی گردان سر اسٹارٹ ہوچکی تھی۔

''بس کردو میرا سر دکھنے لگ گیا ہے''۔ سر نے بک میز پر بجا کر تقریباً دھاڑتے ہوئے کہا، وہ جو پہلے ہی حراساں تھی، ساون بھادوں برسنے لگی، سر شان پوری کلاس سمیت اس کی نین برسات دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ سے ہنس مکھ اور لاپرواہ سی رہی تھی آج ذرا سی بات پر کیا ستم ہوا کہ ضبط کے بندھ ہی ٹوٹ گئے۔ ثمن سر کی موجودگی کی پروا کیے بغیر اسے گلے سے لگائے تسلی دینے لگی، خود سر بھی ذرا سی ڈانٹ پر ایسا ردعمل دیکھ کر سوچ میں پڑ گئے تھے کہ اچھی خاصی ڈانٹ پر بھی کوئی اسٹوڈنٹ ایسے چھاجوں نہ برسی تھی۔

''فجر! کنٹرول یور سیلف جاؤ پانی پی کر آؤ، ہری اپ''۔ سر نے سخت لہجے میں اسے خاموش کرایا، پانی پی کر آ کر وہ لوٹنے لگی تو سر کی لائبریری میں طلبی کا آرڈر ملا، وہ آج کے دن کو منحوس ترین دن قرار دیتے ہوئے سر کی خدمت میں حاضر تھی۔

''جی فرمایئے''۔ سر خود ہی طلب کرنے کے بعد خود ہی وجہ آمد دریافت کرنے لگے۔

''سر! آپ نے بلایا تھا''۔ وہ دل کی بھڑاس نکل جانے کے بعد قدرے نارمل حالت میں تھی اعتماد سے بولی۔

''ہاں وہ میں نے کہنا تھا کہ آج گھر میں پانی نہیں آ رہا''۔ سر کی ایک اور انوکھی اطلاع نے اسے پھر اعتماد سے محروم کر دیا۔

''جی سر پانی''۔

''لو میں اب سر پانی ہو گیا، کل کو سر جاپانی بنا دو گی یا پھر سر ایرانی''۔ سر شان آج طنز و مزاح کا ناول رٹ کر آئے تھے، اور اس کی ہکلاہٹ انہیں موقع بھی خوب فراہم کر رہی تھی۔ اب اس نے دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔

''میں کہہ رہا تھا، میرے گھر پانی نہیں آ رہا تم اپنے واٹر پلانٹ سے واٹر سپلائی کر دو عین نوازش ہو گی''۔ سر کی دبی دبی مسکراہٹ کے ساتھ دی گئی وضاحت اسے آنسوؤں سے نہیں شرم سے پانی پانی کر گئی۔

''سر! وہ میں ایسے ہی رو پڑی تھی''۔ وہ قدرے مطمئن انداز سے بولی سر شان کے لبوں کی مسکراہٹ بھی غیر معمولی تھی۔

''اسی بات کا تو شکوہ ہے تم ایسے ہی رو پڑیں، اگر بتا کر روتیں تو میں یہ موتی Save ضرور کر لیتا''۔ سر شان کی بات سے وہ قطعاً اخذ نہ کر پائی کہ اب کے پیرائے گفتگو طنزیہ تھا کہ فکریہ البتہ اپنی جانب متوجہ ان کی آنکھوں میں رنگ پہلے سے مختلف تھے۔

''سر! وہ کچھ گھریلو مسائل کی وجہ سے الجھن کا شکار ہوں''۔ وہ نا چاہتے ہوئے بھی سچ کہہ اٹھی یہ دیکھے بنا کہ سر اپنی بات کے نظر انداز کیے جانے پر برہم ہو چکے تھے۔

''ابھی سے الجھنوں اور مسائل کے رونے، یہ سب زندگی کے ساتھ چلتے ہی نہیں بڑھتے بھی رہیں گے، آج کچھ ہے تو کل کچھ اور ہو گا لیکن تمہاری لائف کا یہ امپورٹنٹ اور گراتھ فل پیریڈ پھر نہیں آئے گا، اس لئے کبوتر کی طرح آنکھیں موندے ہر بات سے بے نیاز صرف اپنی اسٹڈی پر توجہ دو''۔ سر نے نہ تو کھوجا نہ اندر کا بھید جانا اور اسے بے فکری کا سبق رٹا کے اپنے حصے کا فرض ادا کر دیا، وہ بتانا چاہتی تھی کہ سحدہ آپی کی بے رنگ زندگی اور بابا جان کی بے تکمیل خواہشات کا بوجھ لادے، وہ آنکھیں بند کیے کیسے اپنے لئے جی سکتی تھی۔

☆

گھر اس کے ماں باپ کی بنائی جنت جس کے ذرے ذرے سے سکون کی آبشاریں بہتی تھیں، جہاں ہر دم بہار

مسرت کا ڈیرا تھا، کیوں جنم لیا؟ اس نے یہاں کہ، جنت کی ہمیشگی باقی نہ رہی، کیوں عمر کے اس دور میں داخل ہوئی؟ کہ جہاں خزاں میں ڈھل گئی، سجدہ آپی کی خاموش ذات میں کوئی شکوہ نہ تھا، تو پھر وہ کیوں خود کو کٹہرے میں پاتی تھی؟ بابا جان کی کمزور ہستی جس مضبوط سہارے کی متلاشی تھی، وہ کیوں اس کی وجہ سے سراب میں بدل گیا تھا، دن رات اپنے جرائم شمار کرتی، ان کے لئے سزائیں تجویز کرتی، وہ کیسے اپنے پیاروں کے مسائل سے آنکھیں چرا سکتی تھی۔ سر شان نے کتنی آسانی سے حل تجویز کیا تھا، شاید کسی نے سچ ہی کہا ہے جس تن لگیاں اوہی جانے۔

''ایمان! کیا اب تم سے بات کرنے کے لئے اپائمنٹ لینا پڑے گی''۔ وہ کچن میں چپ چاپ ہانڈی میں چمچ چلاتی ایمان کے گلے کا ہار ہوئی، گھر کے کھنچے ماحول سے کوئی بھی محفوظ نہ تھا۔

''نہیں اوپن ڈور ہے جب چاہے آؤ مگر شوز آف لکھا ہوا ضرور پڑھ لینا''۔ ایمان اور مست خرام ہوا میں کیا فرق تھا؟ فجر کو تازگی کا احساس ہوا۔

''ایمان! کیا ہم بابا جان کے گرد لپٹی الجھنوں کی ڈور کاٹ نہیں سکتے ان کے آنگن کی چڑیاں کیا فکروں سے لدھے ان کے مہربان پہلو میں دبک کر آنکھیں موند سکتی ہیں''۔ فجر دلگرفتگی کے ساتھ گویا تھی آنکھوں کی نمی یکساں تھی تو دل کی تڑپ بھی ایک سی تھی، دونوں کچھ کرنے کی خواہاں تھیں مگر کیا؟ کس راہ پر قدم رکھیں کہ منزل ملے نہ ملے مگر گھٹنائیاں ضرور آسان ہو جائیں۔

''کاش کہ میرے پاس کوئی اسم، کوئی طلسم وغیرہ ہوتا''۔ ایمان بلاوجہ کے استعارات کو دامن سے جھاڑتی فکر مندانہ شوخی سے روبرو تھی۔

''اگر معاملات کو سلجھانے کے لئے ہمیں اپنی دل و دماغ اور ان کی خواہشات کو بین Bane لگانا پڑا تو کیا کر سکو گی؟'' فجر نے کیا دریافت کیا اور ایمان نے کیا اخذ؟ کچھ بھی واضح کئے بغیر دونوں چڑیاں اپنی مہربان چھت کی خاطر کمر بستہ ہو گئی تھی۔

☆

''فجر! تمہارے گھر کا مہمان اور تمہارے دل کا مکین بننا چاہتا ہوں''۔ وہ سن دماغ اور بے حس وجود کے ساتھ یک ٹک انہیں تک رہی تھی، حیرت حد سے سوا تھی تو اندر کے شور نے الگ ہلکان کر دیا تھا۔ اظہار محبت کر کے کسی نے دل کی تھکن اتار دی تھی تو کسی کے اندر بوجھ طاقت سے زیادہ بڑھ گیا تھا۔

وہ جو پہلے کئی چاہتوں کے انبار اٹھائے ہوئے تھے، ایک نئے امتحان سے دوچار تھی عباد احمد کی چنگھاڑتی محبت ہو یا معاذ کی سلگتی چاہت، وہ تو اس راہ کی متمنی تھی جہاں اس کے مہربان باپ اور پیاروں کے مسائل کا حل تھا، وہاں وہ اس نئی خواہش کا خیر مقدم کیسے کر سکتی تھی؟ بریک ٹائم میں سر کا بلاوا اس کے لئے حیران کن تھا۔ وہ خیالات کی تھکن کے ہمراہ سر شان کے روبرو تھی، کتنی خواہش تھی اس کے اندر کہ وہ اپنے آئیڈیل ٹیچر کے منہ سے تعریفی کلمات سنے ان کے سامنے اپنے حالات رفتہ بیان کرے اور جواباً وہ اپنی دھیمے پھوار برساتے لہجے میں اسے تسلی کے چند بول عطا کریں۔

لیکن کیا ہوا کہ اس کے آئیڈیل سانچے میں لکیر آ گئی، جس میں وہ سر شان کے دو چہرے دیکھنے لگی، وہ کوئی غلط کام نہیں کر رہے تھے، محض دل کی خواہش کا اظہار ہی تو کیا تھا، لیکن شاید حالات مناسب نہ تھے۔ دوسری طرف ان کی ہر ادا پر فدا فجر شاہ سے وہ ایسے جواب کی توقع نہیں رکھتے تھے۔

''سر! میں پہلے ہی مشکل میں ہوں، میرے لئے میرے پیاروں کی خواہش امتحان بنی ہوئی ہے۔ آپ مجھے خواہش کے نئے بھنور میں مت اتاریں''۔ فجر کی دلگرفتگی سر کے لئے تعجب خیز تھی، ایسا کیا کہہ دیا تھا انہوں نے کہ وہ

پہیلیاں بھجوانے لگ پڑی تھی، لاابالی کم عمر اسٹوڈنٹ سے وہ کچھ اور ہی رسپانس کے متمنی تھے۔

''فجر! میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا، الجھنوں کے دھاگے جینے کی راہیں تنگ کر دیتے ہیں، مگر خود کے لئے جینے کی کوشش گرہیں کاٹ لیتی ہے، گرچہ وقت کا زیاں ناگزیر ہے مگر کامیابی کا حصول یقینی ہے۔''

کچھ بھی تو غلط اور نیا نہیں تھا ان کی باتوں میں، عام حالات میں وہ کیا کچھ نہ کر جاتی مگر اس وقت اس کے لئے سب کچھ بے معنی تھا۔ سو وہ سر کی بات اور خواہش دونوں کو ادھورا چھوڑے یہ کہہ کر جا چکی تھی۔

''لیکن سر! میں اپنوں کے لئے جینا چاہتی ہوں اپنے لئے نہیں۔''

☆......☆......☆

''فجر! کیا کرنے لگی ہو؟'' اسے آدھی رات کمرے میں نہ پا کر ایمان ٹیرس پر چلی آئی تھی، جہاں وہ موبائل تھامے گہری سوچ میں مگن لگتی تھی۔ ایمان کو اس کی بات کا کیا جواب دیتی، جبکہ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کی انگلیوں نے یہ نمبر کیسے ڈائل کر لیا تھا؟ آدھی رات کو کئے گئے فون کو جتنی دیر میں ریسیو ہونا تھا، وہ جانتی تھی سو کسی کی نیند ٹوٹنے کا سکون سے انتظار کرتی رہی اور ایمان اس کے منہ کھولنے کا انتظار کرتی جا چکی تھی۔

''ہیلو کون؟''

''فجر جہانزیب شاہ'' ۔ نیم خوابیدہ آواز تعارف کے بعد کس حد تک بیدار ہو چکی تھی، یہ وہ بنا دیکھے بتا سکتی تھی۔

''فجر! اس وقت، سب ٹھیک تو ہے؟'' اضطرابی پریشانی میں مبتلا سوال حاضر تھا۔

''ٹھیک کچھ ٹھیک رہنے دیا ہے آپ نے ہمارے گھر میں'' ۔ وہ ادھر ادھر کی تمہید میں وقت ضائع کرنے کی بجائے دوٹوک انداز اپنانا چاہتی تھی، مگر مخاطب کے لہجے کی حلاوت اور انداز فکرمندی میں کیا اسرار تھا؟ کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر اٹھی، عجب ہے کہ وہ الزام دھر رہی تھی اور مخاطب کو سراسر اپنایت محسوس ہو رہی تھی۔

''فجر! جانے انجانے میں کیا خطا سرزد ہوئی ہنوز لاعلم ہوں'' ۔ اس لب و لہجے کی وارفتگی سے وہ آج سے قبل انجان تھی، سو کچھ لمحوں کے لئے چپ سی ہو گئی۔

''فجر! تمہارے لئے کسی تکلیف کا باعث بنا ہوں، تو ازالے کی صورت کیا ہو گی نہیں جانتا'' ۔

''لیکن میں جانتی ہوں کہ مجھے اپنے پیاروں کے لئے جینا ہے، اسی لئے ایک عرض لائی ہوں ایمان میرے بابا کے آنگن کا کھلکھلاتا پھول ہے، اسے اپنا کر میرے بابا کے دل کی ازلی خواہش کو پورا کر دیں'' ۔ فجر بالآخر مدعا زبان پر لے آئی، مان و استحقاق ہر لفظ سے عیاں تھا۔ اظہار چاہ کے عدم خطاوار سے برسوں سے سنمیت کر پروان چڑھائی چاہت کی قربانی طلب کی گئی تھی۔

''فجر! ان پیاروں میں، میرا کہیں شمار نہیں ہے؟'' حسرت و شوق کا جہان آباد کیے سوال حاضر تھا، اگرچہ خواہش و قربانی غیر متوقع تھی مگر اس کی سانس تو پیاروں کے ذکر پر ہی اٹک گئی تھی، کیا سننا چاہتا تھا وہ ان لبوں سے جنہوں نے کبھی مخاطب کا دامن نہ تھاما تھا، گر پنکھڑیاں وا ہوئی تھیں، تو کس خواہش کے تحت تقدیر کا انوکھا مذاق تھا۔

''میں نہیں جانتی میری انگلیوں نے آپ کا نمبر کیوں ڈائل کیا، ہاں مگر یقین ہے کہ یہ عرض اس دل سے ہے جہاں سے خالی لوٹنے کی امید نہیں ہے'' ۔ سزا سنا کر قلم توڑ دیا گیا تھا، اپنا کہہ کر لوٹ لیا گیا تھا کچھ کہتے تو مان ٹوٹ جاتا نہ کہتے تو عشق سے امان ہو جاتا، خوابوں کے خریدار کو خواب بیچنے کی راہ دکھا دی گئی تھی، ہمیشہ کی طرح اس نے اپنا معاملہ کاتب تقدیر کے سپرد کر دیا۔

☆......☆......☆

آسمان زمین پر کیسی صبح طلوع ہوئی تھی، وہ بیک وقت کئی آزمائشوں کی لپیٹ میں تھی۔ جہانزیب شاہ، شاہ زیب شاہ اور لاڈلے بھتیجے کے ساتھ خوش و مگن تھے، تو آپی سجدہ اپنے بسیرے کی سلامتی کی گارنٹی دیئے غیاث احمد کے ساتھ روانگی کی تیاریوں میں تھیں۔ معاذ عبدالغازی اور ایمان کی شوخ گفتگو پہلے سی نہ تھی، معاذ کی تکلیف دل سے واقف ایمان کے لیے فیصلہ سہل نہ تھا، تو دوسری طرف اپنے پیار کے پیاروں کی خاطر گردن معاذ نے بھی جھکائی تھی، مگر وہ کیوں دلگرفتہ تھی؟

تقدیر اور تدبیر کا فرق یہیں سے شروع ہوتا ہے یہ ایک دوسرے کی خاطر جینے والوں کی تدبیر تھی، تو کہیں تقدیر بھی تھی جو اٹل تھی، عین اس وقت جب معاذ، ایمان کے لیے پرپوزل دیتا اور غیاث عباد اور فجر کی بات طے کر کے تفاخراً واپس گھر لوٹتے کہ عباد احمد کی فون کال نے سب کو انگشت بدنداں کر دیا۔

عباد نے فجر کے رشتہ کے بابت اپنی ضد سے رجوع کر لیا تھا اور اس نے جہانزیب سے معذرت کرتے ہوئے اپنے فیصلے کو جذباتی قرار دیا۔ سب اس اچانک رویئے سے متعجب تھے، غیاث سجدہ کو لیے ہر بات سے کنارہ کشی اختیار کرتے اپنے گھر لوٹ گئے اور شاہ زیب شاہ کے ایمان کے لیے سوال اٹھاتے لبوں نے فجر شاہ سے منگنی کی رسم کے لیے بھائی سے التجا کی جسے بخوشی قبول کر لیا گیا۔ کیا معجزہ ہوا؟ کیا عجب تماشا تھا کہ اگر بنتی بگڑی تھی، تو کاتب تقدیر نے بگڑی بنا بھی دی تھی۔ سب کے دلوں میں ابہام تھا عباد احمد کے اچانک رویئے کے متعلق سب حیران تھے سوائے ایمان کے۔

''ایمان! تم نے یہ سب کیسے کیا اور مجھے بتایا بھی نہیں؟'' فجر اپنی چنچل بہن کے چمکتے چہرے کو آنکھوں میں سموئے حیرت سے بولی۔

''کیوں تمہیں کیوں بتاتی تم نے معاذ کو فون کرتے وقت مجھے بتایا تھا، جب ہمارے درمیان طے ہوا تھا کہ تم عباد احمد سے رشتہ کے لیے بات کرو گی اور میں معاذ سے بابا جان کی خواہش سے متعلق تو پھر تم نے معاذ کو کال کیوں کی؟'' ایمان بھنوئیں اچکائے سوال کر گئی۔

''مجھے نہیں پتہ میں نے انہیں کال کیوں کی؟'' فجر منمناتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

''میں بتاتی ہوں تم نے ''انہیں'' کال کیوں کی، کیونکہ معاذ عبدالغازی کی پرسکون لہروں کو مانند راہ بناتی چاہت کب تمہارے دل میں طغیانی برپا کر گئی، تمہیں معلوم بھی نہ ہوسکا۔ اس دن مجھے میرے سوال کا جواب ملا کہ تمہاری چاہت کیا ہے؟ سو میرے لیے فیصلہ کرنا اور بھی دشوار ہو گیا تھا، اسی لیے میری انگلیوں نے عباد احمد کا نمبر کیسے ڈائل کیا تھا، تمہاری طرح میں بھی ناواقف تھی زیادہ بحث نہیں کی میں نے، بس اس شخص کی ایگو کو ٹچ کر کے اتنا کہا کہ (اس وقت فجر اس سے عرض کر رہی ہے، جس کی چاہت پر اسے مان ہے عباد صاحب اگر یہ مان آپ پر ہوتا تو اس وقت آپ سے میں نہیں فجر مخاطب ہوتی)''۔ ایمان تفصیلاً آگاہ کرتے بولی۔

''پھر کیا ہوا؟'' فجر نے کریدا۔

''پھر کیا اتنا کہنا اس کے لیے کافی تھا کہ فجر کے دل کا مکین کون ہے؟ سو اس عقلمند شخص نے قدم پیچھے ہٹا لینا مناسب سمجھا اور پھر جو ہوا وہ تمہارے سامنے ہے''۔ ایمان اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لیے بولی جو اس انکشاف پر سر جھکائے اپنے ہی دل میں جھانک رہی تھی، جس کی اسے پہلے خود بھی خبر نہ تھی۔

''تو نے بلاوجہ میں افسانہ بنا دیا بات اتنی نہیں تھی جتنی......'' فجر کھسیاتے ہوئے بولی۔

''اچھا تو ذرا بتا تو سرشان کے پرپوزل سے انکار کیوں کیا، جنہیں تو آئیڈیلائز کرتی تھی؟'' ایمان آج اسے کٹہرے سے

ہٹانے کو تیار نہ تھی ہر طرف سے گھیر رہی تھی۔
''پتہ نہیں ایمان! مجھے سر شان کی ہر ادا اٹریکٹ کرتی ہے، ان کا بولنا، چلنا، پڑھانا، سمجھانا، مجھے ہر بات ان کا گرویدہ بنائی تھی مگر چاہت کیا ہے؟ وہ ان باتوں سے ماوراء ہے دل کسے چاہتا ہے، اور نگاہ کسے پسند کرتی ہے یہ سب کچھ میں نے اب جا کر جانا سر شان کو میری نگاہ سراہتی ضرور تھی مگر میرا دل......'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔ نگاہ کا سراہنا اور دل کا چاہنا دو الگ باتیں ہیں، دیر بدیر سمجھ آ رہی جاتی ہے۔

......☆......

معاذ عبدالغازی کے بیڈروم میں اس کی زندگی و چاہت کی شراکت دار بنے آج وہ روم سجائے اس کی منتظر تھی۔
ایک طویل مدت پر سکون نرمی کی مانند چاہت سجائے بیٹھے معاذ نے یکلخت وہ اندھیر مچائی کہ فجر جہانزیب شاہ کو باضابطہ طور پر اس کی زندگی میں آتے ہی بنی۔ ریڈ روایتی شرارے میں روایتی ہتھیاروں سے لیس منفرد دلنشین نقوش کی حامل فجر کو بہاروں کی نوید سنانے، وہ سبک قدموں کے ساتھ اس کے مدمقابل آن بیٹھا، کتنا مشکل تھا گلاب کی بکھری پتیوں میں سے اپنے گلاب کو الگ کرنا، مگر استحقاق سے بھرپور بھاری ہاتھ یہ کام انجام دے چکے تھے۔
''فجر! اس رات کو سجود میں گزاروں کہ حاصل سجود کے پہلو میں کوئی مشورہ دو''۔ معاذ کی کم گوئی کے لئے جذبات کا اظہار کسی امتحان سے کم نہ تھا، برسہا برس کی چاہت کو اظہار کا پیرہن پہنانا سہل نہیں تھا، مگر مسرت اور ملن کا خمار جرات گویائی کا سبب ٹھہرے وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی، جذبات سے منتشر بانہوں میں مغلوب ہستی کو جرات کون دے؟
''حسن بہار کیوں کہ برگ گلاب''۔
''فجر معاذ شاہ کہنا کافی ہے''۔ وہ اس کے اصرار بھی اور شدت گرفت میں منمنا کے بولی، معاذ کی بھرپور مسکراہٹ اس کی انتہائے مسرت کی عکاس تھی۔
''خوبصورت لبوں کی حسین گفتگو دل میں اتار لیتی ہے، مگر جب یہی لب دوریوں کا زہر پلائیں تو دل بسمل مت پوچھو''۔
''مت بتائیں''۔ معاذ گزری بات دہرانا چاہتا تھا، مگر فجر کٹہرے میں آنے سے کترا گئی آنے والے وقت سے خوفزدہ ہرنی بے دھیانی میں اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ گئی، معاذ کی جوابی شرارت ایسے ہی تھی گویا آغاز گفتگو سے ہی ردعمل کے لئے موصوف تیار تھا، اس کی کپکپاہٹ معاذ کے جذبات میں اور بھی ارتعاش لانے لگی۔
''ہمارے رشتے کے بیچ گزرے وقت کو نہ لائیے''۔ وہ دھیرے سے بولی نظریں جھکائے جانے کس خوف و وسوسے کے زیر اثر تھی۔
''اچھا تو ابتدا ابھی سے کرتے ہیں تمہارے اور میرے درمیان سے پہلی رکاوٹ ہٹائے دیتے ہیں''۔
معاذ کی شوخی کچھ تو فطری کچھ فجر کے وسوسے کو زائل کرنے کے لئے بھی تھی، اس نے فجر کے کامدار دوپٹے اور زیورات کو رکاوٹ قرار دے کر اس کے وجود سے جدا کرنا شروع کر دیا۔
''میں تمہیں اپنے پیار کے زیور سے مزین کر دوں گا، تم سرتا پیر میری چاہت سے سج جاؤ گی''۔ معاذ اس کی بندیا، نتھ، چوڑیاں، اتارتے اپنے لمس کے زیور سے آراستہ کرتا گیا، اس کی پرحدت بانہوں میں وہ نکھرتی گئی، ایک روپ تھا جو اس کے لئے سنوارا تھا اور ایک روپ یہ تھا، جو اس نے سنوارا تھا ہر روپ اسی کا تو تھا، سو اسی کے ہاتھوں نکھر گیا۔ کاتب تقدیر پر بھروسہ کرنے والے اور پیار کی تدبیر کی قدر کرنے والے کے لئے جیت مقدر کر دی گئی تھی۔

......☆......

اسماء فاروق

افسانہ

لہو کو ہمارے بھول مت جانا

''بڈھ بیر ایئر بیس پر فجر کی نماز کے وقت دہشت گردوں کا حملہ'' کیپٹن اسفندیار بخاری فرنٹ لائن پر جواں مردی سے دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر گئے ہیں''۔ مسز اظہر نے ابھی ٹی وی



آن کیا ہی تھا کہ یہ دل دہلا دینے والی خبر ان کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

اس خبر نے جیسے ان پر بجلی گرادی تھی، وہی دن پلٹ کر آرہے تھے۔

''ستائیس سالہ اسفندیار بخاری پاکستان ملٹری اکیڈمی سے اعزازی شمشیر حاصل کر چکے تھے''۔ نیوز کاسٹر مسلسل بول رہی تھی۔

اور وہ سوچ رہی تھیں کہ آج پھر ایک ماں کا جگر گوشہ دہشت گردی کی نظر ہوگیا۔ کیا کیا خواب نہ دیکھے ہوں گے۔ بلاشبہ شہادت ایک عظیم رتبہ ہے مگر دل کا خالی پن تو کبھی نہیں جاتا۔ انہیں اپنی آنکھوں کے گوشے نم ہوتے محسوس ہوئے۔

اسفند سے کوئی رشتہ نہ سہی مگر دکھ تو مشترکہ تھا نا۔ اعزاز بہت بڑا تھا مگر ساتھ کھونے کا احساس بھی حاوی تھا، بس نام اور چہرے بدلتے ہیں باقی تو ہر احساس ایک جیسا ہوتا ہے، خوشی اور غم کا ملا جلا احساس۔ مسز اظہر نے خود کو بمشکل رونے سے روکا۔

......☆......



''کوئٹہ شہر میں خودکش دھماکہ''۔ عائزہ ٹاک شو دیکھ رہی تھی جب یہ ہولناک بریکنگ نیوز آ گئی۔ وہ بے اختیار کانپ اٹھی۔

''نا جانے اس ملک کے حالات کب ٹھیک ہوں گے، اتنی بے شمار قربانیاں دینے کے باوجود بھی کہیں امن قائم ہوتا نظر نہیں آ رہا''۔ عائزہ کا دل گہرے دکھ سے بھر گیا۔

''آج پھر نجانے کتنے سہاگ اجڑے ہوں گے، کتنی ماؤں کی گودیں ویران ہوئی ہوں گی۔ غموں کی آندھی نے نجانے کتنے خاندانوں کی معصوم بے ضرر خوشیاں چھینی ہوں گی''۔ عائزہ کی آنکھیں بے اختیار نم ہو گئیں۔

''کیا اس ملک کے باسیوں کی جان اتنی ارزاں تھی کہ کوئی چٹکیوں میں ان کو خاک و خون میں نہلا دے''۔ عائزہ نے بے بسی سے سوچا۔

لیکن امید کا ایک دیا ابھی بھی اس کے اندر روشن تھا۔ اسے یقین تھا کہ ایک دن امن ضرور قائم ہوگا، اس قوم کی اتنی قربانیاں رائیگاں نہیں جا سکتیں۔

عائزہ کی آنکھوں میں ایک پرانا منظر اتر آیا۔ کیا کچھ نہ یاد آیا تھا۔

''عائزہ کن سوچوں میں کھوئی ہوئی ہو؟ کب سے آوازیں دے رہی ہوں''۔ امی نے عائزہ کا کندھا ہلایا۔

''کچھ نہیں امی! بس یونہی''۔ عائزہ نے اپنی نم آنکھیں صاف کیں۔

اسی دوران ان کی نظر ٹی وی پر چلتی خبر پر پڑی اور اس کے ساتھ ہی انہیں عائزہ کے گم صم ہونے کی وجہ سمجھ آ گئی۔

''عائزہ بیٹا! کیوں خود بھی پریشان ہوتی ہو اور مجھے بھی کرتی ہو، تم تو خوش قسمت ہو کہ تمہارا بھائی اس پاک دھرتی پر قربان ہوا ہے''۔ امی نے نرمی سے سمجھایا۔

''امی! میں کم ہمت نہیں ہوں بس کبھی کبھی بے بس ہو جاتی ہوں''۔ عائزہ آہستگی سے بولی۔

''بیٹا! تم بہن ہو تو میں ماں ہوں لیکن شہیدوں کو رویا نہیں کرتے، کیا تمہیں یقین نہیں ہے کہ شہید ہمیشہ زندہ جاوید رہتے ہیں''۔ امی نم سے آنکھوں سے مسکرائیں۔

عائزہ بس انہیں خالی خالی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

☆

''عائزہ! اٹھو بچے نماز کا وقت نکلا جا رہا ہے''۔ امی کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''امی! ابھی سونے دیں نا''۔ عائزہ ابھی نیند کے خمار میں تھی۔

''دیکھو نا! چرند، پرند سب اپنی اپنی زبان میں اللہ کی حمد و ثنا بیان کر رہے ہیں، کیا تم اللہ کے شکر گزار بندوں میں شامل نہیں ہونا چاہتیں؟'' امی نے عائزہ کے بال سنوارے۔

''جی اٹھنے لگی ہوں''۔ وہ کسلمندی سے بولی۔

''تو پھر فٹافٹ اٹھ جاؤ، نماز ہمیشہ وقت پر ادا کرنی چاہئے''۔ وہ سختی سے بولیں تو عائزہ جھٹ سے اٹھ بیٹھی۔

''اتنے میں باہر سے گاڑی کا ہارن سنائی دیا''۔

''ارے اتنی صبح صبح کون آ گیا''۔ امی حیرت سے بولیں اور پھر دیکھنے چلی گئیں۔ عائزہ نماز ادا کر کے باہر آئی تو بھائی کو دیکھ کر خوشی سے اچھل پڑی۔

''رافع بھیا! آپ اتنی صبح صبح کیسے آ گئے؟ سی او صاحب نے آنے دیا؟'' عائزہ خوشی اور حیرت سے بولی۔

''اف لڑکی! بیٹھو تو کیا ایک ہی سانس میں سب پوچھ لو گی؟'' رافع بھائی ہنسنے لگے۔

اس دفعہ تو زیادہ دن کے لئے آئے ہیں؟'' عائزہ نے ایک اور سوال داغا۔

''عائزہ اٹھو! پہلے بھائی کے لئے ناشتے کا انتظام

کرو، آتے ساتھ ہی سر کھانا شروع ہو گئی ہو"۔ امی نے ڈپٹا۔

"امی! رہنے دیں نا یہ تو ہماری مینا ہے، اسی کی وجہ سے تو گھر میں رونق ہے"۔ رافع بھائی کے لہجے میں عائزہ کے لئے پیار ہی پیار تھا۔

"ہائے تو ناشتہ نہیں کرو گے؟ باتیں تو بعد میں بھی ہوتی رہیں گی"۔ امی مسکرائیں۔

"رہنے دیں نا پھر نجانے کب ساتھ بیٹھنے کا موقع ملے اور نہ جانے ملے بھی یا نہیں"۔ رافع بھائی آہستگی سے بولے تو امی ان کی شکل دیکھنے لگیں، جبکہ عائزہ بھی حیرت زدہ تھی۔

"رافع! سب خیریت تو ہے نا"؟ امی نے فکرمندی سے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہے امی! آپ پریشان نہ ہوں"۔ رافع نے لاڈ سے بازو امی کے گرد حمائل کیے۔

"توبہ ہے لڑکے جان نکال کے رکھ دیتے ہو"۔ امی نے رافع کے سر پر چپت رسید کی۔

"احد نہیں آیا؟" رافع نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں اس کے امتحانات قریب ہیں جبھی نہیں آیا، لیکن اب سنتے ہی بھاگا چلا آئے گا"۔ عائزہ ہنسی۔

☆

موسم سرما اپنے عروج پر تھا۔ یہ 16 دسمبر 2014ء کا ایک سرد دن تھا۔ فضا میں بے پناہ خنکی تھی، انسان تو انسان پرندے تک باہر نکلنے کی ہمت نہیں کر پا رہے تھے۔ ایسے میں مسز اظہر رافع کو جگانے کے لئے اٹھیں کیونکہ اسکول جانے کا وقت قریب تھا۔

"رافع! مما کی جان اٹھو اسکول نہیں جانا کیا؟" مسز اظہر نے رافع کے پاؤں میں گدگدی کی تو وہ جھٹ سے اٹھ بیٹھا۔

"اونو مما! آپ نے مجھے جلدی کیوں نہیں جگایا، میرا اتنا اہم ٹیسٹ ہے اور مجھے صبح صبح پڑھنا تھا"۔ رافع فکرمندی سے بولا۔

"بیٹا! آپ رات اتنی دیر تک پڑھتے رہے ہو اسی وجہ سے نہیں جگایا"۔ مسز اظہر نے پیار سے رافع کے بال بکھیرے۔

"اف مما! آپ بھی نا"۔ رافع نے منہ بسورا۔

"چلو پھر اب جلدی سے تیار ہو کر ٹیبل پر آجاؤ، میں سعد کو تیار کرلوں"۔ مسز اظہر نے پیار بھری نظروں سے رافع کو دیکھا۔

"اوکے مما!" وہ سعادت مندی سے بولا۔

مسز اظہر سعد کو تیار کر کے ڈائننگ ٹیبل پر آئیں تو رافع ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔

"رافع بیٹا! آپ ابھی تک تیار نہیں ہوئے؟" مسز اظہر نے رافع کو آواز دی۔ سعد چھوٹا ہونے کے باوجود ناشتے میں اتنے نخرے نہیں کرتا تھا، جتنے لاڈ رافع دکھاتا تھا۔

"مما! تیار ہو رہا تھا"۔ آرمی پبلک اسکول کے یونیفارم میں ملبوس رافع عجلت سے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

"بیٹا جی! آپ کی تیاری کچھ زیادہ لمبی نہیں ہوتی جا رہی لڑکیوں کی طرح"۔ میجر اظہر نے بیٹے کو چھیڑا۔

"بابا! آپ بھی مما کے ساتھ مل جاتے ہیں"۔ رافع مصنوعی خفگی سے بولا۔

"بس، بس اظہر میرے بیٹے کو تنگ نہ کریں، ماشاء اللہ شہزادہ لگ رہا ہے"۔ مسز اظہر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اچھا بھئی جیسے آپ کا حکم، اور پھر رافع اس دفعہ کیسے رزلٹ کی امید رکھیں؟" میجر اظہر نے مسکراہٹ دبائی۔

"انشاء اللہ اے پلس آئے گا"۔ رافع عزم سے بولا۔

"اوکے جلدی سے ناشتہ ختم کریں، آپ کو اسکول چھوڑ کر مجھے آفس بھی جانا ہے"۔ میجر اظہر ناشتہ ختم

کر کے اٹھ گئے۔

''بابا، بس ہو گیا، میں بیگ لے کر آتا ہوں''۔ رافع جلدی سے کھڑا ہوا۔ جبکہ مسز اظہر سعد کو لے کر گاڑی کی طرف آ گئیں اور تینوں کو خدا حافظ کہنے لگیں۔

☆......☆......☆

''امی! آپ کو پتا ہے بھیا نے ہمیں بہت ساری شاپنگ کروائی ہے''۔ احد آتے ہی صوفے پر گر گیا۔

''اور آئس کریم تو بہت ہی مزے کی تھی''۔ عائزہ بھی چہکی۔ وائٹ لانگ فراک میں ملبوس عائزہ کا گلابی چہرہ خوشی سے دھمک رہا تھا، وہ ابھی بازار سے لوٹے تھے۔

''رافع بیٹا! کچھ کھاؤ گے؟'' امی نے پیار سے تینوں بچوں کو دیکھا۔

''نہیں امی! آپ میرے پاس بیٹھیں نا مجھے آج واپس بھی جانا ہے''۔ رافع نے پیار سے ماں کو دیکھا۔

''کیا اتنی جلدی واپس جا رہے ہیں''۔ عائزہ خفگی سے بولی۔

''اور کیا اتنے مہینوں بعد تو آپ آئے تھے''۔ احد نے بھی منہ بنایا۔

جبکہ امی حیرت زدہ ہو گئیں کیونکہ رافع اتنی کم چھٹی لے کر کبھی نہیں آیا تھا۔

''لیکن اتنی جلدی کیوں؟ میرا تو خیال تھا کہ تم رکو گے''۔ بابا نے حیرت سے کہا۔

''بابا! میرے وطن نے مجھے پکارا ہے تو میں کیسے اس پکار پر لبیک نہ کہوں؟'' رافع دھیرے سے مسکرایا، جبکہ اس کے چہرے پر انوکھی سی چمک تھی۔

''کیا مطلب کھل کر بتاؤ نا؟'' امی بے چینی سے بولیں۔

''امی! بابا میری پوسٹنگ اگلے محاذ پر ہو گئی ہے، مجھے اپنا فرض نبھانا ہے، اپنے وطن کو دشمنوں کے ناسور سے نجات دلانی ہے''۔ رافع کے چہرے پر پختہ عزم تھا۔

''رافع! تم ہمارا فخر ہو، مجھے امید ہے تم ہمیں کبھی شرمندہ نہیں ہونے دو گے اور دشمن کو ناکوں چنے چبواؤ گے''۔ بابا کے لہجے میں پیار ہی پیار تھا۔

''ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، اللہ تمہیں کامیاب کرے''۔ امی نے رافع کا ماتھا چوما۔

عائزہ نے خوفزدہ نظروں سے بھائی کو دیکھا۔

''بھیا! آپ کو کچھ ہو گا تو نہیں نا؟'' عائزہ کے لہجے میں اندیشے تھے۔

''پاگل تمہارا بھائی بزدل تھوڑی ہے، جو کچھ ہو گا، تم بس دعا کرنا''۔ رافع ہنسا۔

''میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں لیکن آپ جلدی آئیں گے نا''؟ عائزہ نے یقین دہانی چاہی۔

''انشاءاللہ''۔ رافع مسکرایا۔

اور پھر ڈھیروں دعائیں لئے وہ واپس لوٹ گیا جدھر منزل اس کی منتظر تھی۔

☆......☆......☆

عائزہ بی ایس سی فائنل ایئر کی طالبہ تھی۔ اس کی فیملی امی بابا جان اور دو بھائیوں پر مشتمل تھی، عائزہ کے بابا ایک کامیاب بزنس مین تھے اور وہ بلیو ایریا کے ایک خوبصورت اور پرسکون گھر کی مکین تھی۔ عائزہ کے امی اور بابا مذہبی اور محب وطن تھے اور انہوں نے بچوں کی تربیت بھی انہی اقدار پر کی تھی۔ عائزہ اور رافع کی بچپن سے ہی بہت دوستی تھی اور احد کے بجائے عائزہ رافع کے ساتھ کھیلنا پسند کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب رافع بھائی پاکستان ملٹری اکیڈمی چلے گئے تو عائزہ نے رو رو کر برا حال کر لیا، لیکن رفتہ رفتہ وہ ٹھیک ہونے لگی۔ اور بھائی سے دوری کی عادی ہوتی چلی گئی، رافع کی جاب خاصی ٹف تھی اور وہ ترقی کی منازل طے کرتے کیپٹن کے عہدے تک پہنچ چکے تھے، اور اب رافع بھائی ایک نئے محاذ پر چلے گئے تھے۔

بی ایس سی کی طالبہ ہونے کے باوجود عائزہ کی

طبیعت میں بے پناہ بچپنا تھا، اور بھائی کے لئے اب بھی وہ پہلے جیسی جذباتی تھی، مگر بے پناہ اداسی کے باوجود بھی وہ دل سے بھائی کی کامیابی کے لئے دعاگو تھی۔

اے وطن خون میں ڈوبے تیرے پرچم کی قسم
تو نے جینا ہے قیامت کی سحر ہونے تک

☆......

مسز اظہر رافع کا کمرہ سمیٹ رہی تھیں، جب فون کی گھنٹی ان کے کام میں مخل ہوئی وہ شدید کوفت کا شکار ہوئیں اور پھر نا چاہتے ہوئے بھی فون اٹینڈ کرلیا۔

"بھابھی! رافع اور سعد کدھر ہیں؟" دوسری طرف ان کی نندتھیں جو بغیر سلام دعا کے انتہائی بے چینی سے بچوں کا پوچھ رہی تھیں۔

"دونوں بچے تو اسکول گئے ہیں"۔ مسز اظہر حیرت سے بولیں۔

"آپ نے ابھی نیوز دیکھی ہے؟" انہوں نے دوسرا سوال کیا۔

"نہیں ٹی وی تو بند پڑا ہے مگر ہوا کیا ہے؟" مسز اظہر کو کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔

"بھابھی اے پی ایس میں دہشت گردوں نے فائرنگ کردی ہے، آپ ذرا ٹی وی آن کریں"۔ وہ بول رہی تھیں۔ اور اتنا سنتے ہی مسز اظہر کے ہاتھ سے موبائل چھوٹ کر گر گیا۔ اور وہ بھاگتی ہوئی لاؤنج میں آئیں۔ ٹی وی آن کرتے ہی ایک قیامت ان کی منتظر تھی۔

مسز اظہر کو لگا کہ آج ان کا دل پھٹ جائے گا، ان کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے، آنسو تھے کہ زاروقطار بہتے جا رہے تھے اور پھر وہ بے اختیار ہو کر باہر کی طرف بھاگیں۔

ان پر بس ایک ہی سوچ غالب تھی کہ انہیں اپنے بچوں کو بچانا ہے۔ ظالم درندوں سے محفوظ رکھنا ہے، وہ دیوانہ وار اسکول کی طرف بھاگتی جا رہی تھیں۔ تبھی انہوں نے ایک گاڑی کو اپنے پاس رکتے دیکھا۔

وہ میجر اظہر تھے جو شدید پریشانی کے عالم میں تھے۔

"میرے بچے اظہر میرے بچوں کو بچالیں"۔ وہ زاروقطار روتی ایک ہی بات کہے جا رہی تھیں۔

اے پی ایس پشاور کے باہر بہت سے بچوں کے پریشان حال والدین پھر رہے تھے اور اپنے بچوں کے لئے بے قرار تھے۔

"اظہر! یہ میرے بچوں کو نکال کر کیوں نہیں لاتے؟ آپ بھی تو فوجی ہیں آپ کیوں نہیں جاتے میرے بچوں کو بچانے؟" مسز اظہر سخت بے چین تھیں۔

اور پھر کئی گھنٹوں کے صبر آزما انتظار کے بعد ننھے ننھے بچوں کو باہر نکالا گیا، ان کی نگاہیں ہر طرف سعد کو ڈھونڈ رہی تھیں، مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ تبھی انہیں میجر اظہر سعد کے ساتھ آتے دکھائی دیے۔ وہ بے قراری سے سعد کی طرف بڑھیں، ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور وہ پاگلوں کی طرح سعد کو چومے جا رہی تھیں۔

ننھا سعد بری طرح سے خوفزدہ تھا، لیکن ماں کی آغوش میں آتے ہی اس کا معصوم چہرہ پرسکون ہوگیا۔

"اظہر! رافع کدھر ہے؟ آپ رافع کو کیوں نہیں لائے؟" مسز اظہر نے رافع کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔

"ابھی آجائے گا"۔ میجر اظہر نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے تسلی دی۔

☆......

رافع بھائی کے جانے کے بعد زندگی میں جیسے ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ ان کو گئے پندرہ دن ہو چکے تھے مگر پتا نہیں کیوں عائزہ کے دل کو دھڑکہ سا لگا رہتا تھا۔ اور آج تو صبح سے ہی دل کچھ عجیب سا ہو رہا تھا، لگتا تھا

جیسے کچھ ہونے والا ہے مگر وہ اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کر دیتی تھی۔

لیکن شام کے قریب آنے والی کال نے اس کے ہر وہم کو حقیقت میں بدل دیا۔ امی نے بہت سکون سے بات سننے کے بعد الحمد اللہ کہہ کر کال بند کر دی تھی۔ عائزہ نے حیرانگی سے امی کو دیکھا تھا جن کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔

''مجھے شکرانے کے نوافل ادا کرنے ہیں''۔ وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولیں۔

''وہ کیوں اور امی کس کا فون تھا''؟ عائزہ نے پریشانی سے پوچھا۔

''فون رافع کے سر کا تھا الحمد اللہ رافع اپنی منزل پا چکا ہے، اس نے شہادت کا رتبہ حاصل کر لیا ہے''۔ وہ خوشی اور غم کی ملی جلی کیفیت میں بول رہی تھیں۔

عائزہ کو لگا اس نے غلط سنا ہے۔ رافع بھائی اتنی جلدی کیسے جا سکتے تھے۔ وہ سکتے کی سی حالت میں تھی۔

''عائزہ! رونا نہیں ہے صبر سے کام لو''۔ امی کمال ضبط سے بولیں۔

''جن کے ایسے بیٹے ہوں وہ کر کے سر اونچا چلتے ہیں''۔

پھول ضروری تھے کچھ جانے، تب جا کر گلشن کھلتے ہیں۔

عائزہ بے تحاشا رو رہی تھی اس کو کسی پل قرار نہیں تھا، بچپن سے لے کر اب تک کا ساتھ گزرا وقت یاد آ رہا تھا اور وہ مزید شدت سے رو پڑی۔

امی، بابا، احد سب ہی اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے، مگر جب اگلے دن رافع بھائی کا تابوت آیا تو عائزہ ایک دفعہ پھر صبر کا دامن چھوڑ بیٹھی۔

سب کی آنکھیں نم تھیں۔ البتہ احد کی آنکھیں بھی شدت ضبط سے سرخ پڑ گئی تھیں، وہ آنسو روکتے روکتے تھک گیا تھا۔ اور پھر ہزاروں افراد کی موجودگی میں رافع کو ایک شان سے سپرد خاک کر دیا گیا۔

''جس دھج سے کوئی مقتل گیا وہ شان سلامت رہتی ہے۔

یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں''

لوگ کہتے تھے کہ جوان بیٹے کا جنازہ دیکھ کر ہی باپ بوڑھا ہو جاتا ہے لیکن بابا کے چہرے پر ایک سکون تھا۔ ان کا بیٹا مرا تھوڑی تھا وہ تو شہید ہوا تھا پاک وطن پر جان وار گیا تھا، اور شہید تو ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

تو وہ کیوں دکھ کرتے بابا کو تو اس آزمائش میں پورا اترنا تھا اور وہ اتر بھی رہے تھے اور باقی سب کو بھی صبر کی تلقین کر رہے تھے۔ رافع اللہ کی امانت تھا اس نے واپس لے لیا اور اتنا بڑا اعزاز عطا کیا تو پھر وہ کیوں ناشکری کرتے۔

☆

میجر اظہر اسپتال میں زخمی بچوں کو دیکھ رہے تھے، مگر رافع کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسکول میں بھی رافع کا کچھ پتا نہ تھا، تبھی ایک آفیسر نے میجر اظہر کو پکارا، وہ انہیں رافع کو شناخت کرنے کا کہہ رہا تھا، دوسرے بہت سارے شہید بچوں میں ان کا رافع بھی شامل تھا، میجر اظہر کم ہمت نہیں تھے۔ وہ مضبوط اعصاب کے مالک آرمی آفیسر تھے انہوں نے بہت حوصلے سے اپنے معصوم شہید کو دیکھا جو پر سکون نیند سو رہا تھا۔

میجر اظہر شہید رافع کو بازوؤں میں اٹھائے گھر پہنچے تو مسز اظہر ساکت رہ گئی ان کا پیارا بیٹا رافع جس نے اے پلس حاصل کرنا تھا ان کے ذہین شہزادے کو ظالموں نے شہید کر دیا تھا۔ انہیں لگا کہ دل کی دھڑکن آج تھم جائے گی۔ وہ یک ٹک رافع کو دیکھتی جا رہی تھیں۔

یہ منظر ان کے لئے نیا نہیں تھا، اسی طرح ایک دن رافع کے ماموں بھی سبز ہلالی پرچم میں لپٹے گھر پہنچے تھے اور اب ان کے بھائی رافع کے بعد ان کا بیٹا رافع

بھی شہید ہو چکا تھا۔ یہ صدمہ چھوٹا نہیں تھا۔ ان کا ہر زخم ہرا ہو گیا تھا۔

رافع بھائی کا صدمہ ان کے دل پر لگا تھا، احد رفتہ رفتہ انہیں زندگی کی طرف واپس لایا تھا، مگر عائزہ کی دلچسپی ہر شے سے ختم ہو چکی تھی، وہ بالکل گم صم ہو کر رہ گئی تھی۔ بھائی کی شہادت پر فخر کرنے کے باوجود بھی وہ جدائی کا صدمہ سہہ نہیں پا رہی تھی۔ عائزہ کی زندگی میں تبدیلی لانے کے لئے بابا جان نے عائزہ کی شادی کا فیصلہ کیا۔

اور پھر وہ امی بابا کی ڈھیروں دعائیں سنگ لئے اظہر کے آنگن میں اتر آئی۔

میجر اظہر تب کیپٹن اظہر تھے، وہ عائزہ کے لئے بہت اچھے شوہر ثابت ہوئے مگر عائزہ کی خاموشی نہ توڑ سکے۔

عائزہ کی خاموشی کو رافع کی آمد نے توڑا، یہ رافع ہی تھا جو اسے زندگی کی طرف واپس لایا۔ اس نے اپنے پہلے بیٹے کا نام اپنے شہید بھائی کے نام پر رکھا تھا۔ گو کہ رافع کی یاد اب بھی عائزہ کو بے چین کرتی تھی، مگر رافع اور پھر سعد نے حقیقی معنوں میں اس کی زندگی کو ہنسی سے بھر دیا تھا۔ ان کی معصوم شرارتوں میں اداسی بھول گئی تھی مگر وقت نے آج پھر سے عائزہ کو اسی مقام پر لا کھڑا کیا تھا۔ لیکن آج وہ ایک جذباتی لڑکی نہیں تھی، بلکہ وہ ایک بہادر ماں تھی۔ ''رافع اظہر'' کی ماں ایک شہید کی ماں اسے ثابت قدم رہنا تھا، اپنے معصوم شہید پر فخر کرنا تھا۔ مگر دل دکھی تھا آنکھوں کی نمی وہ روک نہیں پا رہی تھی۔

''وہ عائزہ اظہر تھی ایک بہادر فوجی کی بیوی، شہید فوجی کی بہن اور ایک معصوم شہید کی ماں'' اتنے سارے اعزازات پا کر وہ کیسے رو سکتی تھی۔

اس کا دل غمگین تھا، آنکھیں اشکبار ہونا چاہتی تھیں مگر وہ صبر کئے ہوئے تھی۔ میجر اظہر کو بھی اپنے بیٹے کی شہادت پر فخر محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اللہ کے شکر گزار تھے کہ اللہ نے رافع کو اپنے پاس بلا لیا تو کیا ہوا سعد تو ان کے پاس تھا نا۔

ان کو وہ ماں یاد تھی جو اپنے بچوں کو ڈھونڈ رہی تھی اور پھر باری باری اسے اپنے تینوں بچوں کی میتیں ملی تھیں۔ کیا ان کا دکھ اس ماں سے زیادہ بڑا تھا؟ ایسی باحوصلہ مائیں کیا کسی قوم کے پاس ہو سکتی تھیں۔ یقیناً نہیں۔

''یہ حوصلہ صرف میرے وطن کی ماؤں میں ہے جو ایک بیٹا شہید کروا کر دوسرا اس نیت سے آرمی میں بھیجتی ہیں کہ یہ بھی وطن کی حرمت پر قربان ہو جائے''۔

میجر اظہر کو یقین تھا کہ یہ قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی اور ایک دن امن ضرور قائم ہو گا۔

آج 16 دسمبر 2015ء کا آغاز ہو چکا ہے۔ ایک اور سرد دن کا آغاز...... وہی دن پھر سے پلٹ آئے ہیں، رافع کو شہید ہوئے ایک سال کا عرصہ بیت چکا ہے، آج ہی کے دن رافع ہنستا کھیلتا اسکول گیا تھا مگر واپس نہ آ سکا۔

رافع کے ساتھ ہی عائزہ کو دوسری بے شمار ماؤں کے جگر گوشے یاد آئے جو اس دھرتی پر اپنی جان نچھاور کر چکے تھے۔ ٹھیک دو دن بعد کیپٹن اسفندیار بخاری کو بھی شہید ہوئے پورے چار ماہ ہو جائیں گے۔ یہ وہ قوم کا بہادر سپوت تھا جس نے پشاور میں ایک اور بڑا سانحہ ہونے سے بچا لیا تھا۔

16 دسمبر 2014ء کے سانحے کے بعد پورا پاکستان ہل کر رہ گیا تھا اور شدید غم کی لپیٹ میں تھا۔ اس نازک موقع پر چیف آف آرمی اسٹاف جنرل راحیل شریف نے آپریشن ضرب عضب کا اعلان کیا اور دہشت گردوں کو نیست و نابود کیا جانے لگا۔

کیپٹن آکاش ربانی شہید آپریشن ضرب عضب کا پہلا شہید تھا، وہ بارش کا پہلا قطرہ بنا تھا، ان ہی جیسے

ہزاروں شہیدوں کے لہو سے یہ دھرتی شاداب ہے، ان ہی عظیم قربانیوں کے صلے میں آج پاکستان کے عوام بے خوف وخطر زندگی گزارنے کے قابل ہوئے ہیں۔

اس المناک سانحے کے نتیجے میں اختلافات میں گھری پاکستانی قوم ایک ہوگئی۔ یہ آپریشن ضرب عضب ہی تھا، جس کے نتیجے میں خودکش دھماکے تقریباً نہ ہونے کے برابر رہ گئے۔ دہشت گردوں اور مجرموں کو پھانسیاں دی جانے لگیں۔ جیلوں سے مجرموں کا صفایا ہونے لگا، فوجی عدالتوں کے قیام سے مجرموں کے گرد گھیرا مزید تنگ کردیا گیا۔ یہ سب ان قربانیوں کا انعام تھا جو پاکستانی قوم نے دی تھیں۔ اپنے جگر گوشوں کی جان کے بدلے وطن عزیز میں امن قائم ہوگیا تھا، ہزاروں زندگیاں محفوظ ہوگئی تھیں۔ یہ سودا مہنگا نہیں تھا۔

”کچھ لوگ اپنا آج قربان کرتے ہیں تو بے شمار لوگوں کا کل محفوظ ہوجاتا ہے“۔

”ایسے لوگ بہت خاص ہوتے ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عظیم قربانی کے لئے چنے جاتے ہیں اور ان کا حوصلہ پہاڑوں سے زیادہ بلند ہوتا ہے“۔

عائزہ کو یقین تھا کہ آج رافع بھائی کی روح یقیناً سرخرو ہوگی۔ دشمن نے سقوط ڈھاکہ کے زخم ادھیڑنے کی غرض سے معصوم پھولوں پر کاری ضرب لگائی تھی اور اس دن کا انتخاب کیا تھا، مگر دشمن کا یہ وار اسی پر الٹ گیا، پاکستانی قوم تو قربانیاں دینا جانتی ہے ہمیشہ سے اپنا تن من دھن اس پاک وطن پر نچھاور کرتی آئی ہے، اس عظیم قوم کی عظیم پاؤں نے صدمہ بھی حوصلے سے برداشت کرلیا مگر یہ سانحہ دشمن کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوا اور نام نہاد تحریک طالبان (ٹی ٹی پی) پاکستان چھوڑ کر بھاگ جانے پر مجبور ہوگئی۔ یہ سب ان معصوم بچوں کے خون کا اعجاز تھا۔

”وطن کی خاطر قربانیاں تو ہر قوم ہی دیا کرتی ہے مگر تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسی قوم گزاری ہو، جس نے اپنے معصوم پھول تک وطن پر قربان کردیئے ہوں“۔

عظیم قومیں یقیناً عظیم قربانیاں دیا کرتی ہیں“۔

”آرمی پبلک اسکول کے معصوم شہید اور ان کی بہادر پرنسپل شجاعت کی ایک نئی داستان رقم کرگئے ہیں۔ یہ عظیم لوگ کبھی واپس نہیں آسکتے مگر دلوں کی دھڑکنوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

عائزہ کو کوئی ایسا لمحہ یاد نہیں تھا جب اسے رافع کی کمی محسوس نہ ہوئی ہو۔

رافع تو وہ طوطا تھا جس میں عائزہ کی جان تھی، مگر اب اسے ہمیشہ رافع کے بغیر ہی رہنا تھا، ان معصوم پھولوں کی یاد میں بے شمار تقاریب ہونے والی ہیں۔ میجر اظہر اور وہ بھی رافع کے والدین کی حیثیت سے مدعو کئے گئے ہیں۔

”16 دسمبر کا دن دشمن کی بزدلی کی علامت کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا“۔ عائزہ نے نم آنکھوں سے میجر اظہر کو دیکھا جو پرسکون نیند سو رہے تھے۔ دور کہیں موذن اللہ کی بڑائی بیان کررہا تھا، فجر کا وقت ہوچکا تھا عائزہ ایک نئے عزم کے ساتھ اٹھی اور وضو کرنے چل دی۔

”اللہ تعالیٰ نے اس ایک سال میں پاکستانی قوم پر پاکستان پر بے شمار رحمتیں برکتیں نازل کی تھیں۔ شکرادا کرنا تو بنتا تھا نا“۔ عائزہ نے تشکر سے سوچا۔

”رافع نے اپنے ماموں کے نام کی لاج رکھی تھی اور بہادری سے موت کو گلے لگایا تھا۔ بہادر فوجی کا بیٹا ہونے کا ثبوت دیا تھا۔ دشمن کتنے رافع، مبین، آکاش ربانی اور اسفند شہید کرے گا ایک کے بدلے میں دس بیٹے میدان میں اتریں گے۔ تعلیم کا حق کا یہ سفر ہمیشہ جاری وساری رہے گا اور یہ لازوال قربانیاں تاریخ میں ہمیشہ سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی“۔ عائزہ کا چہرہ امید کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔

......☆......

ثمینہ فیاض

افسانہ

جیون پہیلی

الارم کی رنگ سے اس کی آنکھ کھلی فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں، رات شادی کی اک تقریب سے دیر سے آنے کی وجہ سے اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی اور اٹھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، مگر کچھ دیر اٹھ کر بیٹھنے کے بعد وہ نماز



پڑھنے اٹھ گئی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو چڑیوں کی چہچہاہٹ نے اسے صبح نو کا پیغام دیتے ہوئے تازگی کا اک احساس سا اس کے اندر سمو دیا۔ سردیوں کے موسم میں نکلتی ہلکی ہلکی دھوپ کی نرمی گرمی صاف نکھرا آسمان گھر کی کھڑکی سے نظر آنے والے پبلک پارک میں واک کرتے لوگ شبنم سے دھلی تازہ سبز گھاس بڑے بڑے درخت جن کے پتے زرد ہو کر گرنا شروع ہو چکے تھے۔ اس کی زندگی کتنی خوبصورت تھی ہر طرف امن چین سکون کا راج تھا، ہر لحہ اپنے رب کا شکر ادا کرتی نادیہ ان لمحات سے محظوظ ہو رہی تھی، کہ اسے یاد آیا آج تو احمد کو جلد آفس جانا تھا اس نے جلدی کچن کا رخ کیا اور ناشتہ بنانے میں محو ہو گئی۔ ناشتہ تیار ہوا تب تک احمد تیار ہو چکے تھے تینوں بچے ابھی تک سو رہے تھے، اس لئے وہ بھی احمد کے ساتھ ہی ناشتہ کرنے بیٹھ گئی، نادیہ اور احمد کی شادی کو بارہ سال گزر چکے تھے مگر آج بھی دونوں اک ساتھ ہی ناشتہ کرتے اور ڈنر بھی ہاں احمد کی آفس کے سلسلے میں کوئی میٹنگ ہوتی یا شہر سے باہر گئے ہوتے، تو الگ بات تھی ورنہ ان کے درمیان اتنی محبت تھی کہ احمد کو نادیہ کے بغیر



چین ملتا اور نہ ہی نادیہ کو احمد کے بغیر یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے میکے بھی رہنے کے لئے کم ہی جاتی تھی، ان پچھلے بارہ سالوں میں ان کے درمیان کبھی تو تو میں میں نہیں ہوئی تھی دونوں ہی سلجھے ہوئے انسان تھے۔ ان کی شادی ان کے بزرگوں نے بہت سوچ سمجھ کر ارینج کی تھی اور وہ بھی اپنے بزرگوں کے فیصلے کا احترام کرتے ہوئے اس شادی کو بہت خوبصورتی سے نبھا رہے تھے۔ دونوں ہر لحاظ سے اک دوسرے کے ساتھ مناسب تھے۔ دل سے دونوں ہی اک دوسرے کو چاہتے اک دوسرے کی عزت کرتے۔ اک دوسرے کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے۔ بڑوں کے کئے گئے فیصلوں میں مصلحت اور دانشمندی کے وہ انمول تجربوں کے خزانے چھپے ہوتے ہیں جن کے نتائج بعد ازاں نمایاں ہوتے ہیں۔ احمد آفس جانے لگے تو وہ روزانہ کی طرح ان کو چھوڑنے دروازے تک آئی اور پھر احمد کے جاتے ہی گھر بھر کی صفائی اور کاموں میں لگ گئی بچوں کو اس لئے نہیں اٹھایا کہ ان کی سردیوں کی چھٹیاں چل رہی تھیں گھر بھر کے کاموں سے فارغ ہی ہوئی تھی کے بچے اٹھ گئے وہ ان کے لئے ناشتہ بنا کر بیٹھی ہی تھی کہ پڑوسن جو ابھی چند دن پہلے ہی اس گھر میں شفٹ ہوئیں تھیں اس سے ملنے چلی آئیں۔

"جی ہم یہ آپ کے سامنے والے گھر میں شفٹ ہوئے ہیں ابھی ہفتہ بھر پہلے۔"

اس نے بھی بڑے پرتپاک انداز میں استقبال کیا۔

"آیئے آیئے جی میں نے دیکھا تھا جب آپ کے گھر کا سامان اتر رہا تھا، سوچا تھا کہ ملنے جاؤں گی لیکن ایک تو گھر کے کاموں سے فرصت نہیں ملتی پھر بچوں کی چھٹیاں بھی ہیں تو نکلنا ہی نہیں ہوا۔ اور آپ سنائیں کیسی ہیں کیا نام ہے آپ کا؟"

نادیہ نے پوچھا۔

"جی لبنیٰ نام ہے میرا۔"

یوں ان کی دوستی کا آغاز ہو گیا لبنیٰ بہت ہی ملنسار خاتون تھیں، ان کے یہاں کوئی بچے نہیں تھے شادی کو دس سال ہو رہے تھے وہ اکثر اپنے کاموں سے فارغ ہو کر نادیہ کے پاس چلی آتیں اپنی تنہائی کو دور کرنے اور وقت گزارنے کا اک اچھا ذریعہ انہیں مل گیا تھا ایسے دھیرے دھیرے دونوں بہت اچھی سہلیاں بن گئیں۔ اک دوسرے کو اپنی ہر پریشانی اور تکلیف یوں بیان کر دیتیں جیسے کوئی بات ہی نہیں لبنیٰ اپنے شوہر کی طرف سے اکثر شک میں مبتلا رہتیں کہ ان کے آفس میں فلاں لڑکی سے کوئی تعلق ہے یا کوئی محلے کی لڑکی ان سے بات کر رہی تھی کبھی ان کی کسی کزن کو لے کر پریشان رہتی اور نادیہ انہیں تسلی کے ساتھ ساتھ اک دوست ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے اس پریشانی سے نکلنے میں مدد کرتی، شاپنگ پر جانا ہو یا گروسری لینے دونوں اک ساتھ ہی جاتیں، جو نادیہ احمد کے بغیر گھر سے باہر قدم نہیں رکھتی تھی اب اک میسج کر کے اکثر شاپنگ پر چلی جاتی اور چونکہ لبنیٰ کے فیملی ممبرز کم ہونے کی وجہ سے ذمہ داریاں اور خرچہ بھی کم تھا، تو نادیہ بھی اسی کی طرح آزاد رہنا چاہتی بچوں کے ساتھ اسے الجھن ہوتی۔ احمد کو نادیہ کے رویہ میں اک غیر معمولی تبدیلی سی محسوس ہو رہی تھی، جو کسی حد تک اسے کھل بھی رہی تھی لیکن نادیہ کو خوش دیکھ کر وہ چپ ہو جاتے اور اس سے کچھ نہ کہتے۔ نادیہ کی زبان پر لبنیٰ کے قصے ہوتے ان کے گھر میں کیا ہوتا ہے وہ میاں بیوی فلاں جگہ کھانا کھانے گئے، اس نے آج یہ پکایا تھا ہمارے گھر بھی وے کر گئی میں آج لبنیٰ کے ساتھ فلاں جگہ گئی تھی۔ یا کل ہمیں پارلر جانا ہے جب کہ اس سے پہلے نادیہ کی زبان پر صرف بچوں کی باتیں ہوتیں تھیں، مستقبل کے سہانے خواب ہوتے اور آنے والے دنوں کے کاموں کا ذکر ہوا کرتا تھا۔ جبکہ اب اکثر احمد کے کام پورے نہیں ہوتے تھے اسے اکثر کپڑے استری شدہ نہیں ملتے، تو کبھی رات کا کھانا جلا ہوا ملتا، گھر کی طرف بھی نادیہ کی توجہ کم ہو گئی تھی، جس کا جواز نادیہ بچوں کے امتحان بتاتی احمد کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوتی کیونکہ اس سے پہلے بھی بچوں کے امتحان ہوا کرتے تھے اور اسے کبھی کسی بات کی شکایت کا کوئی موقع نہیں ملا تھا، لیکن وہ پھر بھی خاموش رہا کہ ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو بچوں کے امتحان ہو جائیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا اسے بچوں کی صحت پر بھی اثر پڑتا دکھائی

دے رہا تھا، اس کے تینوں بچے قدرے پتلے دبلے ہوتے جارہے تھے، وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ آج شام جب احمد آفس سے گھر آئے بچوں کے امتحانوں کا نتیجہ آیا ہوا تھا جو کوئی خاص نہ تھا سب تجیکلس میں بس شاپنگ مارکس تھے، احمد کو بلاوجہ غصہ کرنے کی عادت نہیں تھی۔ لیکن اسے اس بات پر واقعی بہت غصہ آیا اور اس بار اس نے بچوں کو تو بہت ڈانٹا ہی نادیہ کو بھی دو چار سنا دیں۔

''تم تو کہہ رہی تھیں سارا دن بچوں کو پڑھانے میں نکل جاتا ہے اس لیے کاموں کی فرصت نہیں ملتی، تو یہ پڑھایا ہے تم نے کیا خوبصورت نمبر آئے ہیں میرے بچوں کے! بس اب اک سہیلی جو مل گئی ہے اب بچے اور میاں کی کیوں فکر ہوگی، گھر کی حالت بھی خراب ہے کوئی ہوش ہی نہیں ہے جب دیکھو بیگم صاحبہ اپنی سہیلی سے جڑی بیٹھی ہیں اور کوئی کام ہی نہیں وہ تو بے کار ہے کوئی کام نہیں تمہارے تو تین بچے ہیں ہوش کرو ذرا۔''

اور اس کا اتنا کہنا بھی بہت تھا، کیونکہ اس نے آج تک نادیہ کو اک لفظ بھی نہیں کہا تھا آج نادیہ کو احمد کا رویہ بہت بدلا ہوا لگا، اسے اپنے اندر کوئی چیز ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئی، ڈنر پر سب ساتھ تو بیٹھے تھے لیکن اک خاموشی تھی جو ان کا حصار کیے ہوئے تھی نادیہ کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ کھانا کھائے لیکن احمد کی خاطر بیٹھ گئی اور دو چار نوالے لے کر اٹھ گئی۔ احمد کو بھی اس کا یہ رویہ تکلیف دے رہا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اک تو اس کی غلطی ہے کہ بچوں کو ڈھنگ سے پڑھایا نہیں اور اوپر سے نہ معافی مانگی اور کھانا چھوڑ کر اکڑ دکھا رہی ہے۔ حالانکہ بھوک اس کی بھی مر چکی تھی وہ چینج کر کے بغیر کوئی بات کیے کمرے میں چلے گئے وہ برتن اٹھا کر کچن صاف کرتی جاتی اور آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے، اک سیلاب تھا جو آنکھوں میں امنڈ آیا تھا پر احمد جو اس کی آنکھوں سے کبھی آنسو نہ نکلنے دیتے تھے، آج اپنی انا میں اس سے بات کیے بغیر ہی سو گئے تھے، وہ سارے کام ختم کر کے جب کمرے میں آئی تو احمد سو چکے تھے۔ وہ نہ جانے کب تک کتنے ہی پہر سوچتی اور روتی رہی

یہ سوچیں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں، انسان اگر غلط فہمی کا شکار ہو جائے، دل بدظن ہو جائے، تو ہمیں دکھ اور منفی سوچوں کی دلدل میں کھینچتی چلی جاتیں ہیں وہ سوچتی چلی گئی۔

''کہیں واقعی احمد کا کوئی افیئر تو نہیں چل رہا جو بچوں کا غصہ بھی مجھ پر نکال دیا، انہیں میری ہر بات بری لگ رہی ہے لبنیٰ ٹھیک کہتی ہے مرد ذات کا کوئی بھروسہ نہیں کب بدل جائے، جیسے جیسے عورت کی عمر ڈھلتی ہے مرد اپنے پروفیشن میں ترقی حاصل کرتا جاتا ہے، یہ وقت دونوں میں فرق پیدا کر دیتا ہے ایسے میں عورت بوجھ لگنے لگتی ہے۔''

سوچتے سوچتے روتے روتے پوری رات گزر گئی فجر پڑھ کر وہ لیٹی ہی تھی کہ نیند نے ایسا دبوچا کہ اسے ہوش ہی نہ ہوا کہ وہ سوتی رہ گئی اور جب اس کی آنکھ کھلی تو بچے اسکول اور احمد آفس جا چکے تھے، ڈائننگ ٹیبل پر پڑے دودھ کے خالی گلاس اور بریڈ اور جیم کی بوتل اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ احمد نے انہیں ناشتہ بھی کرا دیا تھا۔ دس بج رہے تھے اس کی سمجھ نہیں آ رہی کہ وہ کیا کرے ہاتھ پیر کانپتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے، یہ بھوک کی وجہ سے تھا یا اس ٹینشن کی وجہ سے کہ احمد مجھ سے ناراض تھے اور بنا بات کیے چلے گئے مجھے اٹھا ہی دیتے بچوں نے بھی پتا نہیں کچھ کھایا کہ بس ایسے ہی دودھ پی کر چلے گئے۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا چائے بنا کر اک ٹوس کھانے کے بعد وہ کچھ بہتر محسوس کر رہی تھی اور اتنے میں لبنیٰ اس کے پاس چلی آئی۔ وہ پہلے تو کترانے کی کوشش کرتی رہی لیکن اس کی سوجھی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ روتی رہی ہے اور لبنیٰ کے اصرار پر اسے سب کچھ بتانا ہی پڑا اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر کے اسے اب بہتر محسوس ہو رہا تھا۔ لبنیٰ نے اس سے پوچھا۔ ''احمد کے آفس میں کوئی لڑکی تو نہیں جو احمد کو اب تمہاری پروا نہیں ورنہ وہ تمہیں اک لفظ بھی نہیں کہتا تھا اس کے بدلتے رویہ پر نظر رکھو ایسا نہ ہو کہ وہ ہاتھ سے نکل جائے، ویسے ہی مرد ذات کا کچھ بھروسہ نہیں ہوتا۔''

نادیہ دھیمے لہجے میں ہلکے سے مسکرانے کی ناکام

کوشش کرتے ہوئے بولی۔
''ارے نہیں نہیں! ایسی کوئی بات نہیں ان کے آفس میں تو بہت سی لڑکیاں کام کرتی ہیں، لیکن وہ کبھی نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے، میں جانتی ہوں ان کو وہ اس چکر میں نہیں ہیں بس بچوں کی وجہ سے تھوڑا غصہ آ گیا تھا اس لئے مجھے بھی سنا دیں، ورنہ ایسی کوئی بات نہیں اک آدھ دن میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔''
وہ لبنیٰ سے تو کہہ رہی تھی لیکن خود اپنے دل کو کیسے قائل کرتی کہ خود اس سوچ کا شکار ہو چکی تھی۔
''ہوں ٹھیک ہے۔''
لبنیٰ نے کچھ سوچتے ہوئے نادیہ سے کہا۔
''تم بہتر سمجھتی ہو گی تمہارے شوہر ہیں، لیکن کوئی مسئلہ ہو تو مجھے ضرور بتانا میں تمہارا یہ مسئلہ یوں حل کروا دوں گی۔''
وہ اپنے گھر چلی گئی لیکن نادیہ کا دل تھا کہ قابو میں نہیں آ رہا تھا رہ رہ کر آنکھوں کے بند ٹوٹ جاتے اور اک جھرنا رواں ہو جاتا، وہ اپنے رب سے رو رو کر دعا مانگتی جاتی۔
''اے مالک! میرے احمد کو صرف میرا ہی رکھنا، انہیں مجھ سے محبت کروا دے، ہماری دوریوں کو گھٹا دے، ہمارے دلوں کو ملا دے۔''
ان آنسوؤں میں اس کی ساری توانائی جو احمد کی محبت سے حاصل ہوتی تھی وہ اعتماد وہ سرشاری جو اسے جینے کی توانائی بخشتی تھی بہے جا رہی تھی، وہ خود کو دنیا کی سب سے کمزور انسان محسوس کرتی تھی اور سارا گھر صاف کرنے کے بعد پورے دل سے احمد کی پسند کا کھانا بنایا اور سوچ کر بیٹھی تھی کہ آج احمد کو منا لوں گی، ان کا غصہ ختم ہو جائے گا اور سب ٹھیک ہو جائے گا، بچے اسکول سے آئے تو کھانا کھلا کر انہیں ہوم ورک کرانے بیٹھ گئی، وہ اتنی چڑچڑی ہو رہی تھی کہ بچوں کا بات بے بات لڑنا اسے برا لگ رہا تھا اس کے اعصاب شل ہو رہے تھے، بچوں کو ڈانٹ کر جلدی سے ہوم ورک کروایا اور ٹی وی دیکھنے بٹھا دیا کارٹون دیکھنے کے بعد بچے پارک چلے گئے، وہ بھی ان کے ساتھ ہی تھی بینچ پر بیٹھے کپل اسے اپنے اور احمد کی محبت کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر رہے تھے۔ ہلکی سرد ہوا اس کے اندر تک محسوس ہو رہی تھی، یہ چند گھنٹے اتنے بھاری ہو گئے تھے کہ صدیوں پر محیط ہو گئے تھے، شام کو احمد کے آنے سے پہلے بچوں کو کھانا کھلا کر سلا دیا اور خود نہا کر تیار ہو گئی اچھے سے کپڑے پہنے پرفیوم لگایا میک اپ کیا وہ اس کا انتظار ہی کرتی رہی یہاں تک کہ رات کے گیارہ بج گئے۔ تبھی احمد کا فون آیا۔
''تم کھانا کھا کر سو جاؤ مجھے دیر ہو جائے گی، آفس میں اک میٹنگ چل رہی ہے۔''
وہ ابھی کچھ کہنا ہی چاہتی تھی۔
''لیکن میں نے تو۔۔۔۔۔۔''
احمد کی بارعب آواز نے اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہ دیا۔
''ابھی بات نہیں کر سکتا میٹنگ میں ہوں، بس کھانا کھا کر سو جاؤ'' اور فون بند ہو گیا۔ وہ کتنی ہی دیر ریسیور پکڑے بیٹھی رہی سمجھ نہیں آ رہی تھی اسے اک بار پھر زور سے جھٹکا لگا تھا۔
''بات اتنی کیوں بڑھ گئی کہ تم مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کر رہے کیا یہی میری محبتوں کا ثمر ہے اک چھوٹی سی غلطی میری ہر قربانی ہر ایثار پر بھاری ہو گئی، تمہارا دیر سے گھر آنا اور جلدی جانا مجھے شک میں مبتلا کر رہا ہے، میں کیا کروں کس سے کہوں لبنیٰ تمہارے علاوہ تو اب کوئی دوست سہیلی بھی نہیں رہی۔ اک دل کی بات کر لیتی تھی تو وہ بھی تمہیں کھل گئی اب کیا کروں۔
''احمد! ایسا بھی کر سکتے ہیں اتنا کیسے بدل گئے؟ اور آج سے پہلے کبھی ہم نے اکیلے کھانا کھایا ہے جو آج میں ان کے بغیر کھا لوں۔''
ان ہی سارے سوالوں کے جواب ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس نے سارے برتن اٹھا کر رکھ دیئے اور بیڈ روم میں جا کر لیٹ گئی پر نیند کہاں تھی اسے تو صرف احمد کا انتظار تھا، کچھ گلہ کرنا تھا اور کچھ ان سے سننا تھا کہ اتنا خفا کیوں ہیں۔ اسے اپنے سینے پر منوں بوجھ محسوس ہو رہا تھا ان بارہ برسوں میں

ایسا کبھی بھی نہیں ہوا تھا رات کے ساڑھے گیارہ بج گئے تھے، وہ بے تابی سے ٹہل رہی تھی وقت کا گزرتا ہر لمحہ اسے پریشان کر رہا تھا کہ احمد اب تک کیوں نہیں آئے۔ اس نے کال کرنے کی کوشش کی لیکن موبائل میں بیلینس ختم ہو چکا تھا اسے یاد آیا شام میں بچے اس پر گیم کھیل رہے تھے، تو انہوں نے ہی کہیں کال ملا کر ضائع کر دیئے ہوں گے۔ بچوں کو یوں اکیلا چھوڑ کر بیلینس ڈلوانے جا بھی نہیں سکتی تھی، کیا کرے اس کی سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ احمد کے انتظار میں جاگنا چاہتی تھی اور اسی اضطراب میں سوا بارہ بج گئے نہ جانے کب وہ ٹی وی چلتا چھوڑ کے سوگئی۔ احمد کے پاس ایکسٹرا چابی تھی تبھی وہ آ کر سو گئے، آدھی رات میں جب اس کی آنکھ کھلی تو احمد کو سوتا پا کر وہ اطمینان سے سوگئی کہ صبح بات کروں گی۔ اگلی صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو آٹھ بج رہے تھے اور بچوں کا اسکول ساڑھے آٹھ بجے لگتا تھا اس نے جلدی جلدی بچوں کو تیار کیا ناشتہ بنایا لنچ باکس میں بریڈ پر جیم لگا کر رکھا اور احمد کو بھی دیر ہو رہی تھی، اسی بھگدڑ اور جلدی میں احمد سے کوئی بات ہی نہ ہو سکی اور وہ بچوں کو لے کر گھر سے نکل گئے۔ اس کا سر درد سے پھٹے جا رہا تھا خود بھی چائے پی کر وہ گھر کے کاموں میں لگ گئی۔ لبنیٰ اس کا انتظار کر رہی تھی اور نادیہ نہ پہنچی تو وہ خود آ گئی تھی ساری سچویشن جاننے کے بعد لبنیٰ نے اسے تسلی دی اور سمجھایا۔

"تم سے تو چند الفاظ کہے ہیں احمد نے وہ بھی اس کا حق ہے کیونکہ وہ تم پر بھروسہ کرتے ہیں کہ تم ان کے بچوں کی اچھی تربیت کر رہی ہو اور انہیں اچھے طریقے سے سنبھال سکتی ہو جب انسان کسی پر اعتماد کرتا ہے تو ساری فکروں سے آزاد ہو جاتا ہے اور اسی اعتماد کو اگر ٹھیس لگ جائے تو رشتوں میں دراڑیں پڑنے لگتی ہیں جس کو ایسا جیون ساتھی مل جائے اسے دنیا میں ہی جنت مل جاتی ہے تم بہت خوش قسمت ہو کہ تمہیں اتنا چاہنے والا شوہر ملا ہے، ہر اک کی قسمت ایسی نہیں ہوتی لڑکی کی شادی اک پہیلی کی طرح ہوتی ہے، جو اسے سلجھا لے وہ اس بھول بھلیاں سے نکل کر زندگی کی راہ میں اپنے جیون ساتھی کے ساتھ آگے بڑھ جاتی ہے اور جو اس جیون پہیلی کو نہ سلجھا سکے، وہ اسی بھول بھلیاں میں ساری زندگی گھومتی رہتی ہے، جس سے امید ہوتی ہے وہ امید ٹوٹ جائے تو بہت دکھ ہوتا ہے، خود کو ان کی جگہ رکھ کر دیکھو۔"

نادیہ کو اپنی غلطی کا احساس تو تھا لیکن احمد کے اکھڑے رویہ سے شکایت بھی تو آنسوؤں کا سلسلہ اک بار پھر جاری ہو گیا تھا وہ نادم تھی مگر انا کی دیوار اور شک کی زنجیر سے بندھی ہوئی تھی لیکن لبنیٰ کی باتیں سننے کے بعد اس نے فیصلہ کر لیا آج کچھ بھی ہو جائے وہ احمد سے بات کر کے رہے گی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ احمد ابھی آ جائیں اور وہ اپنے دل کی ہر بات کہہ کر دل صاف کر لے۔ پہلے اس نے سوچا کہ فون کر لے۔ "مگر بات آدھی ادھوری نہ رہ جائے اور احمد نے اگر غصہ کیا اور فون بند کر دیا تو میں کیا کروں گی اس سے بہتر ہے جب وہ گھر آئیں تو پھر ہی بات کروں گی۔" بچوں کے گھر آنے کے بعد اس نے کھانا کھلا کر روزانہ کی طرح ہوم ورک کرایا اور کھیلنے پارک بھیج دیا، وہ اس سارے ذہنی دباؤ سے اتنی تھک گئی تھی کہ کچھ دیر سونا چاہتی تھی۔ احمد کے گھر آنے سے پہلے وہ بچوں کو کھانا کھلا کر سلا چکی تھی مگر یہ کیا احمد آئے تو وہ کھانا گرم کر کے لگا ہی رہی تھی کہ ہم ساتھ مل کر کھائیں گے احمد بھی اس کوفت سے تھک چکے تھے۔ احمد ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے تھے انہوں نے نادیہ کے ہاتھ سے لے کر پلیٹ رکھی اور اس کے دونوں ہاتھوں کو تھامتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھنے لگے۔ وہ حیران تھی کہ ابھی تک وہ مجھ سے ناراض تھے احمد نے کہا۔

"تمہاری یہ روتی ہوئی آنکھیں مجھے کتنی تکلیف دیتی ہیں تمہیں اندازہ بھی نہیں۔"

نادیہ کی انا اک بار پھر جاگ اٹھی۔

اس نے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

"تو ایسے کام کرتے ہی کیوں ہیں کہ ان آنکھوں میں آنسو آ جائیں۔"

"ایسا میں نے کیا کہہ دیا کہ تم نے مجھ سے بات کرنا ہی چھوڑ دی۔"

احمد کو بھی اپنی انا پیاری تھی دکھ اور غصہ اس کے الفاظ اور لہجے سے صاف جھلک رہا تھا۔

نادیہ اپنے رکے ہوئے آنسوؤں کو مزید روک نہ سکی۔

"مجھے بچوں کے سامنے ذلیل کر دیا اتنا کچھ سنایا پھر پوچھتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا کہہ دیا۔"

احمد جیسے ایک بار پھر بھڑک اٹھا تھا۔

"تو غلطی بھی تو تمہاری تھی سارا سارا دن اپنی سہیلی کے ساتھ وقت گزارتی ہو، گھر کا بچوں کا میرا کسی کا کوئی خیال نہیں کھانا جل جاتا ہے کپڑے استری نہیں ہوتے، بچے تقریباً فیل ہو گئے تھے اور تمہیں کوئی کچھ کہے بھی نہ۔۔۔"

نادیہ روتے ہوئے بولی۔

"آپ بدل گئے ہیں۔ احمد! میری ہر بات کا خیال رکھنے والے احمد مجھ سے دور ہو گئے ہیں۔ آپ آفس کی مصروفیت میں اتنے محو رہتے ہیں کہ آپ کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ میں تنہائی کا شکار ہو گئی ہوں، مجھے بھی اک سہیلی کی اک دوست کی ضرورت ہے کیا میرا کام صرف بچوں، گھر اور آپ کی دیکھ بھال ہے میری اپنی بھی کوئی ضرورتیں ہیں، مانا کہ زیادہ وقت میں نے کنبی کو دیا۔ لیکن اک عرصے کے بعد تازہ ہوا کا جھونکا بن کر آئی ہے وہ میری زندگی میں میری زندگی تو صبح سے شام تک اسی گھر کا طواف کرتی ہے اس دائرے سے باہر نکل کر چند لمحے سانس لی تو آپ کو برا لگ گیا۔"

احمد نے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا چلو اب سے مزید ٹائم دیا کروں گا اور تم بھی بچوں کی پڑھائی پر اور توجہ دو غصے میں کہے گئے الفاظ اکثر بعد میں زخم بن جاتے ہیں میں اپنی غلطی کو تسلیم کرتا ہوں، لیکن تم نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ میں اتنا چڑچڑا کیوں ہو رہا تھا، آفس میں کام کی زیادتی اوپر سے نوکری جانے کا خوف میرے اعصاب پر بری طرح اثر انداز ہو رہے تھے، میں بھی تو ان بارہ سالوں میں تمہاری محبتوں اور تمہارے وقت کا عادی ہو چکا ہوں، ہاں اب میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا اور یقیناً تم بھی ہمیں کسی اور سے زیادہ اک دوسرے کی ضرورت ہے اور اک دوسرے کے وقت کی بھی۔"

"ہاں اسی لیے کل صبح مجھے اٹھائے بغیر چلے گئے مجھ سے بات بھی نہیں کی۔ سارا دن میں پریشان رہی۔"

نادیہ ناراضی ظاہر کرتے ہوئے کہہ رہی تھی احمد کو بھی مزا آ رہا تھا وہ بھی اک دم خوشگوار موڈ میں آ گیا تھا اس کا ہاتھ پکڑ کر قریب کرتے ہوئے بولا۔

"وہ تو مجھے اپنی مہارانی صاحبہ سوتے ہوئے اتنی اچھی لگ رہی تھیں کہ دل چاہا ایسی دو ہوں۔"

نادیہ بھی موڈ میں تھی وہ اس کے مذاق کو سمجھتے ہوئے زور سے ہنس دی احمد کی مستی نے گھر میں ہنسی کا ماحول بنا دیا تھا، احمد نے یوں اچانک بیان بدلہ کہ نادیہ زور سے ہنس دی۔

"اچھا تو دو کی خواہش ہے مہاراجہ صاحب کو۔"

احمد اسے اپنی بانہوں کے گھیرے میں لیے کہہ رہا تھا۔

"اور کیا! ہمیں تو اسلام نے بھی اجازت دی ہے۔"

پھر دونوں جانے کب تک ہنستے ہی رہے۔

دونوں نے مل کر کھانا کھایا نادیہ اور احمد دونوں کے اعصاب پر چھائے بدگمانیوں کے سارے بادل چھٹ چکے تھے۔ آج تین دن بعد اسے ٹھیک سے نیند آئی تھی اک روشن اور خوبصورت صبح اس کا استقبال کرنے کو تیار تھی آج اک بار پھر اسے باہر کا منظر دیکھ کر خوشی اور اطمینان کا احساس ہو رہا تھا، ان ہی درختوں پر جب نئی کونپلیں نکل رہی تھیں منظر بدل رہا تھا، پارک میں سردی کم ہو جانے کی وجہ سے لوگوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو چکا تھا چڑیوں کی چہچہاہٹ میں وہی سریلا سنگیت بج رہا تھا، جو روح کے اندر تک اترتا محسوس ہوتا ہے اسے آج یہ ماننے میں کوئی اعتراض نہ تھا کہ ان دونوں نے مل کر اپنی زندگی کی جیون پہیلی سلجھائی تھی، اور اب زندگی کی راہ کو اک منزل کی جانب جانا تھا۔

☆☆☆

عائشہ حمد

افسانہ

پھر دل مل گئے



''جو رشتہ آتا ہے تمہاری وجہ سے واپس ہوتا ہے۔ میں کہتی ہوں کہ تم نے اس گھر میں جادو کر رکھا ہے سسر کو تم نے اپنی مٹھی میں کرلیا ہے۔ شوہر پہلے ہی دیوانہ ہے اور تو اور جو نہی اظفر آتا ہے۔ کالج سے تمہارے آگے پیچھے گھومتا ہے''۔ ثروت غصے سے بولیں۔

''امی! میں کچھ ایسا نہیں کرتی آپ لوگوں کو وہم ہے''۔ حریم بولی۔

''تمہاری وجہ سے میری بہن چھوٹ گئی بچپن کی مانگ تھی میری بھانجی میرے بیٹے کی۔ تم سے ملا اور بس ایک منٹ میں پلٹ گیا کہ اگر شادی کروں گا تو صرف حریم سے کروں گا، اور اب تمہارا قبضہ ہے اس پر''۔ ثروت بولیں۔

''میں تو جارہی ہوں تھوڑی دیر کے لئے اپنی بہن کے گھر جب میں آؤں تو سارا کام گھر کا کر کے رکھنا''۔ وہ یہ کہہ کر باہر نکل گئیں۔

تبھی نند آ کر سامنے کھڑی ہوگئی۔

''حریم بھابی! میری دوستیں آرہی ہیں آپ فٹا فٹ ناشتہ بنادیں''۔

''بس ایک منٹ ابھی دیتی ہوں''۔

''بس ایک منٹ..... کیا مطلب ہے اس بات کا؟ صرف بولیں لیں، ڈیٹس اٹ''۔ وہ غصے سے کرسی کو ٹھوکر مارتے ہوئے بولی تھی۔

وہ چائے لاکر جونہی ٹیبل پر رکھنے لگی۔ شازی نے میٹ کو زور سے کھینچا ساری چائے اچھل کر حریم کے پیروں تک آئی تھی۔ وہ چیخ مار کر دیوار سے جا لگی۔ سسر فوراً ہی کمرے سے باہر آگئے تھے، شور سن کر۔

''کیا ہوا؟'' گری ہوئی چائے دیکھ کر وہ فوراً ہی سمجھ گئے کہ یہاں پر کیا ہوا ہے۔ اظفر کو انہوں نے آواز دی اور جلدی سے وہ ہاسپٹل کے لئے دوڑے تھے۔

''کہاں ہیں امی! آپ جلدی گھر آئیں''۔

شازی نے امی کو فون کیا تھا۔

''کیا ہوا میری جان! خیریت''؟

''نہیں امی! خیریت نہیں ہے حریم نے خود اپنے پیر پر چائے گرائی ہے اور چیخ چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھالیا''۔

''ابھی آتی ہوں گھر میں اس جادوگرنی کو ٹھیک کرتی ہوں۔ بڑی زلفیں اڑا کر میرے بیٹوں کو متاثر کرتی ہے''۔ ثروت غصے سے بولیں۔

''کیا ہوا شازی کی ماں تھوڑی دیر تو بیٹھو''۔ ان کی بہن عظمی بولیں تھیں۔

''مت پوچھو ہمارے گھر میں جو آئے دن تماشہ ہوتا ہے۔ حریم ہر وقت آئینے کے سامنے کھڑی رہتی ہے۔ بار بار اپنے بالوں کو برش کرے گی اور دیکھے جائے گی۔ ایک دن تو حد ہوگئی شازیہ نے چھپ کر اس کے کمرے میں جھانکا تو وہ لہرا لہرا کر ڈانس کرتے ہوئے اپنے بالوں کو دیکھ رہی تھی۔ پھر بالوں پر ہونٹ رکھ کر بڑی مطمئن ہو کر کچھ منتر پڑھ رہی تھی''۔

''اس کی ماں کے بھی یہی کرتوت تھے''۔ عظمی بولیں۔

''کیا کروں فیصل اس کا دیوانہ ہے ورنہ میں تو اسے ایک دن بھی نہ رکھوں۔ سچ آپا مجھے بھی بڑا برا لگتا ہے وہ اپنے لمبے بالوں کی چوٹی کے ساتھ مٹکتی ہوئی چلتی ہے گویا اس کے مقابلے کا کوئی نہیں ہے اور ہنستی ہے وہ ہم لوگوں کے بالوں پر، طنز کرتی ہے''۔

''کم بخت ہم لوگ ہیں بھی تو گنجے، نہ صورت نہ شکل بس اللہ کی دین ہے کہ بالوں کے گچھے کے گچھے اس کے سر پر لہرا رہے ہیں''۔

''دیکھتی ہوں گھر جا کر، کسی دن پکڑ کر استرا نہ چلوادیا تو میرا نام ثروت نہیں''۔

''مزا آجائے پھر تو ساری چوکڑی بھول جائے گی''۔ عظمی بولیں۔

''شام ہوتی ہے پھر دیکھو بی بنو کا سنگھار، نہا دھو کر کپڑے پہن کر بالوں کو بالکنی میں بیٹھ کر سلجھاتی ہے، تا کہ فیصل وہیں سے دیکھ لے، اور ہاں کبھی کبھی تو یہ بھی ہوتا ہے فیصل اسے وہیں سے آواز دے گا وہ اس کے حسن کا دیوانہ ہے ایک بار کیا ہوا عظمیٰ''۔ وہ کہتے کہتے رک گئیں۔

''کیا، کیا''۔ وہ بھی اور قریب چلی آئیں۔

''بے غیرت کہیں کا دروازہ کھلا تھا میں یونہی چلی گئی۔ دیکھا تو اس کے بالوں سے کھیل رہا ہے''۔ ثروت شرما کر بولیں۔

''ہائے آپا کتنا بے شرم ہے''۔ عظمیٰ بھی جھینپ گئیں۔

''کسی دن مجھے غصہ آ گیا ناں تو حساب برابر کردوں گی''۔ ثروت بولیں۔

......☆......

ثروت جب گھر پہنچیں تو حریم گھر آ چکی تھی سب لوگ چپ چپ تھے۔

''زیادہ ڈرامہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے سب معلوم ہے جو کچھ یہاں ہوا ہے''۔ انہوں نے ایک گہری نظر حریم پر ڈالی اور مڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

صبح جلدی جلدی فیصل آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا تب شازی نے اپنے کان جاسوسی کرنے کے لئے دروازے کے ساتھ لگا دیئے۔ فیصل بول رہا تھا۔

''سچ حریم میری جان تمہارے بالوں میں ہے پہلی بار میں تمہارے ان بالوں کو دیکھ کر ہی عاشق ہو گیا تھا۔

امی نے کئی لڑکیوں کو مجھے دکھایا مگر میں نے ہمیشہ انکار کیا اور کہا کہ مجھے وہ بلیو کپڑوں والی لڑکی پسند آئی ہے''۔ حریم ہنس کر کپ میں چائے ڈالنے لگی۔

''یہ تو وہی بات ہو گئی کہ شہزادے کی جان ایک طوطے میں بند ہو گئی میں نے بچپن میں پڑھا تھا''۔

''نہ ہی یہ کوئی کہانی ہے اور نہ ہی کوئی ڈرامہ ہے''۔ فیصل نے اپنی انگلیوں سے اس کے بال بکھیر دیئے تھے۔ وہ ہنستے ہوئے اسے خدا حافظ کہنے کے لئے آگے بڑھی تو شازی جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔

امی سے ایک کی دس لگانے شازی پہنچ گئی تھی۔

''کیا کروں شازی فیصل اس کا دیوانہ ہے''۔ ثروت سب سن کر بولیں۔

''تو بس تماشہ دیکھتی رہیں آپ وہ تو اس کی زلفوں کا اسیر ہے وہ تو لے کر نکل جائے گی بھائی کو جادوگرنی کہیں کی''۔

''پھر کیا کروں میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا ہو رہا ہے اس گھر میں جس سے بات کرو وہی اس کا حمایتی بنا پھر رہا ہے''۔

''ٹھیک ہے امی یہ کام میں خود کروں گی۔ ایک دن اس کی چٹیا میں آگ لگا دوں گی''۔

''شازی! دیکھ بھال کر اگر جل گئی تو مصیبت ہو جائے گی آجکل چپے چپے میں میڈیا والے گھوم رہے ہیں، بیٹھے بٹھائے کوئی مصیبت نہ کر لینا''۔

''امی! جب میری اپنے بالوں پر نظر پڑتی ہے تو ایک آگ سی لگتی ہے اور تو اور آپ دیکھیں بڑے بھیا امریکہ سے میرے لئے وگ لے کر آئے تھے ایسا دل جل رہا تھا کہ دل چاہ رہا تھا اٹھا کر ان کے منہ پر ماروں۔ اس وقت حریم کھلکھلا کر ہنسی تھی بھولی نہیں ہوں میں اظفر کیا کھلکھلا کر ہنس رہا تھا۔ امی آپ بھی ایسے موقع پر کچھ بولتی نہیں ہیں کہ سب کے لئے تم پرفیوم کپڑے وغیرہ لا رہے ہو اور اکلوتی بہن کے لئے وگ لا رہے ہو''۔ دل میں لگی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی۔ تو وہ ذہن میں کئی طرح کے منصوبے ترتیب دینے لگی طرح طرح کے پلان بنانے کے بعد اسے بس یہی راستہ نظر آیا کہ کوئی ایسا لوشن سر پر لگا دیا جائے کہ جو سارے

بالوں کو گرادے۔

☆

اور پھر ایک رات ایسا ہی ہوا شازی نے پہلے سارے نل کھول کر پانی بہادیا پھر خاموشی سے بھری بوتل کا سارا لوشن لاکر حریم کے سر پر انڈیل کر مساج کردیا تو حریم چیخ کر اٹھی سبھی گھر والے آگئے تھے۔

"یہ کیا ہے، یہ کیا کیا تم نے"۔ حریم جلدی سے اپنے بالوں کو نوچ رہی تھی پھر جلدی سے شاور لینے بھاگی تو وہاں پانی نہیں تھا۔ شازی ہنس رہی تھی۔

"آج فیصل کی نائیٹ ہے صبح تمہاری اس گھر میں آخری صبح ہوگی میں نے انتقام لے لیا تم میرے کم بالوں پر ہنستی تھیں آج میں نے تمہیں بھی ویسا بنادیا"۔

"شازی یہ تم نے اچھا نہیں کیا"۔ وہ جیسے جیسے بالوں کو تاول سے سمیٹ رہی تھی بال گرتے جارہے تھے فریج سے پانی کی بوتل نکال کر بالوں کو دھویا لیکن سر میں کچھ بھی نہ بچا وہ شاور لینے کے بعد باہر نکلی تو آئینہ دیکھ کر رونے لگی اس کے بال سامنے سے غائب ہو چکے تھے وہ حسن حسن ہی نہ رہا تھا۔

حتیٰ کہ جب فیصل گھر آیا جونہی اس کی نظر حریم پر پڑی تو وہ بے ساختگی سے بولا۔

"حریم کہاں ہے"۔ حریم سسک سسک کر رو رہی تھی۔

"یہ سب شازی نے کیا ہے"۔

"تم کہاں تھیں جواب دو"۔ فیصل غصے سے بولا۔

"تم چلی جاؤ میری نظروں سے دور مجھے تمہیں دیکھ کر خوف آرہا ہے"۔

"فیصل! میں امی کے گھر چلی جاتی ہوں"۔

"جہاں دل چاہے تم چلی جاؤ میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ میں شازی اور امی کے بارے میں نہ کوئی بات سننا چاہتا ہوں نہ کہنا چاہتا ہوں تمہیں خود خیال رکھنا چاہیے تمہیں معلوم نہیں کہ شازی نفسیاتی مریض ہے وہ تمہیں پسند نہیں کرتی اس لئے اس نے ایسا کیا"۔

سب گھر والے افسردہ اور پریشان تھے شازی قہقہے لگا کر ہنس رہی تھی۔

"میں نے اپنا انتقام لے لیا دیکھو اپنی شکل آئینے میں میری جیسی لگ رہی ہو"۔ وہ اسکارف باندھ کر اپنی ماں کے گھر چلی گئی وہاں بھی سب لوگ افسردہ اور پریشان ہو گئے۔

☆

اس کے بچپن کی ایک پرانی دوست جب اس سے ملنے آئی تو وہ بھی اسے دیکھ کر حیران رہ گئی کہ حریم وہ حریم ہی نہ تھی اس کی مسکراہٹ، آنکھوں کی چمک سب کچھ ماند پڑ گیا تھا۔ کسی کے سامنے اسے جاتے ہوئے شرم آتی ہر وقت وہ اسکارف لپیٹے رکھتی۔ وہ اپنی سسرال سے کٹ کر رہ گئی تھی۔ فیصل بھی اپنی طرف سے خاموش تھا اس نے بھی کوئی رسپانس نہیں دیا تھا۔

پھر اس کی دوست بڑی رازداری سے کوئی چیز چھپا کر شاپر میں لائی تھی۔

"حریم میری جان! مجھ پر بھروسہ کرو اور جو میں کہوں گی وہ تم کرو گی جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا"۔

"کچھ نہیں بنش اب کچھ نہیں ہو سکتا میں بازار سے بہت اچھی وگ لے کر آئی ہوں اور اب میں اس بات کو بھول چکی ہوں میں فیصل کا سامنا نہیں کر پارہی اور نہ وہ مجھے اپروچ کر رہے ہیں اور نہ میں اب وہاں جاؤں گی"۔ وہ روتے ہوئے بولی۔

"حریم تم سمجھنے کی کوشش کرو بال انسانی حسن کا ایک اہم حصہ ہیں بالوں کے بغیر انسان ادھورا ہوتا ہے۔ فیصل بھائی حق بجانب ہیں تمہیں اپنے بالوں کی حفاظت کرنی چاہیے تھی"۔

"بینش میں کیا کرسکتی تھی شازی نے سوتے میں میرے بالوں پر لوشن ڈال دیا بر وقت اگر پانی مل جاتا تو

میں اپنے سر کو واش کر لیتی لیکن ایسا نہیں ہوا بینش ایسے میرے گچھے کے گچھے بال اترے ہیں کہ واش روم میں بال ہی بال تھے۔ صبح واش روم کی گٹر لائن ابل رہی تھی۔ جب میں نے ماسی سے کہا کہ کیا ہے ماسی کیوں گٹر لائن بار بار ابل رہی ہے۔ تو وہ نظریں جھکا کر بولی بی بی آپ کے بال، جب میں نے نظر ڈالی تو میرے لمبے کالے اور گھنے بال اس کے ہاتھوں میں نظر آ رہے تھے"۔

"مت دکھی ہو Past is Past جو گزر گیا سو گزر گیا حریم اب رونا چھوڑو اور اب میری بات مانو میں تمہارے لئے ایک حیرت انگیز اور بہت اچھی چیز لائی ہوں"۔

"نہیں بینش اسے اپنے پاس رکھو امی کہہ رہی ہیں کہ وہ کسی بابا سے پڑھا ہوا پانی لائیں گی تو میرے بال پہلے جیسے ہو جائیں گے"۔

"شرک کرنے جا رہی ہیں تمہاری امی، بابا کے پڑھے ہوئے پانی میں اتنا اثر ہے تو پھر اتنے لوگوں کے خود کیوں غلام بنے رہتے ہیں تمہارے بابا صاحب جائیں اور اپنے پانی کی کرامات سے سب کچھ حاصل کر لیں اللہ کے علاوہ کسی کی حاکمیت کو ماننا شرک ہے اللہ شرک کو پسند نہیں کرتا"۔ بینش رکی تو حریم بولی۔

"تم تو خود اسکارف میں سر چھپائے رہتی ہو میرے لئے کیا کر سکو گی"۔

"تم نے دیکھا کیا ہے"۔ اس نے اپنا اسکارف سر سے اتار دیا لمبے، گھنے بال اس کے کندھوں پر جھول رہے تھے۔

"تم نے اتنے حسین بالوں کو کیوں چھپا کر رکھا ہے"۔ حریم بولی۔

"یہ میرے حسن کا زیور ہے خود نمائی نہیں"۔

"تمہارے شادی سے پہلے تو ایسے بال نہیں تھے"۔ حریم بولی۔

"میرے شوہر کو بہت زیادہ لمبے بال پسند ہیں تو اس لئے "لائف بوائے شیمپو" انہوں نے لا کر دیا۔ میرے ہسبینڈ کے دوست کی وائف ہانیہ کا یہ آزمایا ہوا شیمپو تھا وقت تو لگا مگر محنت رائیگاں نہیں گئی کچھ عرصے کے بعد میں دوبارہ جی اٹھی۔ نئی زندگی مل گئی میرے بالوں کو اور آج میں یہ تمہارے لئے لائی ہوں تم ایک بار استعمال کر کے تو دیکھو اور چند ماہ کے استعمال سے تمہاری دنیا بدل جائے گی اور یہ اسکارف اتر جائے گا"۔

"ہاں میں بھی یہ چاہتی ہوں میری نند شازیہ کی شادی ہونے والی ہے اور چار ماہ بعد وہ لوگ مجھے اپروچ کر رہے ہے کہ شادی میں لازمی شامل ہونا ہے ورنہ لوگ سوال اٹھائیں گے سنا ہے بڑے زوروں کی تیاریاں ہیں بات بھی طے ہو گئی مجھے نہیں بلایا اور سرسری طور پر کہا بھی تو میں نہیں گئی۔ فیصل ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں۔ میں خود بھی ان سے ناراض ہوں انہیں حجاب سے سخت چڑ ہے یہ بات میں پہلے سے جانتی تھی۔ یہ بات نہیں کہ میں اسکارف اوڑھنے لگی ہوں۔ اینی وے جو ہوگا دیکھا جائے گا میں نے تو ایک اسکول جوائن کر لیا ہے مجھے تو کوئی پرابلم نہیں میں اسکارف باندھ کر جاتی ہوں کسی کو میرے بالوں کی خبر نہیں اور اگر ہو بھی جائے تو سو واٹ، حادثات تو زندگی کے ساتھ ہیں لیکن شازی نے یہ میرے ساتھ اچھا نہیں کیا"۔ وہ دکھی لہجے میں بولی۔

☆

"ارے دیکھنا یہ تو فیصل کی بیوی ہے۔ اس نے تو حجاب کرنا شروع کر دیا تھا فل اسکارف میں اسے میں نے آتے جاتے دیکھا ہے آج دیکھو کیسے بال کھولے اتراتی ہوئی گھوم رہی ہے۔ اس کو شروع سے اپنا یہ اسٹائل پسند تھا"۔ حریم کی ساس کی بہن بولیں۔ کسی

ایک تقریب اچانک حریم انہیں نظر آئی تھی۔

"ارے ہاں سنا تو میں نے بھی ہے کہ ان کا کوئی اختلاف چل رہا ہے میکے میں بیٹھی تھی شادی میں دنیا دکھاوے کے لئے بلایا ہے کہ ہم میں بڑی محبت ہے۔ ہر ایک سے کہتیں ہیں کہ حریم کی ماں بیمار ہے اس لئے وہ وہاں رہ رہی تھی حالانکہ سب جانتے ہیں کہ شازی سے اس کی بنتی ہی نہیں ہے"۔ دوسری صاحبہ بولیں۔

"سنا تو میں نے یہ بھی تھا کہ فیصل کی دوسری شادی کا سوچ رہے ہیں یہ لوگ مگر وہ تو فیصل ہی نہیں مانا کہ نہیں شازی کی شادی کے بعد سوچوں گا"۔

"اچھا سنا تو میں نے بھی تھا"۔ کوئی دوسری صاحبہ پٹ سے بول پڑیں اور پھر خود ہی "استغفر اللہ استغفر اللہ" کہہ کر بولیں۔

"ہم غیبت کر رہے ہیں"۔ اور جلدی سے انہوں نے اپنے اسکارف کو درست کیا تھا۔

☆

وقت کی رفتار کو کون روک سکا ہے وقت گزرتا رہا سال ڈیڑھ سال کے بعد شازیہ کی بڑے دھوم دھام سے شادی ہونے والی تھی۔ شازیہ جب بیوٹی پارلر تیار ہونے گئی تو اس نے باہر سے آئی ہوئی وگ اور سوئچ لگوایا۔ جب دلہن بن کر وہ سب کے سامنے آئی تو سب نے کہا۔

"شازیہ کتنی اچھی لگ رہی ہے"۔ دلہن بن کر وہ جب رخصت ہو کر اپنے سسرال پہنچی۔ دوسرے دن جب وہ شاور لے کر باہر آئی تو دوسری عورتوں کا ہنس ہنس کر برا حال تھا مگر اس کی ساس نندوں کا چہرہ اتر گیا۔

"ہمارے ساتھ دھوکا ہوا دلہن گنجی تھی وگ لگا کر ہمیں دھوکا دیا گیا"۔ تب شازیہ کو حریم پر کئے جانے والے ظلم کا اندازہ ہوا وہ روتے ہوئے ماں سے بولی۔

"امی! ہم نے بڑا ظلم کیا ہے حریم بھابی پر، اللہ میاں نے اسی لئے ہمیں سزا دی کہ ہم رسوا اور ذلیل ہوئے"۔

"تو کیا ہوا تم نے دیکھا نہیں تھا تمہاری شادی کے دن حریم کیسے وگ لگا کر آئی تھی ہم نے تو کچھ نہیں کہا"۔

"نہیں امی! غلطی ہوگئی اللہ ہمیں معاف نہیں کرے گا ہم فیصل بھائی کو منا لیتے ہیں اور حریم بھابی کو گھر لے آتے ہیں میں خود جاؤں گی ان کو لینے آپ راضی ہیں"۔

"ہاں بیٹا! میں خود نہیں چاہتی فیصل کا گھر برباد ہو وہ بہت اجڑا اجڑا لگتا ہے میں تمہاری وجہ سے خاموش تھی۔ اب جب تم اس گھر سے رخصت ہوگئی ہو تو میں اسے لے آؤں گی۔ فیصل بھی یہی چاہتا ہے۔ ڈیڑھ دو سال کا وقفہ کم نہیں ہوتا"۔

"لیکن امی! مجھے حریم بھابی سے معافی مانگنی ہے تاکہ میرا گھر بس جائے میرے بال ہلکے تھے مگر میں گنجی تو نہیں تھی جو میں وگ لگا کر بیٹھ گئی اور جگ ہنسائی ہوئی۔ امی دانش بھی کہہ رہے تھے کہ کیا ضرورت تھی تمہیں وگ لگانے کی خواہ مخواہ ہم لوگوں کا تماشہ بنا"۔ اس نے اپنے بیگ سے وگ نکال کر کچرے میں پھینکی تھی۔

"ارے شازی! اسے اٹھا کر گھر سے باہر پھینک نجانے کس مردے کے بال ہوں گے وہ بھی کسی گوری میم کے"۔ ثروت بولیں۔

☆

"سچ بھائی! میں نے ہی بھابی کے بالوں سے نفرت کی مجھے ان کے بالوں کی خوبصورتی سے نفرت تھی۔ بس میں نے غیر ارادی طور پر ان کے بالوں پر لوشن لگا دیا"۔ شازی بولی۔

"شازی! یہ تم نے اچھا نہیں کیا"۔ فیصل اس کے ہاتھ جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔

"تمہیں پتہ ہے کہ تم نے مجھے کتنی اذیت دی"۔

''آئی نو بھائی مجھے معاف کر دیں''۔

''تم نے تو مجھ سے کہا تھا کہ حریم خود ڈرامہ کر رہی ہے صرف تمہیں تنگ کرنے کے لیے''۔

''معاف کر دیں بھائی! میں اپنی فطرت سے مجبور تھی جو ایسا کر گئی''۔

''مجھے کچھ نہیں معلوم''۔ فیصل غصے سے باہر نکل گیا تھا۔

''نہیں امی! کچھ بھی ہو جائے میں حریم بھابی کو ولیمے کے دن لے کر آؤں گی''۔ شازیہ سسک سسک کر رو رہی تھی۔

''تم خود جاؤ اور اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے اسے لے آؤ تاکہ تمہارے لئے آسانیاں ہوں، سمجھیں، تم نے بسا بسایا گھر اپنے بھائی کا برباد کیا ہے''۔ وہ جھنجلا کر اٹھ گئیں۔

شازیہ نے حریم کے گھر جا کر اپنے گناہوں کا اعتراف کیا تھا معافی مانگی تھی اور اسے ولیمے کے لئے راضی کر لیا تھا حریم ولیمے کے دن بہت جاذب نظر اور پرکشش نظر آ رہی تھی ہاں اتنے لمبے بال تو نہ تھے مگر بہت گھنے، چمکدار سلکی شولڈر کٹ اس پر بہت سوٹ کر رہے تھے فیصل کی نظر بار بار اس کے بالوں پر جا رہی تھی۔ اس نے لمبی پنک اور پرپل کنٹراس فراک پہنی ہوئی تھی۔ سردیوں کے دن تھے اس نے بہت خوبصورت سی فیروزی کلر کی شال اپنے کندھوں پر لی ہوئی تھی۔ وہ گھر واپس جانے کے لئے اپنی ماں کے پاس آئی تھی۔ فیصل سارے مہمانوں کو چھوڑ کر بہت تیزی سے حریم کی طرف آیا تھا۔ گاڑی کی طرف بڑھتی ہوئی حریم کا ہاتھ اس نے تھام لیا۔

''پلیز حریم! ان سب باتوں میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ ایک غلط فہمی تھی جو کہ شازی نے ہمارے درمیان پھیلا دی تھی کہ تم نے خود کیوں حفاظت نہیں کی اپنے بالوں کی اور بقول شازی کے کہ یہ بھابی کی چال ہے کہ میں اس سے منحرف ہو جاؤں اسے میری کمزوری پتہ تھی تمہارے بال''۔ اس نے اس کے بال پیار سے چھوئے کہ کہیں اس کی وگ نہ اتر جائے۔

''چلو گھر چلو اب وہاں شازی نہیں ہے وہ دیکھو امی آ رہی ہیں وہ بھی تمہاری منتظر ہیں جو بھی ہے جس حال میں بھی ہو تم مجھے پسند ہو''۔ اس نے مسکراتی ہوئی نظر اس کے بالوں پر ڈالی۔

''بس مجھے اسکارف پسند نہیں ہے۔ یہ تو کیا میں تمہیں اور دو چار وگ لا کر دوں گا امریکہ سے''۔

''واٹ...... کیا وگ لا کر دیں گے اللہ نہ کرے کے میں کسی کے بال اپنے سر پر لگاؤں۔ اللہ کے بعد ''لائف بوائے شیمپو'' نے میرے بالوں کو نئی زندگی دے دی''۔

''ریئلی......'' فیصل حیرت سے اس کے بالوں کو چھو رہا تھا۔

''آئی کانٹ بلیو اٹ، میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ شازی کی طرح تم نے بھی وگ لگائی ہے''۔ فیصل حیرانگی اور پسندیدگی سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

''بہت کمزور انسان ہو تم ہمیشہ غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہو''۔ حریم بولی۔

''میری کمزوری تم جانتی ہو''۔

''جانتی ہوں ناں اسی لئے یہ بال میں نے آپ کے لئے پہلے سے حسین کئے ہیں''۔ حریم نے کھلکھلا کر کہا۔ فیصل نے جلدی سے اپنی گاڑی کا دروازہ کھولا تھا پلٹ کر وہ حریم کے دروازے کی طرف آیا اور بہت مسکرا کر سر جھکا کر بولا۔

''میم پلیز۔ تشریف رکھئے''۔ اور حریم بہت کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ دسمبر کا سورج اس پار ڈوب گیا تھا اور روشن روشن پہلی جنوری کا سورج نکل آیا تھا۔

☆......

کائنات غزل

افسانہ

نیلی آنکھوں والی گڑیا

شام کا وقت تھا۔ پرندے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ شمس العارفین کے نام کی تختی والے پرانے طرز پر بنے بڑے سے گھر کے پچھلے صحن میں رونق لگی تھی۔ ہفتے کے دن ان کی دونوں بہوئیں ارسہ، فردا اور دو بیٹیاں عائزہ سحر، فائزہ سحر اپنے بچوں کے ساتھ جمع ہوتیں۔ شمس العارفین صاحب تخت پر بیٹھے اپنے نواسوں، پوتیوں کی معصوم حرکتوں سے لطف اندوز ہوتے۔ ایک طرف بیٹیاں، بہوئیں سر جوڑے بیٹھی گفتگو کر رہی ہوتیں۔ دوسری طرف ان کی نواسیاں، پوتیاں عیشہ، عقیقہ، عبیرہ ہر اسمندر کھیل رہی تھیں اور علی، سبحان، عفان کرکٹ کھیلنے کی کوشش میں لگے تھے۔ دیکھنے والے کو یہ منظر مکمل لگتا لیکن انہیں کچھ کمی لگی۔ بلکہ ادھورا لگا کہ اس منظر میں ان کی نیلی آنکھوں والی گڑیا نہیں تھی اور اس کے نیلی آنکھوں والے بچے اس منظر کا حصہ نہیں تھے۔ نہ جانے کیوں ان کا دل اچاٹ ہونے لگا۔ انہوں نے اپنی تسبیح کے لیے اِدھر اُدھر ہاتھ مارا۔

تسبیح ملی تو سر پر ٹوپی جمائی۔ اپنی اسٹک کے سہارے کھڑے ہوئے تو سامنے تخت پر بیٹھی ان کی شریک حیات نے آنکھ کے اشارے پر پوچھا۔ ”کہاں چلے۔“ انہوں نے اپنے کمرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ اثبات میں سر ہلاتی اپنی تسبیح کے دانے گرانے لگیں۔

اسٹک سائیڈ پر لگا کر اپنے بیڈ پر نیم دراز ہو گئے۔ آنکھیں بند کیں چھم سے نیلی آنکھوں والی گڑیا سامنے آ گئی۔ پورے خاندان میں کسی کی ایسی کانچ سی نیلی آنکھیں نہیں تھیں۔ اس کی پیدائش پر شمس العارفین کو ڈر تھا کہ جانے یہ دیکھ بھی سکے گی یا نہیں۔ واہمہ خدشہ وقت کے ساتھ ختم ہوئے تو وہ بھی پرسکون ہو گئے۔ ہر کلاس میں اول پوزیشن لینے والی حفظہ سحر کا نام کسی کو یاد ہی نہ تھا۔ اسکول، ٹیوشن، مدرسے، سکھیاں غرض ہر کوئی بس نیلی آنکھوں والی گڑیا ہی کہتا۔

ہر کوئی اسے ہاتھوں ہاتھ لیتا، ان کی گڑیا کی گردن فخر سے تنی رہتی۔

پھر یوں ہوا کہ انہیں لگا کہ ان کی گڑیا بڑی ہونے لگی ہے جسے پہلے اس کی ماں سجاتی تھیں اب وہ خود سے سجنے لگی ہے۔ نیلی آنکھوں میں جب وہ بھر بھر کے کاجل ڈالتی تو نظر لگ جانے کی حد تک پیاری لگتی۔ وہ اس سے نظر لگ جانے کے ڈر سے نظر چرا لیتے۔ عائزہ سحر، حفظہ سحر اور فائزہ سحر ان کی تینوں بیٹیاں ان کے کاندھے سے ذرا نیچے آئیں تو چاروں طرف سے رشتے آنے لگے۔ عائزہ سحر کی انہوں نے اپنے بھانجے سے بات طے کر دی۔ فائزہ سحر کو اس کی ماں نے اپنے بھتیجے کے ساتھ منسوب کیا لیکن نیلی آنکھوں والی گڑیا کسی رشتے پر بھی راضی نہ تھی۔ وہ کہتی تھی کہ ”مجھے پڑھنا ہے، بہت آگے بڑھنا ہے۔“ پڑھنے کا بھوت (اس کی ماں کے بقول) سوار ہے۔ ”عارفین صاحب! اسے اتنی ڈھیل نہ دیجیے لڑکی ذات ہے۔



ہماری باتوں کو کانوں پر مار دیتی ہے۔ آخر اس سے بڑی اور چھوٹی نے بھی تو سر جھکا دیا۔ ماں باپ کی رضا کے آگے۔"

"بابا جان!" وہ ٹھٹکی۔

"ارے رہنے دیجیے بیگم! یہ پڑھنا اس کے باپ کی ہی رضا ہے۔ میری گڑیا کے جوڑ کا جب شہزادہ آئے گا تو یہ بھی سر جھکا دے گی۔"

انہوں نے کہنے کے ساتھ ہی اپنی دوائی کا ڈھکنا خوب کسا کہ ان کا ڈیڑھ سالہ پوتا سجان کونے کونے میں گھس کر ہر چیز کو منہ میں رکھ لیتا۔

"اے لو بھلا کیا پرستان سے آئے گا شہزادہ، اپنا عاقب ہے تو اس کے جوڑ کا۔" انہوں نے نفاست کے ساتھ پان لگا کر شوہر کے آگے رکھا۔

"ارے بیگم! جلدی کیا ہے ہمارے گھر کی رونق ہے اور ابھی تعلیم تو مکمل کرنے دیں اسے۔"

پھر ایک دن نیلی آنکھوں والی گڑیا کے لیے نیلی آنکھوں والا شہزادہ پرستان سے تو نہیں لیکن یو کے سے آ گیا۔ شمس العارفین کے بچپن کے دوست، اسکول کالج کی تعلیم ساتھ حاصل کیے ہوئے محبوب ارشاد فاروقی اپنے صاحب زادے حسام فاروقی کے ساتھ اچانک ہی آگئے لیکن ان کے آنے سے جو طوفان اٹھا اس کے اثرات آج تک 6 سال گزر جانے کے بعد بھی موجود ہیں۔ محبوب فاروقی نے اپنے نیلی آنکھوں والے بیٹے حسام فاروقی کا رشتہ نیلی آنکھوں والی گڑیا حفظہ سحر کے لیے مانگ لیا۔ جسے انہوں نے حفظہ کی رائے سے طے کر دیا۔ اس کے بعد ایک طوفان تھا۔ جو نیلی آنکھوں والی گڑیا کی ماں نے اٹھایا۔ اسی اٹھائے گئے طوفان کے سبب آج نیلی آنکھوں والی گڑیا سب کے درمیان موجود نہ تھی۔

ہوا یوں کہ حفظہ سحر نے عاقب کے رشتے کو ٹھکرا کر نیلی آنکھوں والے حسام فاروقی کے لیے ہاں کر دی۔

"نانا ابو! چائے لے لیجیے۔" میری نواسی عیشہ

چائے کی پیالی ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔

''ارے۔'' مجھے ماضی کی یادوں سے نکال کہ حال میں لے آئی۔ اس کے انداز بالکل میری نیلی آنکھوں والی گڑیا کے جیسے ہوتے۔

''نانا ابو! اسنیکس۔'' اس کے پیچھے ہی دوسری نواسی عقیقہ میرا حصہ ٹرے میں لے آئی۔ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے سرو کرنے لگی۔ چائے اور اسنیکس سے فارغ ہوا تو ماضی کی یادیں پھر سے ٹمٹمانے لگیں۔

''آہ...... یاد ماضی جلتا بجھتا چراغ ہے شاید۔''

بڑے دھوم دھام سے نیلی آنکھوں والی گڑیا حفظہ سحر، نیلی آنکھوں والے شہزادے حشام فاروقی کے ساتھ رخصت ہوئی لیکن اس کی ماں کے دل میں گرہ لگ گئی۔ وہ جب جب یہاں آتی اس کی ماں ادھر ادھر کے کاموں میں لگ جاتی۔ عائزہ سحر اور فائزہ سحر کی طرح توجہ نہ دیتی۔ اس نے ماں کے گھر آنا بہت کم کر دیا۔ پھر ایک دن وہ شمس العارفین کے پاس آئی بہت اداس اس کی نیلی آنکھوں کے دیئے جیسے بجھے ہوئے تھے۔ وہ ان کی پائنتی میں بیٹھ گئی اور ان کے ہاتھ تھام کے بولی۔

''بابا! میرا جرم اتنا تو بڑا نہیں جس کی سزا مجھے اتنی بڑی مل رہی ہے۔'' اس کے آنسو ضبط کرتے کرتے بھی نکل آئے۔ جو اس نے اپنی آستین سے رگڑ ڈالے۔ پھر خود کو مضبوط کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

''بابا! میرا ویزا آ گیا ہے۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجیے گا اور امی سے کہیے گا کہ کبھی اپنی اس نادان بیٹی کو معاف ضرور کریں۔'' چند ثانیے کے لیے جیسے سناٹا چھایا اس نے اپنے ہونٹ دانتوں تلے دبا لیے۔ پھر ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

''اگر امی مجھے اس وقت منع کرتیں تو کیا میں ضد کرتی بابا؟ آپ نے دو آپشنز دیئے میں نے ایک سلیکٹ کر لیا تو کیا یہ گناہ ہے بابا؟'' ایک بار پھر اس نے اپنے آنسو پونچھے۔

''حشام بہت اچھے ہیں بابا! شاید یہ آپ کی دعا ہے وہ اتنے اچھے ہیں کہ مجھے فخر ہوتا ہے لیکن میرا دل صرف امی کی وجہ سے بے چین رہتا ہے۔ امی کو میرا آنا ناگوار گزرتا ہے۔ کل کو میرے بچوں کا اس سے بھی زیادہ ناگوار گزرے گا۔ بابا میں یہ ملک ہی چھوڑ کر جا رہی ہوں۔'' اب وہ ان کے ہاتھوں پر سر رکھے رو رہی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے اس کا سر تھپتھپا رہے تھے کہ تسلی کے دو بول بھی ان کے پاس نہ تھے۔ وہ اپنی ہمسفر کی ضد سے واقف تھے۔

پھر وہ چلی گئی انگلینڈ۔ نیلی آنکھوں والوں کے گہرے سمندر میں، جہاں زیادہ لوگ نیلی آنکھوں والے ہی تھے۔ اُسے کال کرتے ، اس کی ماں بھی کبھی کبھی اس سے بات کر لیتیں۔ پھر اس کا پیارا سا بیٹا ہوا جس کا نام اس نے آتن سے رکھوا دیا۔ ابو ہریرہ...... وہ بھی نیلی آنکھوں والا گڈا تھا۔ کچھ عرصہ بعد نیلی آنکھوں والی گڑیا کے ہاں پیاری سی نیلی آنکھوں والی شہزادی ہوئی۔ اس کا نام انہوں نے ام کلثوم رکھا۔

وہ ویب پر اس سے بات کرتے لیکن اسے چھونے کو پیار کرنے کو اسے محسوس کرنے کو دل ترستا رہتا اور آج سب کے درمیان بیٹھے وہ اس کی کمی محسوس کر رہے تھے۔

انہیں ہر لمحہ اس کی شکوہ کرتی آنکھیں یاد آتیں جیسے ان سے سوال کر رہی ہوں۔

''بابا کیا میرا دل نہیں چاہتا سب کے ساتھ مل کر بیٹھنے کو۔ بابا کیا میرے بچے اسی طرح اکیلے پل کہ جوان ہو جائیں گے۔ بابا کیا جرم اتنا بڑا ہے میرا؟

انہیں لگا کہ زندگی غموں اور دکھوں کا ایک لامحدود سمندر ہے جس کی گہرائی کبھی ختم نہ ہوگی۔

......☆......

سود و زیاں کا حساب

قرۃ العین سکندر

افسانہ

''امی! میں ابو کی دوائیاں لے آیا ہوں۔'' شاہ زیب نے دواؤں کا شاپر سمعیہ کو پکڑاتے ہوئے کہا۔

''جیتے رہو بیٹا! جگ جگ جیو کتنی ذمہ داریاں اٹھالی ہیں تم نے اپنے کندھوں پر۔'' سمعیہ آبدیدہ سی ہوئیں۔

''امی! کیا میں آپ کا نہیں کسی اور کا بیٹا ہوں۔'' شاہ زیب نے سمعیہ کو دونوں کندھوں سے تھام کر پوچھا۔

''پاگل میرا یہ مطلب تھوڑا ہی تھا۔'' سمعیہ مسکرادیں۔

''میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ تمہارے ابا کے حادثے کے بعد جس طرح تم نے اس گھر کو سنبھالا ہے وہ واقعی قابلِ تحسین ہے۔'' سمعیہ نے سرد آہ بھری۔

''امی! یہ تو کچھ بھی نہیں ہے، میں چاہتا ہوں ہمارے گھر کے حالات بدل جائیں۔'' شاہ زیب نے خلا میں تکتے ہوئے پرسوچ لہجے میں کہا۔

''کیوں نہیں بیٹا! جلد ہی ہمارے گھر کے حالات اچھے ہوجائیں گے۔ ہمارے بھی اچھے دن لوٹ آئیں گے۔'' سمعیہ نے اسے تسلی دی۔

''ان باتوں کو چھوڑیں آج کھانے میں کیا بنایا ہے، زوروں کی بھوک لگی ہے۔'' شاہ زیب نے بات کا رخ بدل دیا۔

''میں صدقے جاؤں پہلے کیوں نہ بتایا تم نے، تم ہاتھ منہ دھولو میں کھانا لگاتی ہوں۔'' سمعیہ فوراً کچن کی جانب چل دیں۔

سرمد ایک محکمے میں کلرک کے فرائض سرانجام دے رہے تھے کہ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں اپنی دونوں ٹانگیں گنوا بیٹھے۔

چار بیٹیوں اور ایک اکلوتے بیٹے کی ذمہ داری ان کے ناتواں کندھوں پر آن پڑی تھی۔ شاہ زیب، بینا اور مینا سے چھوٹے تھے اور پھر دو چھوٹی بہنیں دانیہ اور رافعیہ تھیں۔ گھر میں قیامت کا سا سماں تھا۔ سمعیہ سے چھپ چھپ سرمد صاحب روتے تھے۔ شاہ زیب چونکہ ان دونوں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس لیے سرمد اور سمعیہ کو اس سے بہت امیدیں تھیں۔ شاہ زیب کے حوالے سے انہوں نے بہت سے خواب دیکھ رکھے تھے مگر تقدیر کی ستم ظریفی کے سارے خواب ادھورے رہ گئے۔ شاہ زیب کو اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر جاب کی تلاش میں نکلنا پڑا۔ بینا اور مینا کے رشتے طے تھے اور شادی کی تاریخ بھی طے ہو چکی تھی کہ یہ دردناک سانحہ پیش آگیا۔ سمعیہ نے شادی التواء میں کرنا چاہی مگر شاہ زیب نے منع کر دیا۔

شاہ زیب کا کہنا تھا کہ وہ کچھ نہ کچھ انتظام کر لے گا اور شادی عین وقت پر ہی ہوگی۔ شاہ زیب کو جلد ہی ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں ایک اچھی جاب مل گئی۔ یوں زندگی کی گاڑی چلنے لگی۔ بینا اور مینا کی شادی بہت سادگی سے عین وقت پر ہوئی۔ شاہ زیب جانتا تھا کہ اگر اس شادی میں تاخیر کی گئی تو اس کے والد کا دل سخت دکھے گا اور وہ اپنے ابو سے بے انتہا محبت کرتا



تھا۔ وہ بچپن سے ہی دیکھتا رہا تھا کہ کس قدر محبت سے اس کے والد نے سب بچوں کو تعلیم دلوائی تھی اور حسب استطاعت ہر ضرورت پوری کرنے کی سعی کی تھی۔

شاہ زیب بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چلنا چاہتا تھا مگر جب سے اس نے جاب اسٹارٹ کی تھی اس کی سوچ کا رخ اور زاویہ دونوں ہی بدل چکے تھے۔ اس زمانے میں فقط اسی انسان کی عزت تھی جس کی جیب میں روپیہ تھا اور شاہ زیب کو اب بہت جلد بہت سارا روپیہ کمانا تھا۔ اپنی دو چھوٹی بہنوں کی شادی کے لیے اور اپنے بوڑھے والدین کے سکھ کے لیے۔

☆......☆

جب غربت اور افلاس اپنی آخری حدوں کو پہنچ جاتی ہے تو انسان اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے ہر حد پار کرنے کا سوچ لیتا ہے۔ اس وقت انسان سے بڑھ کر کوئی درندہ نہیں ہوتا۔ ایسا ہی شاہ زیب کے ساتھ بھی تھا۔ اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ اپنی غربت و افلاس کو امیری میں تبدیل کر کے رہے گا۔ خواہ اس کے لیے ہر جائز و ناجائز طریقہ اختیار کرنا پڑے۔ شاید قدرت کو بھی اس کی آزمائش مقصود تھی۔ اس لیے جلد ہی اس کو ایسا موقع تقدیر نے مہیا کردیا۔

حنا اس کی بہن کی کلاس فیلو تھی۔

وانیہ، شاہ زیب کی چھوٹی بہن تھی اور حنا اور وانیہ دونوں کلاس فیلو تھیں اور گہری دوست بھی تھیں۔

شاہ زیب جب بھی وانیہ کو کالج پک کرنے جایا کرتا تھا تو وہ حنا کی آنکھوں میں چھپی اپنے لیے محبت کی تپش کو محسوس کر چکا تھا۔ حنا ایک امیر خاندان کی اکلوتی بیٹی تھی۔ کیونکہ وہ اپنی لینڈ کروزر میں جایا کرتی تھی اور آخری وقت تک شاہ زیب کو کن اکھیوں سے دیکھا کرتی تھی۔

شاہ زیب فطرتاً برا انسان نہ تھا مگر حالات کے تقاضوں کے تحت اس نے طے کرلیا تھا کہ اپنے گھر کے حالات وہ تبدیل کر کے رہے گا۔ اپنے والد کی طرح ساری عمر اپنی خواہشوں کا گلا نہیں گھونٹے گا اور ایک پرآسائش زندگی بسر کرے گا۔ ایک دن جب شاہ زیب وانیہ کو کالج پک کرنے گیا تو اس نے دیکھا کہ حنا بے حد پریشانی کے عالم میں اسٹاپ پر کھڑی ہے۔

''کیا بات ہے وانیہ! تمہاری دوست کیوں پریشان ہے؟'' وانیہ کے پاس آتے ہی شاہ زیب نے پوچھا۔

''اس کے گھر سے آج گاڑی نہیں آئی ہے اور وہ گھر بتانا بھول گئی تھی کہ آج صرف پریکٹیکل ہونا ہے اور یوں وہ جلد ہی فری ہوگئی۔''

''اوہ......'' شاہ زیب نے ہونٹ سکیڑے۔

''تم کیسی دوست ہو تمہاری دوست اس قدر پریشان ہے اور تمہیں گھر چلنے کی جلدی ہے۔ ایسا کرو اسے کہو کہ وہ بھی آج ہمارے ساتھ چلے میں اس کو لے کر اس کے گھر ڈراپ کردوں گا۔''

وانیہ کا شاہ زیب کی بات پر منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ کیوں کہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ جب بھی اس نے سرسری سا بھی حنا کا ذکر کرنا چاہا تو بھائی نے اسے بری طرح ڈانٹ دیا تھا مگر آج تو کایا ہی پلٹ گئی تھی۔

''اب ٹکر ٹکر دیکھ کیا رہی ہو مجھے، جاؤ بھی۔'' شاہ زیب نے اسے گھورتے ہوئے کہا وہ خجل سا ہوگیا تھا۔

وانیہ کو اور کیا چاہیے تھا۔ وہ بے حد خوش تھی۔ اسی بہانے وہ حنا کا عالیشان گھر بھی دیکھ لیتی جو اس نے فقط تصاویر میں ہی دیکھ رکھا تھا۔ وانیہ نے حنا کے پاس جاکر اسے ساری بات بتائی۔ تو حنا نے پلٹ کر شاہ زیب کی جانب دیکھا۔ وہ اسے ہی گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ حنا بری طرح نروس ہوگئی تھی۔ دل اتھل پتھل کر رہا تھا۔ وہ جھجکتی ہوئی وانیہ کے ساتھ چلی آئی۔ وانیہ کے پیچھے حنا بھی بیٹھ گئی بائیک پر اور شاہ زیب بتائے ہوئے ایڈریس کی جانب موٹر سائیکل دوڑانے لگا۔

حنا کے گھر میں اس کی ماما اور آپا (پالنے والی آنٹی)

کے سوا کوئی بھی نہ تھا۔ وہ دونوں پرتپاک انداز میں شاہ زیب اور وانیہ سے ملیں۔

اس قدر کشادہ اور وسیع العریض بنگلہ تھا کہ شاہ زیب کھو سا گیا۔ دانیہ اگر واپسی سفر میں خوش تھی کہ اپنی عزیز از جان دوست کے گھر گئی تو شاہ زیب اس سے بھی زیادہ خوش تھا اس کو جیسی منزل کی تلاش تھی وہ صرف حنا کی صورت میں ہی اس کو مل سکتی تھی۔

☆......☆

''شاہ زیب بیٹا! آج آفس سے جلدی گھر آجانا۔'' سمعیہ نے شاہ زیب کو ناشتے کی ٹرے پکڑاتے ہوئے کہا۔

''وہ کیوں امی جان؟'' شاہ زیب نے بھنویں اچکا کر قدرے حیرت سے پوچھا۔

''آج تمہاری چچی فریدہ آرہی ہیں۔ میں بھی سوچتی ہوں کہ وانیہ کے ساتھ ساتھ تمہاری خوشی بھی دیکھ لوں۔ پھر آخر کب تک علینہ تمہارے نام پر بیٹھی رہے گی۔ ویسے بھی بیٹا یہی مناسب عمر ہے علینہ کی شادی اب ہوجانی چاہیے۔ اپنی چھوٹی بیٹی کے رشتے کے انتظار میں بھتیجی کی عمر گزر جائے میں ہرگز اس بات کے حق میں نہیں ہوں۔''

سمعیہ نے دوٹوک انداز میں کہا تو شاہ زیب کا موڈ سخت آف ہوگیا تھا۔ وہ دل میں کیا ٹھان چکا تھا اور امی اپنے الگ ہی راگ الاپ رہی تھیں۔

''امی! آپ انہیں منع کردیں، فی الحال آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور جب میں مناسب سمجھوں گا انہیں خود ہی انفارم کردوں گا۔ آپ اس سارے معاملے سے دور رہیں اور خاموش رہیں۔'' شاہ زیب نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

''میں خاموش رہوں؟ مگر کیوں؟ اور میں ماں ہوں تمہاری اگر میں تمہارے لیے نہیں سوچوں گی تو اور پھر کون سوچے گا؟'' سمعیہ نے سخت ناگواری سے تیز لہجے میں جتاتے ہوئے کہا۔

''امی! پیاری امی آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں۔ اچھا ٹھیک ہے آپ انہیں ابھی فون کر کے بتا دیں کہ وہ جہاں چاہیں علینہ کی شادی کردیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور میری طرف سے اس رشتے کے لیے صاف منع کردیں۔ منگنی ہی تو تھی کوئی نکاح تو نہیں تھا اور پھر آج کے دور میں تو شادیاں ٹوٹ جایا کرتی ہیں۔ میری منزل علینہ نہیں کوئی اور ہے۔'' شاہ زیب کا لہجہ چٹان کی طرح مضبوط اور ارادہ پختہ تھا۔ سمعیہ تو دہل کر ہی رہ گئیں۔

''شاہ زیب! آج تو تم نے یہ بات کہہ دی مگر دوبارہ مت کرنا۔ علینہ تمہارے مرحوم چچا کی نشانی ہے ان کی آرزو تھی کہ علینہ کی شادی تم سے ہو اور تمہارے ابا ان کے دل پر کیا گزرے گی یہ سب جان کر۔'' سمعیہ سخت پریشان ہوگئیں۔

''امی! جو زندہ ہیں پہلے ان کا حق ہے کہ ان کے لیے سوچا جائے، جو جاچکے ہیں وہ دوبارہ پلٹ کر تو نہیں آجائیں گے اور ابا کی آپ فکر مت کریں۔ میں ان کو خود ہی سمجھا دوں گا لیکن میں آپ کو آخری بار بتا رہا ہوں کہ میں علینہ سے ہرگز شادی نہیں کروں گا۔''

شاہ زیب کھانے کی ٹرے پرے کھسکا کر ناراض انداز میں اٹھ کھڑا ہوا اور پلٹ کر ماں کو دیکھا تک نہیں اور باہر کی جانب چل دیا۔ سمعیہ پیچھے سے اس کو آوازیں دیتی رہ گئیں۔

☆......☆

شاہ زیب نے جلد ہی حنا کو اپنی محبت کے جال میں بری طرح پھنسا لیا تھا۔ وہ تسخیر محبت تھی۔ شاہ زیب کی باتوں میں اسے سچائی اور محبت کی چاشنی گھلی ملتی تھی۔ درحقیقت وہ پیار کی متلاشی لڑکی تھی۔ اس کے پاپا ایک ٹیکسٹائل مل کے اونر تھے۔ ان کے پاس اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے روپے کی ریل پیل تو تھی مگر چاہت کے چند لمحے نہ تھے۔ اس کی ماما بھی سوشل ورکر تھیں۔ ان کے آئے دن کی میٹنگز نے ان کو اس

قدر مصروف کر رکھا تھا کہ حنا کے لیے ان کے پاس ٹائم کی اشد کمی تھی۔ حنا نے آنی کو ہی اپنا سب کچھ سمجھا تھا۔ آنی کی آغوش میں ہی وہ پل کر جوان ہوئی تھی۔ ایک نامعلوم حسرت ایک پیاس تھی لازوال محبت کی جو بجھتی ہی نہ تھی۔ اس کی شدت سے آرزو تھی کہ کوئی اسے چاہے مگر اس مرحلے سے ہی پہلے وہ کسی کی محبت کی اسیر ہو چکی تھی اور جو اسیر محبت ہوں پھر انہیں نہ تو کچھ دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی کچھ سنائی دیتا ہے۔ وہ فقط محبوب کے کانوں سے سننے اور دیکھنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ پھر محبوب کی ہر خامی خوبی میں بدلتے دیر نہیں لگتی۔ وہ شاہ زیب کی محبت پر آنکھیں بند کر کے ایمان لے آئی تھی۔ وہ محبت میں اس قدر آگے نکل آئی تھی کہ واپسی کا کوئی راستہ نہ رہا تھا۔ بالآخر حنا نے اپنی ساری کشتیاں جلانے کا فیصلہ کر ڈالا۔ پاپا اور ماما کو اس کے فیصلے کی خبر ہوئی تو وہ دونوں سخت خفا ہوئے۔ ماما نے حنا کو پیار محبت سے ہر طرح سے سمجھانے کی سعی کی مگر بے سود رہا۔ وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ زیست کی کٹھن راہوں میں آبلہ پائی کا سفر طے کرتے کرتے بالآخر حنا نے محبت کے شبنمی پھول پا لیے تھے۔ اب حنا کسی قیمت پر اس محبت کی خوشبو کو کھونا نہیں چاہتی تھی۔ اس کی اٹوٹ محبت کے سامنے حنا کے والدین کو ہار ماننا پڑی اور جیت ہوئی حنا کی محبت کی مگر یہ تو تقدیر ہی بہتر جانتی تھی کہ جیت کا سہرہ کس کے سر گیا تھا اور مات کس کا مقدر ٹھہری تھی۔ نہایت دھوم دھام سے حنا کی شادی شاہ زیب سے کر دی گئی۔

حنا کو تحفے میں اس کے والد نے بنگلہ دیا تھا۔ شادی کے وقت لڑکی سسرال جاتی ہے مگر یہاں الٹ معاملہ تھا۔ شاہ زیب اپنے والدین اور چھوٹی بہن رافعہ کے ساتھ رخصت ہو کر حنا کے عالیشان بنگلے میں منتقل ہو گیا تھا جس دن شاہ زیب کا ولیمہ تھا اس دن دانیہ کی بارات تھی۔

سرمد صاحب اور سمعیہ دلی طور پر راضی نہ تھے مگر وہ اپنے بیٹے کی خوشی کو خوشی سمجھ کر خاموش ضرور ہو گئے تھے۔ سرمد صاحب کی ایسی حالت نہ تھی کہ وہ اپنے ظاہری اکلوتے سہارے سے لاتعلقی ظاہر کرتے مصلحت کا یہی تقاضا تھا۔

سمعیہ نے اگرچہ شاہ زیب کو سمجھانے کی حتی الوسیع کوشش کی تھی۔

''ایسا گھر مت بناؤ، جس کی بنیاد کسی اور کی آہوں اور سسکیوں پر رکھی گئی ہو۔ جس گھر کی ہر اینٹ کسی کی بددعاؤں کا شاخسانہ ہو۔ ایسے گھر بستے نہیں ہیں جن میں دعا نہیں بددعائیں شامل ہوں۔'' علینہ نے اس کے نام پر کئی سال گزار دیے تھے مگر روپے کی خوشبو شاہ زیب کو اپنی طرف کھینچتی چلی جا رہی تھی اور وہ بنا ڈور کے بندھا چلا جا رہا تھا۔

اور معصوم سی حنا شاہ زیب کے بڑھتے ہوئے قدموں کو اس کی محبت کی ابتداء ہی سمجھتی رہی۔ حنا نے دانیہ کی شادی کے لیے خطیر رقم اپنے والد سے لے کر دی جو شاہ زیب نے کسی پس و پیش کے بنا قبول کر لی۔

حنا کے والد نے اپنی سوشل ویلیو کو برقرار رکھنے کی خاطر شاہ زیب کو اپنی مل میں باقاعدہ شیئرز دے دیے۔ شاہ زیب دن رات کام میں مگن رہتا تھا۔ اولین دنوں کے بعد اس کے پاس حنا کے لیے وقت کی کمی آ گئی تھی۔

حنا سر شام شاہ زیب کا انتظار کیا کرتی تھی اور شاہ زیب رات گئے کام سے لوٹتا تھا اور اس قدر تھکا ہوا ہوتا کہ اس کا بات کرنے کا بالکل دل نہ کرتا تھا اور آتے ہی سو جایا کرتا تھا۔ حنا آج بھی اسی مقام پر کھڑی تھی جہاں وہ کل کھڑی تھی۔

☆......☆

وقت کا کام ہے گزرنا اور یوں تین سال کا عرصہ بیت گیا۔ رافعہ کے فرض سے بھی شاہ زیب بری الذمہ ہو چکا تھا۔ اس کے والد کو علاج معالجے کے لیے بیرون ملک بھی بھیجا گیا جس کی وجہ سے اب سرمد

صاحب بستر تک محدود نہ رہے تھے بلکہ لاٹھی کے سہارے سے کچھ دور تک چل بھی لیا کرتے تھے۔

علینہ کی عمر گزر جانے اور مفلسی کی وجہ سے دو بچوں کے باپ سے شادی کر دی گئی۔ وہ روتی ہوئی بیاہ کر چلی گئی۔ یوں یہ قصہ بھی اختتام پذیر ہوا۔

تین سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی حنا کی گود ہنوز سونی تھی۔ حنا نے شادی کے کچھ عرصہ کے بعد ہی جان لیا تھا کہ اس نے خسارے کا سودا کیا ہے۔ وہ ابھی تک تپتے صحرا کی پیاسی تھی تشنہ لب اور تشنہ روح۔ اس کے مقدر میں تشنگی ہمیشہ کے لیے رقم کر دی گئی تھی۔ شاہ زیب کی خوب صورتی اور وجاہت پر مر مٹنے اور اسے پا لینے کے باوجود بھی دونوں کے درمیان صدیوں کا فاصلہ حائل تھا۔ شاہ زیب نے اپنے اردگرد ایک ایسا حصار قائم کر رکھا تھا جسے عبور کرنا حنا کے اختیار میں نہ تھا۔ شاہ زیب کا دولت مند ہو جانے کا خواب پورا ہو چکا تھا۔ مگر محبت کا خانہ ہنوز خالی تھا۔ حنا کو اپنا لینے کے باوجود وہ حنا سے محبت نہ کر سکا۔

پھر ایک دن اس کی ملاقات شانزے سے ہو گئی۔ وہ ایک بزنس میٹنگ تھی۔ جنید صاحب شانزے کا تعارف کروا رہے تھے اور وہ دم بخود تھا۔ شانزے نے مسکرا کر ہیلو کہا۔ تو شاہ زیب کا سکتہ ٹوٹ گیا اور وہ فقط سر ہلا کر رہ گیا۔ پہلی نظر کی محبت کس قدر جان لیوا ہوتی ہے یہ شاہ زیب جان گیا تھا۔ ایک دو ملاقاتوں کے بعد اس نے شانزے کو پرپوز کر دیا۔ جب شانزے کو اس کی شادی کا معلوم ہوا تو وہ حیران ہوئی شاہ زیب نے اسے جواب دیا کہ اس کی بیوی ایک نفسیاتی مریضہ ہے۔ جو ہر روز اس سے لڑتی جھگڑتی ہے۔ شادی تو شاہ زیب نے کرنی تھی مگر یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ شانزے اس کو مل گئی۔ شانزے ایک بولڈ اور پریکٹیکل لڑکی تھی۔ اس نے سوچ کر جواب دینے کا کہا اور شاہ زیب سے وہ دو دن گزارنے مشکل ہو گئے تھے۔ پھر شانزے نے جواب دیا۔

''میری دو شرطیں ہوں گی مسٹر شاہ زیب! ایک تو آپ گھر داماد بن جائیں، دوسرا آپ کو اپنی پہلی بیوی کو طلاق دینا ہو گی۔''

شاہ زیب کو یہ دونوں شرطیں منظور تھیں۔ شانزے حنا سے بھی زیادہ مالدار لڑکی تھی اور اس کے پاپا کی اندرون ملک اور بیرون ملک کئی ٹیکسٹائل ملز تھیں۔ یوں یہ خسارے کا نہیں سراسر فائدے کا سودا تھا۔

حنا کو طلاق نامہ ملا تو وہ چکرا کر گر گئی اور رو دھو کر اپنے گھر چلی گئی۔ شاہ زیب سے حنا کے والد نے تمام پراپرٹی گھر اور تمام شیئرز واپس لے لیے مگر شاہ زیب کی منزل تو بہت قریب تھی۔ وہ شانزے کے پاس طلاق نامہ لے کر آیا بطور ثبوت۔ شانزے نے سرسری سا دیکھا اور ایک طرف رکھ دیا۔

''لیکن مسٹر شاہ زیب! میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ذہنی مریض حنا نہیں آپ ہیں اور آپ کا ذہنی مرض معلوم ہے کیا ہے زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی دھن۔ اب میں نے حنا کو ایک ذہنی مریض سے نجات دلا دی ہے۔ وہ اپنے لیے فیوچر میں کوئی اچھا لائف پارٹنر چن لے گی اور میں آپ سے شادی نہیں کر سکتی۔ سو سوری۔''

''یو...... میں تمہاری جان لے لوں گا۔'' شاہ زیب کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔

''بس اتنی ہی محبت تھی، ختم بھی ہو گئی ویری سیڈ۔''

شانزے نے سیکورٹی کے ذریعے شاہ زیب کو دھکے دلوا کر آفس سے نکلوا دیا اور وہ اپنے والدین کے ساتھ اسی چھوٹے سے گھر میں آ گیا جہاں سے چلا تھا۔

شاہ زیب سوچ رہا تھا کہ یہ سود و زیاں کا حساب کون کرے گا۔

وہ اپنی قسمت پر ماتم کناں تھا۔

......☆......

نائیلہ طارق

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 33

جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے

''مان! تم اب تک جاگ رہے ہو؟'' بیلا کی نیند میں ڈوبی آواز پر اپنی بیٹی کو بازوؤں میں سنبھالے وہ بیلا کے سامنے آ بیٹھا تھا۔



''میں اپنی پری سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کے لیے تو میں ساری زندگی جاگ سکتا ہوں۔'' محبت سے لبریز لہجے میں بولتے ہوئے اس نے بچی کے خوابیدہ چہرے کو چوم لیا تھا۔
''اگر تم دن رات اسے گود میں اٹھائے گھومتے رہے تو یہ تمہاری عادی ہو جائے گی اور جب تم دوبارہ انسٹی ٹیوٹ ریڈیو اور اپنے نہ ختم ہونے والے دیگر کاموں کے لیے سارا دن گھر سے باہر رہو گے۔ تب میں اسے کیسے سنبھال سکوں گی؟'' بیلا نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔
''تمہیں پہلے یہ سوچنا چاہیے کہ میں اسے دیکھے بغیر سارا دن گھر سے باہر کیسے گزاروں گا؟'' وہ بے بسی سے بولتا دوبارہ اپنی بیٹی کے من موہنے نقوش کو تکنے لگا۔
''کیا سوچ رہے ہو؟'' اس کی خاموشی پر بیلا نے بغور اسے دیکھا تھا۔ جواباً گہری سانس لے کر عثمان نے نظر اٹھائی تھی۔



''جانتی ہو مجھ سے پہلے میری بیٹی کا چہرہ کس نے دیکھا تھا؟ مجھ سے پہلے کس نے اسے اپنی گود میں لے کر پیار کیا تھا؟'' عثمان کے مدھم گہرے لہجے نے بیلا کے تاثرات بدل لے تھے۔ ساکت نظروں سے وہ بس اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''تم ان کا خون ہو مگر تمہاری بیٹی کی زندگی میں بھی ان کا خون شامل ہے۔ کیا اس شخص کی زیادتی بھولنے کے لیے اتنا کافی نہیں ہے؟'' عثمان کے مزید کہنے پر بھی وہ بس ساکت وجامد تھی۔

''کیا ہماری وجہ سے ہماری اولاد کو بھی محروم رہنا پڑے گا؟ کیا ہم اسے ماضی کی تلخیوں سے بھرے حال میں پروان چڑھائیں گے؟ میں جانتا ہوں تمہارے لیے ان اذیتوں کو جلانا دشوار ہے مگر ہماری اولاد کے لیے وہ بھی تو ہماری غلطیوں، نادانیوں کو بھول گئے ہیں۔'' اس کے تاثرات کا جائزہ لیتا وہ بولا تھا اور پھر دھیرے دھیرے اس نے اپنی اور فاروق کے درمیان ہونے والی گفتگو سے اسے آگاہ کر دیا تھا۔ جو ہوٹل میں قیام کے دوران ہوئی تھی۔ خاموش ہو کر وہ چند لمحوں تک اس کے کسی ردعمل کا انتظار کرتا رہا تھا مگر بیلا نے نہ کچھ کہا نہ اس کی جانب دیکھا لیکن اس کے چہرے پر یکدم پھیلتے حزن کے تاثرات عثمان سے چھپے نہیں رہ سکے تھے۔

''میں جانتا ہوں، یہ سب جان کر تمہیں دھچکہ پہنچا ہے مگر یہ سچ ہے کہ میں ان کے سامنے نہ تمہارے لیے جھکا نہ اپنے لیے۔ مجھے بس اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے ان سے بات کرنی تھی۔ اپنی غلطیوں کو تسلیم کرنا تھا۔'' خاموش ہو کر وہ سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جو نم آنکھوں کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''کیا کیا غلطیاں کی تھیں تم نے میری وجہ سے؟'' وہ لرزتے لہجے میں بولی تھی۔

''یہ سوال ہی غلط اور بے معنی ہے۔'' عثمان نے ٹوکا تھا۔

''میں آج بھی اس بات پر قائم ہوں کہ اس وقت میں نے اپنے اور تمہارے لیے جو قدم اٹھایا وہ درست تھا۔ میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں بچا تھا لیکن غلط یہ ہوا کہ اس وقت میں نے اپنے اور تمہارے علاوہ کسی کے بارے میں نہ سوچا، نہ کسی کی عزت اور ساکھ کی پرواہ کی۔ آج جب میں ایک بیٹی کا باپ ہوں تو میں زیادہ اچھی طرح فاروق بھائی کے جذبات واحساسات کو سمجھ سکتا ہوں۔ صحیح غلط کی اب مجھے پرواہ نہیں ہے۔ مجھے اب صرف مکافات عمل کا خوف ہے۔ 20 سال بعد اگر میری بیٹی مجھ سے ہر رشتہ ختم کر کے مجھے جہنم کی آگ میں جلتا چھوڑ کر گئی تو میں فاروق بھائی کی طرح روز مر مر کر نہیں جی سکوں گا۔'' شدت جذبات سے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ وہ مزید نہ تو کچھ بول سکا تھا اور نہ ہی اس کے سامنے ٹھہر سکا تھا۔ بیلا دم سادھے بند ہوتے دروازے کو دیکھتی رہ گئی تھی مگر درد کی اٹھتی لہریں اس کے دل وجاں کو نڈھال کر گئی تھیں۔

گلاس ونڈو کے قریب وہ گہری سوچ میں گم باہر کسی غیر مرئی شے کو دیکھ رہا تھا کہ شانے پر محسوس ہوتے ہاتھ کے لمس نے اسے چونکا دیا تھا۔ بیلا کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو دیکھتا وہ کچھ بول نہیں سکا تھا۔

''اگر...... اگر وہ ہمیں ایک کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے تو انہوں نے کیوں سب کو بے خبر رکھا؟'' بیلا کا لہجہ کانپ رہا تھا۔

''شاید...... بلکہ یقیناً وہ آنے والے وقت سے حالات سے بے خبر تھے۔ جس طرح ہم ان کی سوچ سے

بے خبر تھے انجانے میں انہوں نے دیر کر کے غلطی کی اور میں نے مزید انتظار ترک کر کے۔'' اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتا وہ مضطرب لہجے میں بولا تھا۔

''مگر میں اپنے اس فیصلے پر شرمسار نہیں ہوں۔ ہم دونوں نے جو قدم اٹھایا تھا وہ بہت سوچ سمجھ کر بہت انتظار کے بعد اٹھایا تھا۔ اب ہمیں ازالہ کرنا ہے اس تکلیف کا جسے ہم سے تعلق رکھنے والے رشتوں نے سہا ہے۔ اس بار ہم دونوں دیر نہیں کریں گے۔'' اس کے آنسو پوروں میں سمیٹتا وہ قطعی لہجے میں بولا تھا۔

☆......☆

وہ حیران تھے کہ ہارن دینے پر بھی کوئی گیٹ تک نہیں آیا تھا۔ بہر حال گیٹ کھلا ہوا تھا۔ اس چیز نے ان کو مزید حیران کیا تھا۔ گاڑی وہ خود ہی اندر لے آئے تھے ورنہ عموماً یہ ڈیوٹی فاران کی ہوتی تھی وہ اوپر پہنچے تو لاؤنج تک میں سناٹے کا راج تھا۔ تشویش سے انہوں نے عروسہ کو پکارا تھا مگر جواب ندارد۔ حیران ہوتے وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔ ان کی متلاشی نگاہیں سامنے بیڈ کی طرف جا ٹھہری تھیں۔ چند لمحوں کے لیے تو وہ بالکل ساکت ہو گئے۔ گلابی کمبل میں کلبلاتے ننھے وجود نے ان کی روح تک کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ ایسا شدید دھکا لگا تھا دل کو کہ اعصاب ٹوٹنے لگے تھے۔ کیسے بھول سکتے تھے وہ اس کے پھول جیسے چہرے کو جو دن رات ان کی نگاہوں کے سامنے گھومتا رہتا تھا۔ وہ خواب نہیں دیکھ رہے تھے۔ اس کا ننھا سا وجود حقیقت میں ان کے گھر ان کی آنکھوں میں روشنیاں بھرتا دل کو اپنی سمت کھینچے جا رہا تھا۔ اسے اپنے ہاتھوں میں اٹھاتے ہوئے فاروق کے سینے میں محبت و شفقت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا۔ ان کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ جب کہ ان کے بوسوں سے بے نیاز وہ اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھولتی بند کرتی خود میں ہی مگن تھی۔ اس کی من موہنی صورت دل میں اتارتے فاروق نم آنکھوں کے ساتھ اس کی بے نیازی پر مسکرا اٹھے تھے۔ اس کی آنکھیں بالکل ہو بہو عثمان کی آنکھوں جیسی تھیں۔ چمکتی، مسکراتی، پرکشش مگر اس کا چہرہ بالکل اپنی ماں جیسا تھا۔ ٹھوڑی پر ویسا ہی ہلکا سا گڑھا۔ ان کو یاد تھا کہ بیلا بھی بالکل ایسی ہی تھی جب انہوں نے پہلی بار اسے دیکھا تھا۔ اس وقت بیلا کی جانب بھی ان کا دل ایسے ہی کھنچا تھا مگر صرف ماں، باپ پر ناراضی ظاہر کرنے کے لیے وہ اس کے معصوم وجود کو نظر انداز کرتے رہے تھے لیکن سچ تو یہ تھا کہ اس کے لیے وہ اپنے دل کو مارتے رہے تھے۔ خود پر ظلم کرتے رہے تھے۔ عقب سے ابھری عروسہ کی پکار پر وہ پلٹے تھے مگر اگلے ہی پل ساکت رہ گئے تھے۔ دل کے رستے زخم جیسے جاگ اٹھے تھے۔ یہ اذیت نا قابل برداشت تھی۔ ان کی سرخ ہوتی آنکھیں اس پر ہی تھیں جس کا ہاتھ پکڑے عروسہ ان کی طرف آ رہی تھیں۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا اور چہرہ لٹھے کی مانند ہو رہا تھا۔ عروسہ نے اس کا ہاتھ چھوڑ کر بہت خاموشی سے فاروق کے ہاتھوں سے بچی کو لیا تھا اور اسی خاموشی کے ساتھ کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی تھیں۔ شدتِ ضبط سے فاروق کی آنکھیں سلگ رہی تھیں۔ وقت مسکرا رہا ہوتا ہے اس لمحے جب انسان اپنے زعم میں بڑے بڑے فیصلے کرتا ہے اور اس لمحے بھی جب یہی انسان اپنے فیصلوں اور زعم کو چکنا چور کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ قدرت نے کبھی آنے والے وقت کا تعین کرنے کا اختیار انسان کے ہاتھ میں نہیں دیا اور انسان کے حق میں یہی بہتر ہے، ایک وقت تھا جب وہ اسے اپنے گھر کی چھت تلے آنے کے اختیار سے بھی محروم کر چکے تھے اور ایک وقت یہ تھا کہ وہ آج اچانک اسی گھر میں ان کے سامنے موجود تھی۔ ان کی عزت کو پیروں تلے روندنے کے بعد اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ اس پر چیختے، چلاتے، ایک

بار بار پھر اسے اپنے گھر اپنی زندگی سے نکال باہر کرتے مگر...... وہ تو اسے اپنے سینے میں چھپا لینا چاہتے تھے۔ برسوں کی پیاس بجھانا چاہتے تھے۔ اس کے وجود میں ان کی ماں کی خوشبو بسی تھی۔ ایک بار پھر وہ اس خوشبو سے محروم ہو کر جہنم میں نہیں جانا چاہتے تھے مگر خود میں اتنا حوصلہ بھی نہیں پاتے تھے کہ درمیان سے ٹوٹی بکھری انا کے ملبے کو ہٹا کر اس کی جانب بڑھتے۔

پتے کی طرح لرزتے وجود اور بھیگے چہرے کے ساتھ جب بیلا نے سر اٹھا کر ان کی سمت دیکھا تو جیسے پھر کچھ یاد نہ رہا، آنسوؤں اور سسکیوں کا ریلا اسے فاروق کے قدموں میں گرا گیا تھا۔

''مجھے معاف کر دیں یا آج اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دیں۔'' ان کے پیروں سے لپٹ کر زار و قطار تڑپ تڑپ کر روتی وہ ان کے دل کو کئی ٹکڑوں میں کاٹ گئی تھی۔ ان کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ جب انہوں نے بیلا کو شانوں سے تھام کر اٹھایا تھا۔

''کیوں اتنی دیر کی واپس آنے میں؟ کیوں اتنی طویل سزا دی مجھے؟'' ضبط کی شدت سے فاروق کی آواز گھٹ گئی تھی۔

''میں نے آپ کا سر ساری دنیا کے سامنے جھکایا تھا کس طرح سامنا کرتی آپ کا؟'' وہ بمشکل سسکیوں کے درمیان بولی تھی۔

''ہر چیز کا ذمہ دار میں ہوں، مگر جب تم نے ہر رشتہ ہی ختم کر دیا تو کیا کرتا اس دنیا کی پرواہ کر کے، کسی کا کیا گیا، اپنی سلگائی آگ میں تو اب تک میں ہی جلتا رہا ہوں۔ میں غلط تھا۔ کبھی تمہیں یہ نہیں سمجھا سکا کہ تم میرے لیے میری اولاد سے بڑھ کر ہو۔ تم اور عثمان میرے لیے میرے بچوں سے پہلے ہو۔ تم نے مجھے یہ یقین کرنے پر مجبور کر دیا تھا کہ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو۔'' دل کی اذیت فاروق کی آنکھوں سے بہنے لگی تھی۔

''میرے ماں باپ آپ میں زندہ ہیں۔ مجھے زندہ رہنے کے لیے آپ کے سہارے آپ کی محبت کی ضرورت رہی ہے۔ مجھے اپنے آپ سے نفرت ہے، میں نے آپ کی نافرمانی کی، آپ کو اذیتیں پہنچائیں۔ آپ مجھے برا کہیں، ماریں مجھے لیکن خود سے دور مت کریں۔'' ان کے سینے سے لگی وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔ کوئی بوجھ فاروق کو اپنے کندھوں سے اترتا محسوس ہو رہا تھا۔ بے شمار دنوں کا غبار تھا جسے آنکھوں سے رسنے سے وہ نہیں روک سکے تھے۔ کمرے کے باہر سسکتیں عروسہ کو ساتھ لگائے عثمان بالکل مطمئن تھا۔ رشتے خون کے ہوں یا دل کے، وہ بہت اچھی طرح ان کی قدر و اہمیت کو سمجھ چکا تھا۔ منزل تک پہنچنا ہی صرف کامیابی نہیں ہے۔ اصل کامیابی تو یہ ہے کہ جب انسان منزل پر پہنچے تو اس خوشی کو بانٹنے کے لیے ایک کارواں بھی ساتھ ہو۔ وہ خوش تھا کہ ایک چھوٹا سا کارواں اب اس کے ساتھ بھی ہے۔

☆......☆

بہت محنت سے اس نے بالوں کو خوب صورت سے جوڑے کی شکل میں قید کیا تھا مگر پھر بھی تنقیدی جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ سفید فراک بند گلے اور فل سلیوس سے لباس میں اس کے وجود میں پاکیزگی جگمگا اٹھی تھی۔ شرٹ کے کالر اور گریبان پر سلور نازک سی ایمرائیڈری نے اس کے لباس کو اور زیادہ دلکش بنا دیا تھا۔ ہلکے ہلکے میک اپ اور کانوں میں موجود سفید موتیوں کے ٹاپس کی وجہ سے اس کا چہرہ بہت کھلا کھلا اور خوشنما تھا پیشانی پر گری آتیں ریشمی تراشیدہ لٹیں ماہ نیم کی دمک کو چھپانے میں ناکام تھیں۔ نگوں سے بجی

سفید رنگ کے نازک سے سلیپرز پہن کر وہ شانے سے پھسلتے دوپٹے کو ٹھیک کرتی اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ عون کو گود میں بٹھائے فاطمہ حیرت سے لاؤنج کی طرف آتی خرمن کو دیکھ رہی تھیں۔

''تمہیں عارش کے ساتھ کہیں جانا تھا کیا اور یہ سفید رنگ کیوں پہنا ہے تم نے؟''

''کیوں سفید رنگ میں کیا برائی ہے؟ آپ کے وہم میں میرا اتنا خوب صورت ڈریس برباد ہو جائے گا۔'' فاطمہ کی ناراض نظروں پر مسکراتی وہ اخبار میں مگن احمد حسین کے قریب جا بیٹھی تھی۔

''اور کیا یہ ضروری ہے کہ جب کہیں جانا ہو تب ہی اچھے کپڑے پہنے جائیں۔ آپ ہی تو کہتی ہیں کہ شوہر کے گھر آنے کا وقت ہو تو بیوی کو چاہیے گھر کو صاف ستھرا رکھے، خود بھی اچھے حلیے میں ہو اور بچوں کو بھی صاف کپڑے پہنائے، میں تو آپ کی باتوں پر عمل کرتی ہوں۔ فرمانبردار بیٹی جو ہوں، میں نے ٹھیک کہا بابا......!'' مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اس نے احمد حسین کو متوجہ کیا تھا۔

''بالکل! اس میں تو کوئی شک نہیں تم بھی یہ جانتی ہو کہ ہم جو تمہیں سمجھاتے ہیں اس میں تمہاری بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے۔''

''بابا! میں یہ جانتی ہوں۔ اسی لیے تو میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے کہ اب کبھی اپنے کسی عمل سے آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔ میں اب یہ نہیں ہونے دوں گی کہ میری وجہ سے آپ کو کسی کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے یا مجھ پر سے آپ کا فخر کم ہو۔'' اس کے نادم لہجے پر احمد حسین نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

''بیٹا! نادانی اور غلطی ہر انسان سے سرزد ہو جاتی ہے مگر یہ سب بھی تمہاری اہمیت کو کم نہیں کر سکتا۔ ہمیں پہلے سے زیادہ تم پر فخر ہے اور صرف ہمیں ہی نہیں تمہارے ماں باپ اور بھائیوں کو بھی تم پر فخر ہے تم اس کی مستحق ہو، بس تم اور عارش خوش و خرم زندگی بسر کرو۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے۔'' احمد حسین کے پرشفقت لہجے پر وہ دھیمے سے مسکراتی عون کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔ ضد میں آتا وہ رونا شروع کر چکا تھا۔ جب کہ فاطمہ اسے بہلانے کی کوشش میں تھیں۔ ان سے عون کو لے کر کندھے سے لگائی وہ ٹہل رہی تھی۔ جب کال بیل بجی تھی۔

گھر میں داخل ہوتے عارش نے کچھ چونکتی مگر گہری نگاہ اس کے دلکش نقوش پر ڈالی تھی لیکن اگلے ہی پل وہ نگاہ ہٹاتا عون کو اس سے لے چکا تھا۔

''عارش! امی بابا کو تم منیزہ کی طرف ڈراپ کرنے جاؤ گے تو واپس ذرا جلدی آجانا، ویسے بھی آج انسٹی ٹیوٹ تو آف ہی ہوگا۔'' خرمن کے لہجے میں دبا دبا اصرار تھا۔ عون کو پیار کرتے ہوئے اس نے خرمن کی تاکید سن کر بس اسے ایک نظر دیکھا تھا۔ کہا کچھ نہیں۔ عون کو واپس اس کے حوالے کرتا وہ اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ لاؤنج میں فاطمہ اور احمد حسین نے ایک ساتھ ہی اس کے سلام کا جواب دیا تھا۔

''آپ دونوں کے ٹور جانے کب ختم ہوں گے۔ ایک ہفتہ باقی ہے ابھی منیزہ کی شادی میں، ابھی سے آپ دونوں چلے جائیں گے تو سناٹا ہو جائے گا گھر میں۔'' ناراض لہجے میں وہ دونوں سے ہی مخاطب تھا۔

''خرمن سے پوچھو، منیزہ کے کتنے فون آچکے ہیں۔ اور پھر بھائی صاحب اور بھابی بھی اتنا اصرار کر رہے ہیں تو اچھا نہیں لگتا بار بار انکار کرنا، یہ تو خوشی کا موقع ہے۔'' فاطمہ کے کہنے پر وہ بس ان کو دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''خرمن! تم یہاں ایسے ہی کھڑی ہو۔ چائے پانی کا تو پوچھو عارش سے، سارا دن کا تھکا ہارا وہ گھر واپس آیا ہے۔'' فاطمہ کے اچانک گھرکنے پر اس نے بوکھلا کر عون کو ان کے حوالے کیا اور تیزی سے وہاں سے آ گئی تھی۔

''مامی! اگر آپ نہ ہوں تو میں بھوکا پیاسا ہی مر جاؤں۔'' مسکراتی نظروں سے اس نے احمد حسین کو بھی دیکھا تھا۔ اگلے ہی پل ان کی تنبیہی نظر پر وہ شرارت سے ہنسا تھا۔

''اچھی بات منہ سے نکالا کرو۔'' فاطمہ نے خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

''ایک تو تمہارے کام تمہیں اتنا مصروف رکھتے ہیں کہ اپنے بچے کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا تمہارے پاس، مجال ہے جو اسے ذرا باہر لے جاؤ۔ گھما پھرا دو۔''

''مامی! میرے پاس اس کے لیے بہت وقت ہے مگر میں آپ کو حقیقت بتاؤں کہ یہ مجھے زیادہ پسند نہیں کرتا۔'' اس کے سنجیدہ انداز پر فاطمہ دنگ ہوئی تھیں جب کہ احمد حسین اخبار کی ورق گردانی کرتے بے ساختہ مسکرائے تھے۔

☆......☆

''میرے لیے یہ اطمینان، خوشی کا باعث بھی ہے کہ تم پھر سب سے جڑ گئے ہو۔ خود کو منوا چکے ہو۔ تمہاری بیٹی نے آ کر کافی معاملات کو سنوار دیا ہے۔'' ڈرائیو کے دوران وہ عثمان سے مخاطب تھا جس کی آنکھیں اپنی بیٹی کے ذکر پر روشن ہوئی تھیں۔

''ہاں یہ تو سچ ہے اور یہ حقیقت بھی اٹل ہے کہ اگر تم اور خرمن میرے اور بیلا کے ساتھ نہ ہوتے تو ہم بھی اتنے مشکل دور سے نہ گزر پاتے۔ دوستی، محبت سب اپنی جگہ مگر میں اور بیلا دل سے تم دونوں کے احسان مند اور شکر گزار ہیں۔ تم دونوں کی سپورٹ کے بغیر ہم کبھی ایک نارمل زندگی شروع نہیں کر سکتے تھے۔ میں بہت خوش قسمت ہوں کہ میری زندگی میں تم اور خرمن موجود ہو۔'' عثمان کے لہجے میں ممنونیت اور سچائی تھی۔

''سچ یہ ہے کہ آج تم جہاں ہو، وہاں اپنی جدوجہد اور نیک نیتی کی وجہ سے ہو۔'' عارش نے سنجیدہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔

''کبھی کبھی میں یہ سوچ کر حیران ہوتا ہوں کہ دیکھتے ہی دیکھتے کتنا وقت گزر گیا۔ سچ ہے کہ عشق، محبت کے جھمیلوں میں بندے پر کیا کچھ گزرتا رہا کچھ ہوش نہیں رہتا۔ حاصل وصول کچھ ہو نہ ہو بندہ اللہ کے نزدیک ضرور ہو جاتا ہے۔ زندگی جینے کا سلیقہ انسان کو صرف وقت نہیں سکھاتا، عشق بھی بہت کچھ سکھا جاتا ہے۔''

''ٹھیک کہا تم نے، عشق سے یاد آیا کہ خرمن نے مجھے جلدی گھر پہنچنے کی تاکید کی تھی۔'' عارش کے یکدم کہنے پر عثمان بے ساختہ ہنسا تھا۔

''ذرا تم اسے کال کر کے بتاؤ کہ ہم ہارون کے حکم کے مطابق ان کو پک کرنے ریڈیو اسٹیشن جا رہے ہیں۔ میں اس کی تاکید پر عمل نہیں کر سکوں گا۔''

''یہ تم کہہ رہے ہو؟ خرمن تمہارے انتظار میں ہو گی۔ تم اتنے باہمت شوہر کب سے بن گئے؟''

''اب میں کیا کر سکتا ہوں۔ دونوں طرف سے پھنسا ہوں تم نے سنا نہیں ہے کہ ساری خدائی ایک طرف اور بیوی کا بھائی ایک طرف۔'' عارش کے مسکراتے لہجے پر عثمان نے ہنستے ہوئے اپنا فون ہاتھ میں لیا تھا۔

☆......☆

اتنی دیر سے انتظار کی کوفت میں مبتلا رہنے کے بعد اب عارش کے بجائے عثمان کی کال نے اسے مزید مایوس کر دیا تھا۔

''سنو استانی! آئی ہیٹ یو۔''

''یہی بتانے کے لیے کال کی تھی؟ عارش کہاں ہے؟'' وہ ناگواری سے بولی تھی۔

''مجھے کیا پتا وہ میری اولاد تھوڑی ہی ہے جو میں اس کی خبر رکھوں گا۔''

''وہ تمہاری اولاد نہیں مگر میں تمہاری ماں ہوں بیٹا، مجھے پتا ہے وہ تمہارے ساتھ ہی ہے۔'' خرمن کے انداز پر وہ بے ساختہ ہنسا تھا۔

''تمہارے سامنے میری بدمعاشی زیادہ دیر نہیں چل سکتی۔ دراصل تمہیں یہ بتانا تھا کہ ہم دونوں دوست ہارون کو پک کرنے ریڈیو جا رہے ہیں۔ ان کا بھی ہمارے ساتھ آوارہ گردی کا موڈ ہے اور ہاں ڈنر ہم باہر کرنے والے ہیں وہ بھی تمہارے بھائی کے خرچے پر۔ لہٰذا تمہارے شوہر نامدار گھر دیر سے پہنچیں گے مگر تمہیں قسم ہے وہ جب گھر پہنچے اس کے چوبیس طبق روشن کر دینا، چودہ طبق روشن تو تم کرتی ہی رہتی ہو۔''

''تمہاری بک بک ختم نہیں ہوگی۔ جہاں جانا ہے جاؤ مگر اپنے دوست کو یاد دلا دینا کہ اس کا ایک گھر بھی موجود ہے۔''

''مگر اس گھر میں تم بھی تو موجود ہو، وہ یہ کیسے بھولے؟''

''جہنم میں جاؤ۔'' اس کے ڈھٹائی سے کہنے پر بھڑکتی وہ لائن ڈسکنیکٹ کر گئی تھی۔ بے زاری کے ساتھ وہ عون کو اٹھائے ٹی وی کے سامنے آ بیٹھی تھی۔ سارا پروگرام غارت ہو گیا تھا۔ اس کا مکمل ارادہ تھا کہ آج عارش کے ساتھ وہ باہر جائے گی۔ ڈنر بھی اس نے باہر کرنے کا سوچا تھا۔ اسے پوری امید تھی کہ آج وہ اپنے اور عارش کے درمیان کھڑی سرد مہری کی دیوار کو مکمل گرا دے گی مگر...... ٹی وی دیکھتے جانے کس وقت وہ پہلو میں موجود عون سے بھی بے خبر ہو گئی تھی۔ پتا نہیں کتنا وقت گزرا جب یکدم اس کی نیند ٹوٹی تھی۔ فوراً ہی اٹھتے ہوئے پہلی نگاہ لاؤنج میں آتے عارش کی سمت گئی تھی غالباً وہ اسی وقت ہی گھر واپس آیا تھا۔

''باہر وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا، میں ابھی ہارون کو گھر ڈراپ کرتا یہاں آیا ہوں۔'' سوئے ہوئے عون کو صوفے سے اٹھاتا وہ اسے بتا رہا تھا جو بوجھل آنکھیں سہلاتی صوفے سے اٹھ رہی تھی۔

''تمہاری چاکلیٹس فریج میں رکھی ہیں جس قدر مان سے بچ سکی تھیں۔'' اسے خاموشی سے وہاں سے جاتا دیکھ کر عارش نے یہ بتایا تھا۔

''ٹھیک ہے۔'' رکے بغیر اتنا ہی کہتی وہ وہاں سے گئی تھی جب کہ عارش، عون کو سنبھالے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

پانی گلاس میں انڈیلتی وہ ایک پل کے لیے کچن میں آتے عارش کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

''تم نے کھانا کھایا؟''

''نہیں، بھوک نہیں ہے۔''

''ہوں...... تمہاری طبیعت بہتر ہے؟'' بغور عارش نے اسے دیکھا تھا جو کوئی جواب دیئے بغیر فریج کی

سمت گئی تھی۔
''اگر تمہیں میرے ساتھ کہیں جانا تھا تو ہم کل جا سکتے ہیں۔''
''نہیں، مجھے کہیں نہیں جانا تھا۔''
''پھر تم نے مجھے جلدی آنے کے لیے کیوں کہا تھا؟'' عارش نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔
''یہ سوال کرنے کا اب کوئی فائدہ نہیں، اس لیے رہنے دو۔'' سرد لہجے میں بولتی وہ کچن سے نکل گئی تھی۔
بیڈ روم میں داخل ہوتا وہ ایک پل کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو نیند میں ڈسٹرب ہوتے عون کو تھپک رہی تھی۔ رسٹ واچ کھولتا وہ ڈریسنگ پر رکھے ایک پیکٹ کو اٹھاتا پلٹ کر سوالیہ نظروں سے خرمن کو دیکھنے لگا تھا جو بالوں کو ہاتھوں سے سمیٹتی اسی جانب آ رہی تھی۔
''یہ گفٹ ہے، وہی کیمرہ جو عثمان کے لیے برہان بھائی نے بھیجا تھا۔ شاید ان کو عثمان نے بتا دیا تھا کہ مجھے وہ کیمرہ بہت پسند آ گیا تھا۔''
''اور یہ جاننے کے بعد انہوں نے تحفتاً تمہیں یہ کیمرہ بھیج دیا۔'' سرد لہجے میں بولتا وہ پیکٹ واپس ڈریسنگ پر رکھ چکا تھا۔
''کہنا کیا چاہتے ہو تم؟'' خرمن کا لہجہ سپاٹ تھا۔
''مجھے کچھ نہیں کہنا اب تم سے۔'' سرد نظروں سے اس نے خرمن کو دیکھا تھا۔
''عارش! تم جانتے ہو یہ کہ برہان بھائی نے کبھی بھی اس طرح تحفے نہیں بھیجے ہیں۔ یہ تحفہ ان کی بیوی کی طرف سے آیا ہے ہماری ویڈنگ اینی ورسری کے لیے جسے گزرے کئی دن ہو چکے ہیں مگر تمہیں وہ دن کیوں یاد رہے گا، وہ تو تمہاری زندگی کا سب سے بھیانک دن تھا۔'' سرخ چہرے کے ساتھ بولتی وہ تیز قدموں کے ساتھ دروازے کی سمت بڑھ گئی تھی مگر پھر یکدم رک کر پلٹی تھی۔
''تمہیں شرم آنی چاہیے ان کے لیے دل میں بغض رکھتے ہوئے۔'' وہ بھڑک کر بولی تھی۔
''تمہیں جو کہنا ہے کہو مگر میں یہ نہیں بھول سکتا کہ وہ تمہیں اپنی زندگی میں شامل کرنے کے لیے تیار تھا۔'' عارش کا لہجہ بھی غصیلا تھا۔
''وہ ان کے ماں باپ کا فیصلہ تھا ان کا نہیں۔ وہی ایسا نہ سوچتے تو مجھے طعنے سننے نہ پڑتے تمہارے؟'' شدید اذیت سے خرمن کا لہجہ بھرا گیا تھا۔ سرعت سے پلٹ کر وہ باہر نکل گئی تھی۔ عارش کے سامنے وہ کسی طرح بھی خود کو کمزور ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔
ٹیرس پر پھیلی تاریکی میں وہ کبوتروں کے پنجرے کے قریب کھڑی خود کو مکمل پرسکون رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تب ہی اسے عقب میں آہٹ کا احساس ہوا مگر وہ لاتعلق رہی تھی۔
''میں نے تمہیں کوئی طعنہ نہیں دیا خرمن! میں بس تمہارے لیے پوزیسو ہوں۔ میں کوشش کروں گا کہ آئندہ اس طرح تمہاری دل آزاری نہ کروں۔'' اس کے بجھے لہجے پر خرمن نے نہ کچھ کہا نہ ہی پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔
''کیا واقعی تمہیں یقین ہے کہ میں اس دن کو بھول سکتا ہوں، جب تمہاری صورت میں ساری کائنات میری بانہوں میں آ گئی تھی؟'' اس کی مدھم آواز بہت قریب سے ابھری تھی۔ اتنا قریب کہ اس کی سانسیں خرمن کو اپنے بالوں پر محسوس ہوئی تھیں۔ دھیرے سے عارش نے اس کا سر اپنی طرف کیا تھا۔ تاریکی اس

قدر بھی نہ تھی کہ وہ اس کی بھیگی پلکوں اور حزن میں ڈوبے چہرے کو نہ دیکھ سکتا۔
''میں اس دن کو کسی اچھے وقت میں تمہارے ساتھ سیلیبریٹ کرنا چاہتا تھا۔ مجھے اس وقت کا انتظار ہے۔'' اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھرتا وہ بولا تھا۔
''مجھے معاف کر دینا کیونکہ چاہتے ہوئے بھی میں جان بوجھ کر جلدی نہیں آنا چاہتا تھا۔ یہ وہ دن نہیں تھا جس میں مجھے دوبارہ تمہاری محبت میں مبتلا ہونا ہے۔'' وہ گھمبیر لہجے میں اس سے مخاطب تھا جو نگاہ اٹھا کر اسے دیکھنے سے بھی گریز کر رہی تھی۔ عارش نے چاہا تھا کہ اس کی پلکوں پر ٹھہری نمی لبوں میں سمیٹ کر اس کے ہونٹوں پر منتقل کر ڈالے مگر وہ جس سرعت سے اس کی گرفت سے نکل گئی تھی اسی تیزی سے عارش نے اس کا ہاتھ تھام کر واپس اپنے سامنے کیا تھا۔ ہلکا سا لڑکھڑاتے ہوئے اس کی پشت پنجرے کی دیوار سے جا لگی تھی۔ اس کی کلائیاں بھی اپنی مضبوط گرفت کے ساتھ پنجرے سے ٹکا تا وہ اسے ساکت کر گیا تھا۔
''تم زخم لگاتی ہو لیکن مسیحا ہو میں غلطیاں کرتا ہوں لیکن تمہارا وفادار ہوں۔ میرا دل تمہیں پوجتا ہے، لیکن تم پتھر کا بت نہیں، تم بہت اچھی ہو مگر فرشتہ نہیں، میں گناہ کرتا ہوں لیکن شیطان کا پیروکار نہیں۔ میں تمہیں دکھ دیتا ہوں، مجھے حق ہے کیونکہ میں چاہت بھی تو تمہیں بے شمار دیتا ہوں۔'' اس کی جانب جھکا وہ یکدم خاموش ہوا تھا کہ خرمن چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔
''تمہیں ظلم کرنے کا کوئی سلیقہ نہیں آتا خرمن! ظالم بننے کی ناکام کوشش کیوں کرتی ہو۔'' اس کے بجھے لہجے پر بھی خرمن نے اس کی جانب نہیں دیکھا تھا مگر اس کی کمزور ہوتی گرفت سے ہاتھ نکالتی وہ اس بار تیزی سے اس کے حصار کو توڑتی نکل گئی تھی۔ گہری سانس لے کر عارش نے آسمان پر بادلوں کی اوٹ میں جاتے ادھورے چاند کو دیکھا تھا۔ آج پھر شدت سے احساس ہوا تھا کہ جیسے وہ اس پر سے سارے استحقاق ختم کر چکا ہے۔
بند آنکھوں کے ساتھ اسے عون کی آواز سنائی دے گئی تھی۔ وہ بیدار ہونے کے بعد اب اتنی جلدی سونے والا نہیں تھا مگر بوجھل دل و دماغ ہونے کے باعث وہ بالکل بھی بیڈ سے اٹھنا نہیں چاہ رہی تھی۔ عارش نے بہرحال اس کی مشکل آسان کر دی تھی۔ عون کو کاٹ سے نکال کر وہ بیڈ پر ہی لے آیا تھا۔ دوسری جانب کروٹ لیے وہ بند آنکھوں کے ساتھ ان دونوں کی مدھم آوازوں کو سنتی رہی تھی۔ عون کی کسی معصوم حرکت پر عارش ہنسا تھا۔ خرمن نے رخ بدل کر اس کی جانب دیکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی جو قریب ہو کر بھی میلوں کے فاصلے پر تھا۔ کبھی وہ اس کے دل کے سنگھاسن پر بڑے طمطراق سے براجمان ہوا کرتی تھی۔ وہ لمحے خواب ہو چکے تھے جب لمس کی تپش سے جسم و جاں سلگتے تھے۔ محبت کی چاندنی میں راتیں سبک رواں ندی کی مانند بہتی تھیں۔ قربتوں کے وہ لمحات جن میں چاہت کی الگ ہی زبان ہوا کرتی تھی۔ وہ لمحے وہ شدتیں سب دھندلا چکا تھا۔ اب تو اردگرد بس عجیب خنکی تھی۔ جہاں نہ محبت کی پرکیف حدت تھی نہ زندگی کے آثار۔
لیپ ٹاپ ایک طرف ہٹاتے ہوئے اس نے اپنے سینے پر سوئے عون کو احتیاط سے اٹھایا تھا اور خرمن کی جانب بیڈ کے قریب رکھے کاٹ کی سمت آ گیا تھا۔ اب سونے کے بعد وہ یہی توقع کر رہا تھا کہ کم از کم فجر تک عون کی نیند نہیں ٹوٹے گی۔ مطمئن ہو کر عارش نے اس کے من موہنے سے چہرے کو چوم لیا تھا۔

کاٹ سے دور ہٹتے ہوئے اس کی نظر ایک پل کو خرمن تک گئی تھی جو مکمل گہری نیند میں نظر آ رہی تھی۔ تکیے پر سر رکھتا وہ مضطرب تھا۔ آنکھیں بند کرتے ہوئے ایک بار پھر یہ سوال اس کے دل و دماغ پر ضرب بن کر لگ رہا تھا کہ آخر کس طرح وہ اپنے جارحانہ سلوک کے لیے خرمن سے معافی مانگ سکے گا؟ وہ کیسے اسے سمجھائے کہ اس سے دور جانا بالکل ناممکن ہے۔ وہ تو بس اس سے نگاہ ملانے کے قابل بھی نہیں رہا ہے۔ کچھ چونک کر وہ خرمن کی طرف متوجہ ہوا تھا جو اس کی بڑھتی بے چینی سے غافل نیند میں اسی طرف رخ بدل رہی تھی۔ بس ایک پل کے لیے اس کی نیند سے بھری خمار آلود آنکھیں عارش کی طرف گئی تھیں۔ اگلے ہی پل اس کی آپس میں جڑتی پلکوں کو دیکھ کر عارش کا دل چاہا تھا کہ اسے جگا کر اپنی طرف متوجہ کرے۔ توڑ ڈالے اپنے اور اس کے درمیان حائل سرد مہری کی دیوار کو اور کھو جائے اس کی بانہوں کی پرسکون جنت میں۔ تب ہی سوچیں تھم سی گئی تھیں جب اس نے خرمن کی آنکھوں کو دوبارہ کھلتے دیکھا تھا۔ اس بار اس کی خمار زدہ آنکھوں میں تحیر بھی تھا۔ خود پر ساکت عارش کی گہری سنجیدہ نظروں پر وہ کچھ بول نہیں سکی تھی۔ مدھم خوابناک سرخ روشنی میں عارش کو اس کے ملکوتی چہرے پر الجھن کے سائے نظر آئے تھے۔

''کیوں جاگ رہے ہو، سو جاؤ۔'' نگاہ چرا کر مدھم لہجے میں بولتی آنکھیں موند گئی تھی۔

''کوشش تو کر رہا ہوں مگر نہ نیند مہربان ہوتی ہے نہ تم۔'' جواباً عارش کے کہنے پر خرمن نے اسے نہیں دیکھا تھا مگر ایک گم شدہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھرتی عارش سے چھپی نہ رہ سکی تھی۔ اس کے عارض پر تھرکتے پلکوں کے سائے جادو چلا رہے تھے۔ پردے سے عاری خود نمائی کرتا دودھیا ماہِ نیم اس کی پیشانی پر دمکتا پرفسوں چاندنی لٹا رہا تھا اور اس کی آب و تاب میں وہ سب کچھ جیسے بھولنے لگا تھا۔ یاد رہا تو بس یہ کہ ان پلکوں، ان لب و رخسار کے سوا دنیا میں رکھا ہی کیا ہے۔ محبت کا دریا نہ کبھی خشک ہوا ہے نہ ہوگا۔ یہ سچ ہی تو ہے۔ ان جادوئی لمحوں میں بحرِ بیکراں میں تلاطم برپا ہو چکا تھا اور وہ جیسے بے بس ہو گیا تھا۔ محبت کے سامنے ہتھیار ڈال دینا ہی بہتر ہے کیونکہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے دنیا کے تمام ہتھیار بے معنی ہیں۔ جس طرح چودھویں رات کا چاند سمندر کی لہروں کو بے قابو کرتا اپنی سمت کھینچتا ہے بالکل اسی طرح چاہتوں سے بھرپور جذبات کا ایک منہ زور ریلا اسے بھی دمکتی چاندنی کے کیف آگیں حصار میں کھینچ لے گیا تھا۔

جسم کی دراڑوں سے روح نظر آنے لگی
بہت اندر تک توڑ گیا مجھے عشق تیرا

☆......☆

خوب صورت مصنوعی آبشاروں، روشنیوں اور پھولوں سے سجے وسیع سبزے پر بہاریں اتری ہوئی تھیں۔ آرکسٹرا کی مدھم دھنیں خوشگوار فضا میں جادو بکھیر رہی تھیں۔ یہاں پہلا قدم رکھنے کے بعد سے اب تک وقت کس طرح گزرا پتا ہی نہیں چلا۔ نئے رشتوں سے تعارف کا ایک طویل سلسلہ، محبتیں، دعائیں، چاہتیں اس کا دامن بھر چکا تھا۔ یہ سب سمیٹتے ہوئے سب کچھ حسین خواب جیسا لگ رہا تھا۔ کچھ دیر کے لیے منظر سے ہٹ کر سب سے الگ تھلگ ہو کر وہ اس خواب کو دور سے بس دیکھنا چاہتی تھی اور وہ دیکھ رہی تھی اگر آج وہ خود پر رشک کرنے کے قابل تھی تو یہ ان سب انسانوں کی مرہون منت تھا جو اپنی زندگی اپنے خواب، اپنی خوشیاں سب اس کے لیے وقف کر چکے تھے۔ آج اس کے پاس جو کچھ تھا سب ان ہی انسانوں

کی ریاضتوں اور دعاؤں کی وجہ سے تھا۔ ان انمول رشتوں کے لیے وہ اپنے آپ کو بھی تیاگ سکتی تھی اور یہ اس کے لیے سعادت کی بات ہوتی۔

گہری سانس لے کر اس نے اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھا تھا۔ وقت گزرتا ہی نہیں بدلتا بھی ہے۔ یہ یقین بھی کافی ہے امید کے دیے دل میں روشن رکھنے کے لیے۔ منظر بدل جاتے ہیں۔ راستے بدل جاتے ہیں۔ موسم ہمیشہ ایک سا نہیں رہتا۔ ساحل سے بچھڑی لہر کو کنارا مل ہی جاتا ہے۔ انسان تنہا زندگی کا سفر شروع کرتا ہے۔ کارواں بنتا چلا جاتا ہے۔ مٹھی بند کر کے اس نے نگاہ اٹھائی تھی۔ دور سے ہی خوش رنگ پھولوں اور تیز روشنیوں میں گھری نشست پر منیزہ اور ہارون انتہائی حسین جوڑے کی شکل میں موجود تھے۔ یقیناً ان دونوں کا انتخاب اوپر آسمانوں پر خاص طور پر کیا گیا تھا۔ ان دونوں پر سے نگاہ ہٹانا بھی ناممکن تھا۔ اس وقت بھی ہارون کو دیکھتے ہوئے اس کا دل خوشی سے نہال ہو رہا تھا مگر ساتھ ہی انجانے خدشے دل میں سر اٹھاتے سانسیں روکنے لگے تھے۔ یکا یک دل پگھلنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں احمد حسین پر ٹھہر گئی تھیں جو اس کی جانب بڑھتے آرہے تھے۔ یہاں اس طرح اس کے الگ تھلگ کھڑے ہونے کی وجہ پوچھتے ہوئے وہ اس لمحے خاموش ہو گئے تھے جب خرمن بھیگتی آنکھوں کے ساتھ ان کے سینے سے لگ گئی تھی۔

''نہیں خرمن! اتنے بڑے خوشی کے موقع پر اس طرح روتے نہیں ہیں۔'' اس کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے وہ پرشفقت لہجے میں بولے تھے۔

''بابا! آپ کی دعاؤں سے آج مجھے سب کچھ مل چکا ہے۔ ہر محرومی ختم ہو چکی ہے۔ میں خوش ہوں مگر میرے دل میں خوف بڑھتا جا رہا ہے میں یہ سب دوبارہ کھونا نہیں چاہتی۔ میں اب کسی آزمائش، کسی امتحان کو نہیں سہہ سکوں گی۔ بابا! آپ دعا کریں کہ مجھے اب کچھ نہ کھونا پڑے۔'' وہ سسکتے لہجے میں بول رہی تھی۔

''میری دعائیں تو ہر دم تمہارے ساتھ ہیں بیٹا! اپنے دل سے تمام خوف نکال دو۔ تم میری بہت بہادر بیٹی ہو۔ بہت حوصلے والی ہو۔ خوشی اور غم تو زندگی کا حصہ ہوتے ہیں۔ زندگی کے راستے کبھی بہت سہل ہوتے ہیں، کبھی بہت دشوار، خاردار جھاڑیوں سے اٹے ہوئے۔ کبھی صحرا کی طرح لق دق اور کبھی ہرا بھرا نخلستان، انسان کو دنیا میں ان راستوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ اتار چڑھاؤ زندگی کی اٹل حقیقت ہے۔ انسان کو ہمیشہ آنے والے وقت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اللہ سے اچھی امید رکھنی چاہیے۔ آنے والے کل کی فکر میں آج ملنے والی خوشیوں کو اندیشوں میں گم کر دینا کہاں کی عقلمندی ہے۔ مجھے تم پر بہت فخر ہے، میں جانتا ہوں کہ تم کسی حال میں ہمت و حوصلہ نہیں ہارو گی۔'' اس کے آنسو صاف کر کے احمد حسین نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔ سکون روح اور قلب میں اترتا خرمن کو مضبوط کر گیا تھا، یہ اللہ کا عظیم احسان تھا کہ اس کے اردگرد والہانہ محبت نچھاور کرنے والے ہمیشہ موجود رہے اور موجود ہیں اور وہ اپنے رب کی ناشکری بالکل نہیں تھی، بھیگی مسکراہٹ کے ساتھ وہ ہشام قزلباش کی طرف متوجہ ہوئی ان کے سینے سے لگی تھی۔ اس کے پاس لفظوں کی کمی نہیں تھی مگر آنسوؤں کا گولہ ہر بار ہی ان لفظوں کا راستہ روک لیتا جب جب وہ ان کو شدت سے یہ بتانا چاہتی تھی کہ وہ ان سے کتنی محبت کرتی ہے۔

(جاری ہے)

ردا کی ڈائری

ایم جے قریشی کی ڈائری سے

پروین شاکر کی نظم

دسمبر کے مہینے میں
وہ اپنے شہر واپس جا رہا تھا
میں اس کے سامنے گم صم کھڑی تھی
یکا یک ریل کی سیٹی بجی تھی
مجھے اس نے خدا حافظ کہا تھا
کھلی کھڑکی سے تا حد بصارت
وہ اپنے ہاتھ لہراتا جا رہا تھا
سمٹ کر بچھڑے نقطے بن گئے تھے
اسٹیشن پر میں تنہا رہ گئی تھی

سارہ احسان کی ڈائری کی

فیضان ہاشمی کی نظم

تیری یادوں نے مجھے اکثر رلایا ہے
تیری باتوں نے اکثر مجھے ستایا ہے
دسمبر کی سرد ہواؤں میں گونجتی ہے
تیری ہنسی ردھم بن کر ایسے ساز چھیڑتی ہے
کہ میرا دل رقص کرتا ہے
کہ جنون جیسے جلتا ہے
کہ جذبات مچلتے ہیں
کہ بانہیں ترستی ہیں
لب بے ساختہ پھڑ پھڑاتے ہیں
تیرے لبوں کا حصار ڈھونڈتے ہیں
فیضان اب تو آجاؤ کہ شام گزرنے کو ہے
رات بڑی ظالم ہوتی ہے دسمبر کی
ناگ بن کر ڈستی ہے
درد بڑھا جاتی ہے
تم سے محبت کرنے کی کیا ہی سزا ہے

مہوش جواد کی ڈائری سے

غزالہ جلیل کی نظم

کچھ لمحے دسمبر کے
ہم نے یوں گزارے ہیں
موسم تیری یادوں کے
تصویر میں اتارے ہیں
کپکپاتے ہونٹوں سے
ڈگمگاتی دھڑکن سے
ہم نے اپنے خالق سے
بس دعا یہی مانگی ہے
اب کے بار دسمبر میں
جب بادل اتریں تو
بس یہی تمنا ہے
دشمنوں کی سازش ہیں
بس اسی گزارش میں
زندگی کو جینے کا
اختیار مل جائے

اے میرے خدا مجھ کو
میرا پیار مل جائے

مہرین کنول کی ڈائری سے

پروین شاکر کی خوب صورت نظم

سال 2015 کے لیے الوداعیہ نظم

وہ جا چکا ہے
مگر جدائی سے قبل کا
ایک نرم لمحہ
ٹھہر گیا ہے
مری ہتھیلی کی پشت پر
زندگی میں
پہلی کا چاند بن کر

شائستہ جواد کی ڈائری سے

فضیلہ اشتیاق احمد فیضی

دسمبر میں یونہی اکثر
کبھی چپ چاپ پہروں یونہی
اس کی راہ تکنا کبھی دل میں ابھرتی
کسی بے نام خواہش پر خود اپنے آپ سے لڑنا
ہزاروں اَن گنت آرزوؤں کو جمع کرنا
اور سلگتی شام کے آتش دان میں جلا دینا
کوئی ان دیکھا آنسو گال پر پھر بہنے لگتا ہے
کوئی امید کہتی ہے کسی سے تو یہ تم پوچھو
کہ آخر کب وہ آئے گا
ہزاروں ان کہے وعدے
وہ آخر کب نبھائے گا
اسے کہہ دو کوئی جا کر دسمبر جا رہا ہے
خدارا!! اب تو لوٹ آئے
کسی سوئے ہوئے لمحے کو
من میں جگا جائے کوئی بھیگی ہوئی سی یاد
دسمبر میں وہ دے جائے
دسمبر جا رہا ہے بس
اسے کہہ دو کہ آ جائے
اسے کہہ دو کہ آ جائے

دھنک ناز کی ڈائری سے

نوشابہ نرگس کی نظم

گزشتہ سال کی اِن آخری گھڑیوں میں
اپنے آپ سے اور آپ سے
کچھ اور کہنا تھا مگر لگتا ہے
اب کی بار بھی خاموش ہی رہنا پڑے گا
کہیں کس سے کہ آنکھیں بند کر لو
سُنی کو اَن سُنی کر دو
جو ہوتا ہے اسے تقدیر کا لکھا سمجھ لو
جو کٹھ پتلی تماشہ ہر طرف ہے اسے ورثہ ہی جانو
یہ آشوب زمانہ ہے سزا سمجھو شکست خواب لکھو
اگر کچھ کر سکو کرنا ہی چاہو تو بس اتنا
شریک حال ہو کر تالیاں اس زور سے مارو
کہ بے حس قہقہے آنسو کی صورت
زندگی کے رخ پر جم جائیں
بہت کچھ کھو دیا گزرے دنوں میں
جو کھو دیا ہے وہ اب واپس نہ ہو گا
چلو آؤ دعا مانگیں
کوئی چارہ، کوئی تو چارہ گر ہو
وہ اک ننھا دیا جو دل کے آنگن میں کہیں
اب بھی فروزاں ہے
کبھی بجھنے نہ پائے، یہ ظلم و جہل کا موسم گزر جائے
محبت زندگی کا نام ہو اور
سال نو کا آغاز ہو جائے

☆

اشعار

سباگل ــــــــ رحیم یار خان

لکھو تو کیسے لکھوں کرب و بلا؟
میرے قلم میں میرے خوں میں اشک بہتے ہیں

مریم ماہِ منیر ــــــــ لاہور

کبھی یاد آئے میری وفا اپنی جفا بھی سوچنا
اعتراف جرم نہ کرسکو دل میں ہی پچھتا لینا

ریمل آرزو ــــــــ ادکاڑہ

پرندوں کا بسیرا تھا جس شجر پہ وہ نہ رہا
اب کے قیامت کی طرح برسی ہے برسات

فرزانہ شوکت ــــــــ کراچی

دل میں جو بات ہے وہ دل میں دبی رہنے دو
مرے ہونٹوں پر شکایت رکی رہنے دو
جانے دو مجھ کو تجھے میری محبت کی قسم
ایک ہلکی سی ملاقات کبھی رہنے دو

ریما نور رضوان ــــــــ کراچی

منظر بدل گئے پس منظر بدل گئے
حالات اپنے شہر کے یکسر بدل گئے
پہلے سے خدوخال نہ پہلے سے ہیں خیال
ہم کتنے ایک سال کے اندر بدل گئے

عانیہ نیازی ــــــــ ربوہ

تمہارے بعد گزرا ہر مہینہ بے رحم لیکن
نومبر مار ڈالے گا دسمبر کا خدا جانے

دھنک ناز ــــــــ کراچی

آج پھر تیری یاد مانگی تھی
آج پھر وقت ہم کو ٹال گیا
تو دسمبر کی بات کرتا ہے
ہمارا تو سارا سال گیا

صبا سحر ــــــــ ہارون آباد

اداس راتوں میں تیز کافی کی تلخیوں میں
وہ کچھ زیادہ ہی یاد آتا ہے سردیوں میں
مجھے اجازت نہیں اسے پکارنے کی
جو گونجتا ہے لہو میں سینے میں دھڑکنوں میں

رامین ناز ــــــــ بہاولپور

تیری یاد اور برف باری کا موسم
سلگتا رہا دل کے اندر اکیلے
ارادہ تھا جی لوں گا تجھ سے بچھڑ کر
گزرتا نہیں اک دسمبر اکیلے

نوشین مدثر ــــــــ لاہور

خنک رت میں تنہائی بھی چوکھٹ پر کھڑی ہے
جاڑے کی اداس شام ہے دسمبر آن پہنچا ہے

رابعہ منیر ــــــــ سرگودھا

جہاں جہاں تیری خوشبو کے رنگ بکھرے ہیں
وہاں وہاں پھر وہی سردیوں کا موسم ہے
وہ مجھ کو سونپ گیا قربتیں دسمبر میں
درختِ جاں یہ وہی سردیوں کا موسم ہے

خدیجہ ــــــــــ فیصل آباد

یہ جان کر بھی کہ دونوں کے راستے تھے الگ
عجب حال تھا جب اس سے ہو رہے تھے الگ
خیال ان کا بھی آیا تجھے جاناں
جو تجھ سے دور بہت دور جی رہے تھے الگ

ثمرن ــــــــــ لاہور

میں تو یہ جانتا ہوں کہ جس شب مجھے چھوڑ کر تم گئے
آسمانوں سے شعلہ نکلتا رہا چاند جلتا رہا
یہ دسمبر کہ ہمیں کڑی دھوپ بھی میٹھی لگنے لگے
تم نہیں تو دسمبر سلگتا رہا چاند جلتا رہا

نادیہ عمران ــــــــــ کراچی

کیا ضروری ہے ہاتھوں میں تیرا ہاتھ بھی ہے
چند یادوں کی رفاقت ہی بہت کافی ہے
لوٹ چلتے ہیں اس پل سے گھروں کی جانب
یہ تھکن اتنی مسافت ہی بہت کافی ہے

ماہ جاوید ــــــــــ کوئٹہ

میں تجھ سے اپنی ملاقات کا لمحہ یاد رکھتی ہوں
جدائی بھول جاتی ہوں وصل کو یاد رکھتی ہوں
میں یوں تو بھول جاتی ہوں تمہارا بے وفا لہجہ
لیکن الفاظ کہے تمہارے میں ہر دم یاد رکھتی ہوں

مسکان ــــــــــ چناب نگر

غیروں سے کہا تم نے غیروں سے سنا تم نے
کچھ ہم سے کیا ہوتا کچھ ہم سے سنا ہوتا

امینہ ــــــــــ کراچی

جہاں سب رشتے ناتے فقط دولت کی خاطر ہیں
نہ ہو پاس مال و زر تو دنیا بھول جاتی ہے
جو اپنے رب سے غافل ہیں نہیں معلوم انہیں یہ بات
خدا پھر یاد آتا ہے مصیبت جب بھی آتی ہے

عابدہ ظہور ــــــــــ گلگت

پھر وہی غم ہے، وہی شام ہے، تنہائی ہے
زندگی پھر مجھے کس موڑ پہ لے آئی ہے
کون ہے میرے تخیل کی اڑانوں میں رواں
جس کی خوشبو میری نس نس میں سمٹ آئی ہے

سید بشارت شاہ ــــــــــ کراچی

کتنے ہی درد بہانے سے میرے پاس آکر
دیکھتے ہیں کہ میری شام سہانی تو نہیں

عانی ایمان ــــــــــ ربوہ

منظر بدل گئے پس منظر بدل گئے
حالات اپنے شہر کے یکسر بدل گئے
موسموں کے بدلنے پر بھی حیراں نہ ہوئے تھے ہم
اب سوچتے ہیں کتنے کیلنڈر بدل گئے

حنا علی ــــــــــ ملتان

وہ پاس رہ کے بھی رکھے گا فاصلہ مجھ سے
یوں میرے وہ عشق کو بے مثال کردے گا
لپیٹ کے غم دنیا میں دے گا اپنا غم
وہ اس طرح سے مجھے مالا مال کردے گا

نوشین ــــــــــ لاہور

جو دل پہ بوجھ ہے اتار دو
دو دن زندگی کے ہیں ہنس کر گزار دو
میں تم کو اپنی جان دوں گی سب کچھ
بدلے میں تم مجھ کو اپنا پیار دو

امبرین ــــــــــ اسلام آباد

اب کے برس کچھ ایسی تدبیریں کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
کچھ خواب یقین کی سرحد پر آ پہنچے
آنکھ کھلنے سے پہلے ان کی تعمیر کرتے ہیں

......☆......

اس ماہ میں

اس ماہ کا اقتباس

فیصلہ

فیصلے کا لمحہ بڑا مبارک لمحہ ہوتا ہے۔ زندگی میں بار بار یہ لمحات نہیں آتے۔ صحیح وقت پر مناسب فیصلہ ہی کامیاب زندگی کی ضمانت ہے۔ اگر غلطی سے کوئی غلط فیصلہ ہو بھی جائے تو اس کی ذمہ داری سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ اپنے فیصلے اولاد کی طرح ہیں۔ دنیا کی تاریخ بغور دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ تاریخی فیصلے اکثر غلط تھے مگر تاریخی تھے۔

تقدیر اپنا بیشتر کام انسانوں کے اپنے فیصلے میں ہی مکمل کر لیتی ہے انسان راہ چلتے چلتے دوزخ جا پہنچتا ہے یا وہ فیصلے کرتے کرتے بہشت میں داخل ہو جاتا ہے بہشت یا دوزخ انسان کا مقدر ہے۔ لیکن یہ مقدر انسان کے اپنے فیصلے کے اندر ہے۔

(واصف علی واصف "کتاب: دل، دریا سمندر)

روشنی فاطمہ۔ کراچی

اس ماہ کی غزل

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں اور زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانہ ون کے مکینوں میں
مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں
مجھے روکے گا تو اے ناخدا کیا غرق ہونے سے
کہ جن کو ڈوبنا ہو ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں
محبت کے لیے دل ڈھونڈ کوئی ٹوٹنے والا
یہ وہ لے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں
خموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہل قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں
برا سمجھوں انہیں؟ مجھ سے تو ایسا ہو نہیں سکتا
کہ میں خود بھی تو ہوں اقبال اپنے نکتہ چینوں میں

(علامہ محمد اقبال)

سحر مبین۔ فیصل آباد

اس ماہ فلمیز یا

لالی وڈ کا تصور کرتے ہی ذہن میں طرح طرح کے بدمعاش اور گجر آ جاتے ہیں اور گولیوں کی گھن گرج سنائی دیتی ہے۔ ارے آپ حیران نہ ہوں، آج کل ہماری فلمی دنیا پر کسی مافیا نے قبضہ نہیں کیا ہوا بلکہ فلمی دنیا کے لوگ مافیا اور بدمعاشوں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے ہیں۔ جتنی ورائٹی کے گجر آج کل فلم انڈسٹری میں آپ کو فلم کی شوٹنگ کرتے ہوئے نظر آئیں گے اتنے کہیں اور دیکھنے کو نہیں ملیں گے۔ ان کا حلیہ دیکھ کر پریشان ہونے کی چنداں ضرورت نہیں، کیا ہوا اگر انہوں نے بڑی بڑی موچھیں لگا رکھی ہیں اور وہ کلاشنکوف اور گنڈ ا سا پکڑے گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے ہیں۔ آخر ہیں تو ہمارے ہیروز جو اکثر و بیشتر میڈیا پر کہتے نظر آتے ہیں کہ ایک جیسے کردار اور گجر کے

ناموں پر بنے والی فلموں میں کام نہیں کریں گے مگر یہ بے چارے بھی کیا کریں قول وفعل میں تضاد تو اب ہمارا قومی فریضہ بن چکا ہے۔

فلم کی کہانی پر نظر ڈالیں تو مزید دلچسپ صورت حال سامنے آتی ہے۔ ہیرو بے چارہ عموماً اپنے باپ کو زندہ سلامت نہیں دیکھ پاتا۔ یا تو وہ اس کے دنیا میں آنے سے پہلے دنیا سے جا چکا ہوتا ہے یا پھر ہیرو کے بچپن میں ہی ولن کا گروپ اس کو قتل کر دیتا ہے۔ ہیروئن ایسی سچویشن میں ولن کی بیٹی ہوتی ہے اور باپ کے ظلم کی داستان سے متاثر ہو کر نہ صرف ہیرو سے شادی کر لیتی ہے بلکہ اپنے باپ کو پھنسوانے میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہے اگر ولن کا ضمیر جاگ جائے تو اختتام میں وہ خود ہی اپنے زندگی ختم کر لیتا ہے۔ ورنہ ہیرو تو اس کو مار ہی دیتا ہے کیونکہ اس کی ماں اسے اپنی بیوہ زندگی کی قسم دے دیتی ہے۔ یہ ہماری فلموں کا ہی خاصا ہے کہ ہیرو جتنی بھی بدتمیزی اور چھچھوری حرکتیں کرے، یہ اس کی شوخ طبیعت کہلاتی ہے اور وہ جتنے بھی قتل اور تباہی کرے وہ اس کی مظلومیت ثابت کرتی ہے جب کہ ہیروئن ایک سین میں بوب کٹ اور ایک سین میں لمبی چٹیا میں نظر آتی ہے۔ اسی طرح اگر فلم ایکشن کے بجائے رومانوی ہو تو آدھی فلم میں ہیرو کے پیچھے ہوتی ہے اور عجیب وغریب انداز میں ناچتی گاتی پھرتی ہے۔ جب دونوں راضی ہو جاتے ہیں تو آخر میں ظالم سماج بیچ میں آ جاتا ہے۔ جس کا انجام کبھی منفی نہیں ہوتا۔ فلم میں شروع سے آخر تک سب کچھ حقیقت سے دور ہوتا ہے لیکن پولیس حقیقت کی طرح ہمیشہ آخر میں اس وقت آتی ہے۔ جب ہیرو اپنی تمام بھڑاس نکال چکا ہوتا ہے اور ہیرو کے ہاتھوں نہ صرف کئی قتل ہو چکے ہوتے ہیں بلکہ امن وامان کی صورت حال بھی خراب ہو جاتی ہے لیکن اس پر کوئی مقدمہ نہیں چلتا اور چل جائے تو وہ باعزت بری کر دیا جاتا ہے کیونکہ ہیرو ہمیشہ ہیرو ہی رہتا ہے۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اس ماہ کی کرنیں

☆ صبر ایمان سے ایسا ملا ہوا ہے جیسے سر جسم سے۔

☆ کسی انسان کے دل میں ایمان اور حسد اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

☆ اخلاق وہ چیز ہے جس کی قیمت کچھ نہیں مگر اس پر انسان خریدا جا سکتا ہے۔

☆ جس دل میں برداشت کی ہمت ہو وہ دل کبھی شکست نہیں کھاتا۔

☆ خاموشی ایسا درخت ہے جس پر کبھی کڑوا پھل نہیں لگتا۔

☆ بے شک مشکل وقت بتا کر نہیں آتا مگر سکھا کر اور سمجھا کر بہت کچھ جاتا ہے۔

☆ اتنا نرم نہ بن جاؤ کہ نچوڑ لیے جاؤ اور اتنا سخت بھی نہ بنو کہ توڑ دیئے جاؤ۔

☆ جو لوگ تذبذب اور جھجک سے کام لیتے ہیں۔ وہ زندگی میں شاید ہی کامیاب ہوتے ہیں۔

☆ اگر انسان صبر اور تحمل کا مظاہرہ کرے تو کوئی کام ایسا نہیں جو وہ نہ کر سکے۔

☆ آنسو بہا کر نہیں آنسو چھپا کر جیو۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

اس ماہ کا قطعہ

نجانے یہ انسان کو کیا ہوا ہے؟
کسی کی یقیناً اسے بددعا ہے

کھلائے حرام آدمی کو یہ انسان
یہ قہر خدا گر نہیں ہے تو کیا ہے؟
راؤ تہذیب حسین تہذیب۔ رحیم یار خان

اس ماہ کا افسانچہ

اس کے بارے میں سوچ کر اکثر میرا دل دھڑک اٹھتا تھا کہ نہ جانے وہ کیسا ہوگا؟ جیسے جیسے اس کے آنے کے دن قریب آرہے تھے میری پریشانی بڑھتی جارہی تھی۔ بظاہر میں سب کے سامنے ہنستی مسکراتی رہتی مگر اندر سے میرا دل وسوسوں سے بھرا رہتا۔ اب تو سب کو میری پریشانی کا علم ہو گیا تھا اور سب گھر والے میری طرف طنزیہ نظروں سے دیکھتے تھے کیونکہ اس کے آنے میں بس کچھ ہی دن رہ گئے تھے۔

میری نیند اور بھوک سب اڑ گئی تھی۔ بس ہر وقت اللہ سے یہی دعا مانگا کرتی کہ وہ میرے حق میں بہتر ہو بالکل میرے سپنوں جیسا آخر کار وہ دن بھی آگیا اس دن میں صبح سے پریشان تھی ہر آہٹ پر میرا دل دھڑک اٹھتا کہ شاید وہ آگیا ہے بالآخر وہ تشریف لے ہی آیا۔

اے میرے پیارے ''رزلٹ'' شکر ہے کہ تم نے مجھے مایوس نہیں کیا۔

عانیہ نیازی۔ ربوہ

اس ماہ آپ بھی پوچھیے

☆ شیر جنگل میں دھاڑتا ہے اور شوہر؟
❀ خالی گھر میں۔
☆ سنگھار کب غضب ڈھاتا ہے؟
❀ جب اس کا خرچہ مرد کی جیب پر پڑتا ہے۔
☆ آج کل کی لڑکیاں ڈارک گلاسز کے چشمے کیوں استعمال کرتی ہیں؟
❀ کیونکہ ان کے نزدیک پردہ آنکھوں کا ہوتا ہے۔
☆ کیا عورت کو بے وقوف بنانا واقعی ناممکن ہے؟
❀ جی ہاں۔ کیونکہ بے وقوف کو بے وقوف کیونکر بنایا جاسکتا ہے۔
☆ دولہا کو آخر گھوڑے پر ہی سوار کیوں کیا جاتا ہے، گدھے پر کیوں نہیں؟
❀ کیونکہ قانون کی رو سے ایک گدھا دوسرے گدھے پر سواری نہیں کرسکتا۔
☆ سب سے زیادہ استعمال ہونے والے گھریلو ہتھیار کا نام بتائیے؟
❀ سینڈل۔
☆ محبوبہ اور بیوی کے بولنے میں کیا فرق ہے؟
❀ محبوبہ بولتی ہے تو کانوں میں رس گھلتا محسوس ہوتا ہے جب کہ بیوی بولے تو ڈرم بجتا محسوس ہوتا ہے۔
☆ بیوی کا کون سا روپ خطرناک ہوتا ہے۔
❀ جب اس کے ہاتھوں میں کئی شاپنگ بیگ ہوں اور پرس میں خوفناک بل۔
☆ بہترین عشقیہ شاعری کہاں ملتی ہے؟
❀ کالج اسٹوڈنٹس کی فائل میں۔
☆ آخر وہ کب میری بات سمجھیں گے۔
❀ جی...... بڑھاپے میں۔

صبا سحر۔ ہارون آباد

......☆......

خوشبو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زمانہ قریب ہوجائے گا، علم کم ہوجائے گا، فتنے ظاہر ہوں گے اور بخل (کنجوسی) ڈال دی جائے گی (کہ لوگ خیرات اور صدقات میں کمی کرنے لگیں گے) اور ہرج کی کثرت ہوگی۔" صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا کہ ہرج کیا ہے؟ فرمایا کہ قتل ہے۔" (حسن ابی داؤد شریف)

قابل توجہ

☆ دوسروں کے چہروں پر مسرتوں کے دیے روشن رکھنے کے لیے اپنی خوشیاں قربان کردینا حوصلے اور ہمت کا کام ہے۔

☆ کبھی کبھی ہم دانستہ یا نادانستہ غلط راہوں پر نکل جاتے ہیں کبھی خود کو اور کبھی دوسروں کو آزمانے کے لیے۔

☆ دوسروں سے تو ہم کم دھوکا کھاتے ہیں البتہ اپنے آپ کو زیادہ دھوکا دیتے ہیں خود فریبی انسانوں کو لگا ہوا ایک بڑا روگ ہے۔

☆ محبت سب سے کرو مگر اعتبار چند لوگوں پر۔

☆ جو چیز حاصل نہیں ہوسکتی اس کی خواہش فضول ہے۔

☆ جو شے دکھ پہنچائے اور پریشانی میں اضافے کا سبب بنے اس سے تعلق توڑ لینا ہی بہتر ہے۔

صبا سحر۔ ہارون آباد

غم حسینؓ

غمِ حسینؓ میں جینا ہے زندگی کرنا
غمِ حسینؓ سے ہٹ کر بھی کوئی جینا ہے
فرات آج بھی نوحہ کناں ہے کربل میں
کہ بجز شبیرؓ کے پانی سبھی نے پینا ہے

سباس گل۔ رحیم یار خان

فرمان حضرت علیؓ

☆ اپنا سر اونچا رکھو کہ تم کسی سے نہیں ڈرتے لیکن اپنی نگاہیں نیچے رکھو تاکہ پتا چلے تم ایک باعزت گھرانے سے تعلق رکھتے ہو۔

☆ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ جلد بازی کرنے والا انسان نقصان نہ اٹھائے اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ صبر کرنے والا ناکام ہوجائے۔

☆ جس نے تجھے تیرے عیب بتائے اگر تجھے عقل ہو تو بے شک اس نے تجھ پر احسان کی انتہا کردی۔

☆ جو ذات رات کو درختوں پر بیٹھے پرندوں کو نیند میں گرنے نہیں دیتی۔ وہ ذات انسان کو کیسے بے یار و مددگار چھوڑ سکتی ہے۔

ہاجرہ امین خان ہاجی۔ پشاور

قسمت

کسی چیز کے نہ ملنے پر اپنے آپ کو بدقسمت

کہنے کے بجائے یہ کہنا چاہیے کہ نہ ملنا شاید یہ ہمارے لیے بہتر ہو۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

شیطان کے دل میں داخل ہونے کے نو راستے ہیں

1۔ غصہ، فحاشی
2۔ حسد اور حرص
3۔ پیٹ بھر کر کھانا
4۔ مال و دولت
5۔ مذہبی تعصب
6۔ دنیا کی زیب و زینت کی تمنا
7۔ لوگوں سے امیدیں رکھنا
8۔ جلد بازی
9۔ بخل جو کنگال ہونے سے ڈراتا ہے۔

سیدہ عباب سمیع۔ کراچی

آئینہ اور موٹاپا!

موٹے لوگوں کو آئینے سے بہت دلچسپی ہوتی ہے۔ آئینہ دیکھ کر نہ جانے کیوں انہیں اپنے مٹاپے کا احساس ہوتا ہے اور اگر کسی کو نہ ہو تو لوگ دلا دیتے ہیں۔ موٹا انسان آئینے کے سامنے کھڑا ہو جائے تو ان کی ہنسی خود بخود نکل پڑتی ہے۔ آئینہ دیکھتے ہی وہ سوچتا ہے کہ سامنے انسان کھڑا ہے یا گینڈا۔ پھر جب سانس لیتا ہے تو اس کی جان میں جان آجاتی ہے اور خود کو غبارے کی طرح ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے۔ آئینہ موٹے آدمی کا عکس اس طرح پیش کرتا ہے جیسے کوئی عاشق اپنی محبوبہ کو گوبھی کے پھول کا گلدستہ ڈیکوریشن پیس کے طور پر۔ موٹا آدمی آئینے کے سامنے اپنی مرضی سے کھڑا تو ہو جاتا ہے لیکن پھر اسے ہٹانا مشکل ہو جاتا ہے۔ موٹا شخص کھانے کے بعد آئینے کے سامنے ضرور آتا ہے تاکہ اسے پتا ہو کہ کہیں ساری محفل کا کھانا وہ اکیلے تو نہیں کھا گیا۔ اس لیے وہ اپنا پیٹ اور ویٹ آئینے کے سامنے دیکھ کر اندازہ لگا لیتا ہے کہ کسی اور محفل میں شرکت کی گنجائش ہے کہ نہیں۔ موٹا اپنا موٹاپا کم کرنے کے لیے غصہ کم اور خوش اسلوبی سے زیادہ پیش آتا ہے۔

موٹے لوگوں کی یہ شرافت اور ظرافت ہے کہ وہ آئینے سے حسن نہیں مانگتے کیوں کہ انہیں بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ جواب ہمیشہ نفی میں آئے گا۔ موٹا جب بھی کسی لڑکی سے لفٹ مانگتا ہے تو ہر لڑکی یہی کہتی ہے کہ آئینہ دیکھا ہے؟ شاید اس لیے موٹے افراد آئینے کے سامنے مگرمچھ جتنا منہ کھولتے ہیں کہ شاید کوئی بات تو ہڑپ کر سکیں لیکن ان میں سے بہت سے لوگ وقفے وقفے کے بعد اسمارٹ ہونے کے ٹوٹکے استعمال کر کے آئینے کے سامنے آکر اپنی صحت کا اندازہ لگاتے ہیں۔ کسی موٹے کو دولہا بنا کر آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا جائے تو آئینہ بھی شرم محسوس کرتا ہے۔ اس لیے دولہا بار بار یہ سوچتا ہے کہ مٹاپا صحت کے لیے مضر ہے۔ دنیا میں اگر موٹے ہیں تو موٹیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ کوئی بھی موٹی آئینے کے سامنے میک اپ کرنے کھڑی ہو جائے تو کسی دوسری خاتون کو موقع نہیں ملتا کہ وہ آئینے کے سامنے آسکے۔ ہر لڑکی اگر موٹی نہ ہو تو آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر یہی سوچتی ہے کہ کاش میں کترینہ کیف یا ایشاء دیول ہوتی اور ہونٹوں کے نیچے کاجل کا ٹیکہ لگا کر اپنے حسن کو نظر لگنے سے بچاتی۔ آئینہ دو قسم کے لوگوں کو سچ بتاتا ہے۔ ایک وہ جو آئینہ دیکھتے ہیں۔ دوسرے وہ جو آئینے کے سامنے سے ہٹتے نہیں لیکن آئینے سے حسن مانگنا موٹے لوگوں کے لیے ایسا ہے جیسے بچن فلمی فیملی سے ایشوریا رائے کے حسن کا راز معلوم کرنا۔

موٹاپا کم کرنے کے لیے موٹے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ایکس سائز کے ساتھ گنتی شروع کرتے ہیں تو گنتی ان کے لیے وبال جان بن جاتی ہے۔ گننا بھی ان کے لیے مشکل کام ہے اور چلنا بھی دشوار ہے۔ جیسے خواتین کے لیے چپ رہنا۔ اس لیے تو کہتے ہیں کہ عکس نہ ہو تو آئینہ ٹوٹ نہ جائے۔ اسی لیے موٹی خواتین بھی آئینے سے اتنی محبت کرتی ہیں جیسے کوئی سیاستدان عوام سے...... کیونکہ سیاستدان آئینے کو بھی آئین کے مطابق دیکھتے ہیں۔ اسی لیے یہ آئینے کا حوصلہ ہے جو موٹے کو سامنے دیکھ کر کوئی سوال نہیں کرتا۔ اگر آئینے کے پاس زبان ہوتی تو ہر سوال ایسے لگتا، جیسے بزم طارق عزیز شو میں پوچھے گئے سوال۔ مثلاً "ہال کا سب سے وزنی مہمان"۔ بعض موٹوں کی نفسیات آئینے کے سامنے آ کر پتہ چلتی ہے کہ موٹے ہیں یا کھوٹے ہیں۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

سوا سیر

چھ نوجوان دوست کالج سے واپس آ رہے تھے۔ ان کے آگے تین لڑکیاں جا رہی تھیں۔ وہ لڑکے ان کے پیچھے چلنے لگے۔ اچانک ایک لڑکے نے بلند آواز میں کہا: "یار! ہم تو چھ ہیں اور لڑکیاں تین، فیصلہ کیسے ہو گا؟" ان میں سے ایک لڑکی جو کچھ زیادہ تیز تھی پلٹ کر بولی: "فکر مت کرو ہم تین ہیں تو کیا ہوا لیکن سینڈلوں کی تعداد چھ ہی ہے۔ فیصلہ ٹھیک ٹھاک اور انصاف سے ہو گا۔

دھنک ناز۔ کراچی

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

☆ جس طرح چاند کے بغیر رات ادھوری ہے اسی طرح علم کے بغیر ذہن۔ (سر سید احمد خان)

☆ وہی صحیح معنوں میں آزاد ہیں جو خواہشوں کے غلام نہیں ہیں۔

☆ کامیابی کا دارومدار آپ کی محنت اور کوشش پیہم پر ہے۔ (شیکسپیئر)

☆ لگن کے بغیر کسی میں بھی عظیم ذہانت پیدا نہیں ہو سکتی۔ (ارسطو)

☆ انسان ہو کر ایسے کام نہ کرو جس سے انسانیت داغدار ہو۔ (وکٹر ہوگو)

☆ مسائل جہالت کے ذریعے طے نہیں ہو سکتے۔ (بنجمن ڈسرائیلی)

☆ جہاں صرف جہالت ہی خوش رکھ سکتی ہو وہاں عقل مند ہونا بے وقوفی ہے۔ (تھامس گرے)

☆ فتنہ انگیز سچائی سے مصلحت آمیز جھوٹ بہتر ہے۔ (شیخ سعدی)

☆ مسکراتا چہرہ معمولی کھانے کو بھی دعوت بنا دیتا ہے۔ (جارج ہرلوٹ)

☆ ترتیب، کائنات کا پہلا اصول ہے۔ (پوپ)

☆ اپنے آپ پر اعتماد رکھنے والے ہی فتح حاصل کرتے ہیں۔ (ول کاکس)

عشرت شفیع۔ کراچی

سائنسی معلومات

- انسان کے مرنے کے بعد اس کا دماغ دو سے چار گھنٹے تک کام کرتا ہے۔
- انسانی دل کے چار خانے ہیں۔
- انسان کا دل ایک منٹ میں 72 مرتبہ دھڑکتا ہے۔
- انسان کے خون میں 90 فیصد پانی ہے۔
- نارمل انسان کے جسم کا درجہ حرارت 98.4 فارن ہائیٹ ہوتا ہے۔

روشنی فاطمہ فیصل۔ کراچی

......☆......

ذرا پیر سن کہنا

خلیفہ چہارم حضرت علیؓ

سب اسم گرامی عزیز تر ہیں لیکن
سب ناموں میں پیارا ہے نام علیؓ کا
تندی حالات سے نہ گھبراؤں میں ہرگز
میرے لبوں پر ہے وظیفہ نادِ علیؓ کا
ابو طالبؓ کا لختِ جگر اور ہے فاتح خیبر
ولیوں کا سردار ہے داماد نبیؐ کا
حسنؓ کی حلاوت تو اعجاز رسولؐ ہے
کربلا ہے کرشمہ حسینؓ ابن علیؓ کا
ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و ابوذرؓ
دلکش کتنا ہے حلقہ یارانِ علیؓ کا
اغیار کے حوصلوں کو یوں توڑوں گا میں
مشکل میں لگا کر اک نعرہ علیؓ کا
روز محشر حساب سے بری ہو جاؤں گا
کام آئے گا میرے جوہر حب علیؓ کا
مشکلیں، مشکل میں پھر پڑیں گی ضرور
جب خدا کو دوں گا میں واسطہ علیؓ کا
میں محبِ علیؓ ہوں شان علیؓ کہوں گا
اور جھوم کر مون کھاؤں گا صدقہ علیؓ کا

حافظہ مون شاہ

سنو جاناں

نہ جانے کتنے دسمبر بیت گئے
آنکھوں کی دہلیز پر سجے سپنے ٹوٹ گئے

اب تو لوٹ آؤ!

بنا تمہارے جب دسمبر آتا ہے
میری آنکھوں کو بہت آزمایا ہے
ٹھنڈی، اداس، لمبی راتیں
تمہیں یاد کرتے گزر جاتی ہیں
دسمبر جب بھی آتا ہے
مجھے نئے سرے سے اداس کر جاتا ہے

رابعہ افضال خان

غزل

شب فراق، شب انتظار کیا کہنے
تیرا وہ مجھ سے تھا جو اقرار کیا کہنے
رکی ہوئی ہیں تمنا کی آخری سانسیں
وہ میری نیند، تیرا انتظار کیا کہنے
ہوائے شام کی کبھی سسکیاں سنیں تم نے؟
تڑپتے ہونٹوں پہ تیرا نام تیرا اختیار کیا کہنے
وفا کے نام پر بیٹھے رہے ہم آج تلک
جفا کی حد وہ تیری اور تیرا فرار کیا کہنے
جو مل گیا تمہیں ہم سا تو بات کرنا تم
گل و گلزار ہوں جس پر نثار کیا کہنے
منایا ہجر کا موسم بھی مسکراتے ہوئے
غمِ فراق میں گل ایسا نکھار کیا کہنے

سباس گل

خبر نہیں جاناں

تمہیں خبر بھی نہیں ہے جاناں

تمہاری چاہت میں
میں نے دنیا تیاگ دی ہے
تمہارے ہونٹوں کی مسکان پہ
اپنے دل کی زمین پہ
میں محبت کی بازی کھیل چکی ہوں
تمہیں خبر بھی نہیں ہوئی ہے
تم اپنی دنیا میں مگن تھے
میں تمہاری چاہت میں تھی ڈوبی
تم زندگی کے سودوں میں تھے الجھے
میں تمہاری محبت کی ڈور میں تھی الجھی
بہت ہی نازک سی ڈور تھی
جس کو ہماری چاہت ہی تھی بچا سکتی
پر میں اکیلی نہ کر سکی کچھ
کچھ تمہیں بھی نہ تھی فرصت
کس پل محبت کی ڈور ٹوٹی
تمہیں خبر بھی نہیں ہے جاناں!

مریم ماہ منیر

نظم

وہ خود ملنے نہیں آتا
یادوں کے سائے بھیج دیتا ہے
آنکھوں کا درپن مسکن اس کا
پلکوں پر میری سو سپنے اگاتا ہے
چرا کر البیلی نیندیا
اشکوں کے سمندر میں رہتا ہے
وہ خود ملنے نہیں آتا
یادوں کے سائے بھیج دیتا ہے
بن کے خوشبو میری سانسوں میں اترتا ہے
بن کے لہو میری رگوں میں بھٹکتا ہے
بن کے دھڑکن دل میں دھڑکتا رہتا ہے
وہ خود نہیں آتا یادوں کے سائے بھیج دیتا ہے
اس کی یادیں حصار میں لیے رہتی ہیں
سلگتی آنکھیں برسات کیے رہتی ہیں
زیست کی تاریک راتوں میں جگنو
بن کے دمکتی رہتی ہیں
بن کے ارمان میری خواہشوں میں رہتا ہے
وہ خود نہیں آتا یادوں کے سائے بھیج دیتا ہے

شہلا گل سحر

ہاں یہی محبت ہے

تیری اس جھلک کا بے تاب رہنا
تیری نظر کرم کے انتظار میں رہنا
تیری آواز کی شیرینی کو گھنٹوں محسوس کرنا
تیری باتوں کو پہروں سوچتے رہنا
اپنے سائے میں تیرا عکس ڈھونڈتے رہنا
ہاتھوں کی لکیروں میں تیرا وجود تلاشتے رہنا
چپکے سے تیرے نام پر ایک پھول توڑ کر
کتاب میں رکھ لینا
ہوا کی سرگوشیوں میں تیرا نام سننا
بارش کی بوندوں میں تیرے لمس کو ڈھونڈنا
اپنے اردگرد بس تجھے ہی محسوس کرنا
دھڑکنوں کا تجھے ہی پکارتے رہنا
کیا یہی محبت ہے؟
ہاں جاناں یہی محبت ہے

دانیہ آفرین

وہ اک لمحہ

تو چلو پھر وقت کی بھٹی میں
قید کر لیں وہ لمحہ
وہ اک لمحہ جس میں
ڈھیروں رنگوں کی کہکشاں تھی بکھری
جس میں یادوں کی حسین جلترنگ تھی

گہری مسکراہٹوں میں چھپی ہوئی
وہ شوخیاں تھیں
وہ اِک لمحہ
جس میں بندھی خوشیوں کی گہری ڈور تھی
جس میں بارش کے گرتے پہلے قطرے سی
ٹھنڈک تھی
سورج کی پہلی کرنوں سی پاکیزگی تھی
وقت کی کسی بھی راہ گزر پر
جب تم اداس ہو جاؤ
آنکھیں بن پانی سے لگیں یونہی بہنے
تو ہاں اسی لمحے
اپنی بند مٹھی کو کھول کر اس اک لمحہ
کو دیکھ لینا
ہونٹوں کی مسکراہٹ تمام دکھوں کو
سمیٹ لے گی
تو پھر چلو نا وقت کی مٹھی میں
قید کر لیں بس وہ اک لمحہ

فرزانہ شوکت

نظم

تیرے ہاتھ میں میرا ہاتھ ہو
باتوں باتوں میں دل کی بات ہو
میرا خیال ہو یا ہو خوش فہمی
بس یونہی مجھ کو چاہتے رہو
پیار کے بندھن میں بندھنا پڑے گا
تمہیں اقرار کرنا پڑے گا
یہ کس نے کہا کہ
دل کو میرے آزماتے رہو

سیدہ نور الصبا علی

اداسیوں کا سفر

جب بھی کبھی اداس بیٹھوں

گہرائی میں اتر جاتی ہوں
تیرے وجود کی سرد لہروں سے مچل جاتی ہوں
بنا کر خود کو تیرے وجود کا شاہکار
میں جملوں میں اتر جاتی ہوں
رفاقت محبت خلوص سے وفا کی چادر
پہنا کے خود تیرے وجود سے لپٹ جاتی ہوں
کمی محبت کی چاہت کے پر پھیلائے انتظار کو
میں اداسیوں میں بھی اک خواب سجاتی ہوں
جو ملو میرے گہرے ردیوں کی جھلمل سے
بس اتنا ہی رکھنا خیال لگی جو ٹھیس دل کو
میں نفسیات میں اتر کر زندگی سے چھوٹ جاتی ہوں
چاہوں جو نکلنا اس ٹھیس کی قربت سے
میں ہر روز اک گہرے سمندر میں ڈوبی جاتی ہوں
ملنا ہی ہے کیا میری ہستی کو سہارا
انہی سوچوں کو لیے ویرانیوں کے آخر شہر پہنچ جاتی ہوں

زارا صدف قمر

تمہارے جنم دن پر!

آج جنم دن پر تیرے
کچھ لفظ میں لکھنے بیٹھا ہوں
سرمئی شام کے سایوں میں
تیری سالگرہ کے لمحوں میں
وقت شجر کے سائے میں
کچھ ذہن سے مٹ جاتے ہیں مگر
کچھ یادنگر میں رہتے ہیں
بس یہی سمایا سوچوں میں
کیا یاد تمہیں ہم آئیں گے
تیری سالگرہ کے لمحوں میں
تیرے جنم دن پہ یہ تحفہ ہے
میرے دل و جان ایک دعا ہے
سب کچھ ملے تمہیں وہ

جو رہتا ہے تیرے سپنوں میں
تیری سالگرہ کے لمحوں میں

ایس امتیاز احمد

غزل

چیخ کیسی ہے چار سُو مجھ میں
کوئی کرتا ہے گفتگو مجھ میں
قید ہیں کتنے خواب آنکھوں میں
دفن ہیں کتنی آرزو مجھ میں
حرف کاغذ پہ پھیل جاتے ہیں
پاتے رہتے ہیں جو نمو مجھ میں
کوئی انسان مجھ میں بکھرا تھا
چار اطراف ہیں عضو مجھ میں
مار ڈالوں گا ایک دن اس کو
ہے مغرور اک عدو مجھ میں
پھر کسی سائبان کا کیا کرنا
میں رہوں تجھ میں اور تو مجھ میں

سید ساجد ارسطو

غزل

دل میں ہو جب کام کی سچی لگن
پھر نکھر جائے گا اپنا فکر و فن
روزِ اول سے دل انسان میں
خواہشوں کا ہے سمندر موجزن
یہ عجب ہے پتھروں کے شہر میں
وہ لیے پھرتا ہے شیشے کا بدن
ہے اداسی کا سماں چاروں طرف
سہمے سہمے سے لگے سرو و سمن
تیرے کاندھوں پر ہے مستقبل کا بوجھ
چھوڑ دے اے نوجوان یہ بانکپن
تو نے ہی سنبھالنا ہے قوم کو
تیرے ہاتھوں میں ہے تعمیرِ وطن
ہول اٹھتا ہے مرے دل میں قمر
فصلِ گل میں دیکھ کر رنگِ وچمن

ریاض حسین قمر

غزل

مسکراتے ہوئے زیست برہم ملے
زندگی میں بہت سے زخم ملے
میں کیسے بتاؤں پھر جان وفا
بچھڑے ہوئے لوگ بہت کم ملے
بہار آئی تو گلشن میں پھول کھلنے لگے
خزاں کے ساتھ بے وفا صنم ملے
تیری دید کی طلب تھی ورنہ میں
سلگتے ہوئے آنسو بھی چشم نم ملے
کوئی کہاں جدا ہوا یہ تو بتا جاوید
امید تھی ملنے کی مگر دوست برہم ملے

محمد اسلم جاوید

غربت گزیدہ

میں نے اک بچے کو دیکھا
میلا جسم کچیلے کپڑے
پیٹ بڑا تھا ٹانگیں پتلی
پھیکی رنگت سوجا چہرہ
ہاتھ میں اک روٹی کا ٹکڑا
روکھا سوکھا بن سالن کے
کھانے کو تھا کتنا خوش تھا
اتنے میں اک کوا آیا
اس پر جھپٹا
ٹکڑہ چھینا
یہ جا وہ جا
بچے کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے

حسرت سے کوے کو دیکھا
جو کیکر کے پیڑ پر بیٹھا پنجے میں روٹی کو دبائے
خوب مزے سے کھانے لگا تھا
اس بچے کی آنکھوں کے آنسو
پانی کے چند قطرے نہ تھے
ایٹم بم تھے
جو گر اس ماحول پہ گرتے
ملیامیٹ اسے کر دیتے

ریاض حسین قمر

نظم

نیند بھی کیسی چور تھی
اکثر میری رات چرا لیتی تھی
وہ جو تم سے ہو سکتی تھی
ساری بات چرا لیتی تھی
رب سے تجھ کو مانگنے والی
ہر اک ساعت چرا سکتی تھی
اچھا کیا جو وقتِ رخصت
تم اس چور کر لے گئے ساتھ

ریمل آرزو

نظم

دور کہیں ویرانے میں
ایک چھوٹی سی بستی تھی
ایک پاگل سی لڑکی جہاں در در پھرتی رہتی تھی
ندیوں کے شفاف پانی سے
وہ ہر پل کھیلتی رہتی تھی
اِک خواب پلکوں پر سجائے
جانے کیسے ڈھونڈتی رہتی تھی
وہ ہاتھوں پر چوڑیاں کھنکھالتی
رم جھم رم جھم ہنستی تھی
تھا کوئی اسے پیارا بہت
وہ سب سے کہتی رہتی تھی
کیا ہوگا وہ سنگ میرے کبھی
اک امید لیے وہ پوچھتی رہتی تھی
اک دن ایسا بھی ہو گیا
ہر سپنا اس کا کھو گیا
وہ راجہ جو تھا اسے پیارا بہت
وہ دور بہت ہو گیا
وہ بھولی تھی پاگل تھی
صرف اس کے نام پر جیتی تھی
اس رِم جھم ہنسی کی جگہ
اب
پل پل ساون برستے ہیں
ندیوں کے پانی بھی
اب
اس کی ہنسی کو ترستے ہیں

امبرین ناز

غزل

تمہیں یاد ہے جب بادل گرجتے تھے
میں ڈر جایا کرتی تھی اور تم
ایک مسیحا کی طرح میرا ہاتھ تھاما کرتے تھے
مجھے چھپا لیا کرتے تھے
آج بھی وہی بادل ہیں بن تیرے وہ ساون ہے
میں آج بھی ڈر جاتی ہوں
تم کو تو بارش پسند تھی ناں
پھر واپس کیوں نہیں آتے تم
یادوں کے اس میلے میں ایک ہجوم میں ہم بچھڑ گئے
یہ بارش بہت ظالم ہے
زینب اس وقت کی بہت یاد دلاتی ہے

زینب ملک ندیم

سندیسے

سباس گل ــــــــ رحیم یار خان

پیاری اور پُرخلوص صالحہ آپی! السلام علیکم! دعا ہے کہ آپ، آپ کے اہلِ خانہ ردا کی پوری ٹیم خیر و عافیت سے ہوں، آمین۔ نورین ملک صاحبہ کو ہمارا اسلام خلوص پہنچے۔ ردا ماشاء اللہ بہت عمدگی سے اپنا معیار برقرار رکھے ہوئے ہے۔ نئی رائٹرز کی حوصلہ افزائی ہمیشہ کی طرح آج بھی آپ کا طرۂ امتیاز ہے اور بہت قابلِ ستائش بھی ہے۔ ''گوشۂ آگہی'' ہر ماہ ایک سوچ اور خیال کو جنم دیتا ہے۔ کبھی ہمیں آپ کے لفظوں سے امید کی کرن ملتی ہے، کبھی حوصلے کا سرا ہاتھ لگ جاتا ہے، کبھی خوشی اہمیت کا پتا ملتا ہے تو کبھی کسی درد پر آنکھیں اشکوں کا خزانہ لٹانے لگتی ہیں۔ لفظ اور بات وہی بہتر ہوتی ہے جو دل پر اثر کرے جو احساس کو چھو لے اور درد، خوشی، نعمت اور شکر کی اہمیت کو جگا دے اور ماشاء اللہ! آپ کے لفظوں میں یہ تاثیر بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اللہ پاک مزید جلا بخشے آپ کے حسنِ تحریر اور تفکر کو اور آپ کو صحت و عزت کے ساتھ سلامت رکھے، آمین۔ ردا کے قارئین کا بہت شکریہ جو ہمارے لکھے کو ہمیشہ پسندیدگی کی سند دیتے ہیں اور صالحہ آپی! آپ کا بے حد شکریہ کہ آپ ہمیشہ ردا میں ہمارے لیے دروازے کھلے رکھتی ہیں اور ہماری تحریروں کو شرفِ اشاعت بخشتی ہیں۔ بہت عرصے سے آپ سے بات نہیں ہوئی تھی تو سوچا ''سندیسے'' کے ذریعے سے آپ سے آدھی ملاقات کی جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ! جلد ہی ردا کے لیے ناول ارسال کریں گے۔ دعاؤں میں ہمیں بھی شامل رکھیے گا۔ جزاک اللہ۔ آپ سب کی صحت، سلامتی اور خوشیوں کے لیے دعا گو۔

گیتی آراء ــــــــ کراچی

''نورین اور پیاری آپی السلام علیکم! امید ہے مزاج بخیر ہوں گے۔ مہینے بھر کے طویل انتظار کے بعد اپنا دل عزیز ردا 9 نومبر کو ملا۔ ملتے ہی جیسے مرجھائے چہرے پر بہار آگئی۔ سب سے پہلے حسبِ عادت فہرست پر نظر ڈالی۔ آگے چل کر ''گوشۂ آگہی'' کی خوب صورت باتوں سے دل کو ٹھنڈک پہنچائی اور پھر ''سندیسے'' کی فہرست میں شامل ہونے کی غرض سے جلدی جلدی افسانوں کی طرف بڑھے۔ سب سے پہلے تو عائشہ حمد نے لائف بوائے کے اشتہار کو خوب چمکایا۔ عمارہ یعقوب کا ''آگہی کا در'' نے ہر چمکتی چیز کو سونا سمجھنے والوں پر آگہی کا درواہ کر دیا۔ بہت خوب۔ ہم دعا لکھتے رہے، میری چاہت تم ہی ہو اور بلاعنوان کے طرزِ تحریر نے متاثر کیا۔ اس ماہ کے افسانوں میں ماریہ یاسر سب پر سبقت لے گئیں۔ ''بس ایسے ہی'' میں ایک چھوٹے سے مگر بہت اہم موضوع کو بڑی خوب صورتی سے قلم بند کر کے ہماری آنکھیں کھول دیں۔ ''ردائے جنت'' میں کلام پاک کی تلاوت سے متعلق بہت اہم باتیں احادیث کے حوالے سے ہماری معلومات میں اضافے کا باعث بنیں۔ سبحان اللہ۔ ملاقات میں قاری محمد عثمان غنی کا انٹرویو دلچسپ رہا۔ ''ردا کی ڈائری'' نوشی گیلانی کی غزل اچھی لگی۔ ''اس ماہ میں'' اور ''خوشبو'' ہمیشہ کی طرح اس بار بھی سب سے بیسٹ رہے۔ ''ذرا پھر

سے کہنا'' کی ساری ہی نظمیں دغزلیں اچھی رہیں۔ خاص کر ہاجرہ امین، شہلا گل، حمیرا قریشی، محمد اسلم، فرح ناز محمد رفیق، ریاض حسن قمر نے خوب لکھا۔ ''سندیسے'' میں حسب معمول افشاں علی سبقت لے گئیں۔ ''دوستوں کے نام پیغام'' میں افشاں علی بہن کو ہماری طرف سے سالگرہ کی دلی مبارک باد قبول ہو۔ پیاری عانیہ نیازی تم نے ہم سب کو اتنے خلوص کے ساتھ یاد رکھا تمہارا بہت بہت شکریہ دراصل تم خود اتنی پیاری اور اچھی ہو کہ تمہیں سب اچھے لگتے ہیں ہماری طرف سے بھی ڈھیروں دعائیں اور پیار۔ صدا خوش رہو، آمین۔ راہین ناز! ارے بھئی ہم سب ردا کے رائٹر قاری اراکین ہم سب ایک دوسرے کے دوست سہیلیاں ہی تو ہیں روبرو ہیں قلم کے ذریعے ردا کے توسط سے ہم ہر ماہ ایک دوسرے سے ملتے پیغام پہنچاتے رہتے ہیں۔ محبت بھرے پیغام آپ جیسی پیاری پیاری دوستوں پر تو ہمیں ناز ہے۔ ''ردا کی شہزادیوں'' سے ملاقات دلچسپ رہی۔ شہلا گل، عائشہ اکمل، شیریں تبسم تم تینوں سے شوخ چنچل ملاقات کر کے مزہ آ گیا۔ ''سنگھار'' میں بالوں کو ڈائی کرنے کے طریقے زبردست رہے اور بہت مفید رہے۔ معلومات کے حوالے سے بھی۔ اب اجازت وقت کی کمی کی وجہ سے سندیسے میں شمولیت کی غرض سے ابھی اتنا کچھ ہی پڑھ کر تبصرہ کر ڈالا۔ ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اجازت۔

افشاں علی ______ کراچی

بہت سی دعاؤں، محبتوں، چاہتوں اور عقیدتوں کا نذرانہ لیے افشاں علی سندیسے میں حاضر خدمت ہے۔ امید واثق ہے پڑھنے والی تمام خوب صورت بصارتوں کی مالک پیاری پیاری قارئین، ہر دلعزیز رائٹرز اور کیوٹ سی نورین کے ساتھ محترمہ صالحہ اپیا باخیر وعافیت ہوں گی۔ دل چھوتی مسکراہٹ لیے خوب صورت ڈریس کو زیب تن کیے خوب صورت سی نیلم سرورق کی رونق بڑھا گئی۔ ہمیشہ کی طرح ''گوشہ آگہی'' میں صالحہ اپیا کی سبق آموز سی سرگوشیاں پڑھ کر یوں لگا جیسے ہم آپ کے روبرو موجود ہوں۔ قمروش آپی اتنے پیارے سے ناول کو اتنا خوب صورت سا اختتامی موڑ دینے پر دل سے مبارک باد اور ساتھ ہی ایک ریکوئسٹ ہے پلیز قمروش جی کا تفصیلی انٹرویو لیجیے ہمیں ان سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں اور قمروش آپی 14 نومبر آپ کی برتھ ڈے تھی۔ افشاں علی کی جانب سے دل کی گہرائیوں سے بہت خلوص ومحبت کے ساتھ سالگرہ مبارک۔ اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ آپ کی ہر دعا ہر خواہش مانگنے سے بھی پہلے پوری کر دے، آمین۔ اس ماہ دو مکمل ناول شامل رہے سیدہ فرزانہ حبیب کے ناول نے ماضی کے دو بچھڑے اور گرداب زمانہ میں پھنسے لوگوں کو حال میں ملایا بھی تو کس روپ میں۔ سچ بات ہے دل توڑنے والے کو کبھی سکون کا لمحہ راز نہیں آتا۔ بہت خوب ڈیئر آپ نے مکمل ناول بہت عمدہ لکھا۔ شمائلہ دلعیاد کا ناولٹ بھی پسندیدگی کی سند پر براجمان ہو گیا۔ واقعی محبت سے بڑھ کر کوئی مرہم نہیں جنہیں نصیب ہو جائے۔ رابعہ ولی کا مکمل ناول بھی اچھا تھا۔ اریبہ بلوچ نے بھی اچھا لکھا۔ ''میری چاہت تم ہی ہو'' چاہتوں سے بھرا افسانہ اچھا رہا۔ ''بلاعنوان'' کے نام پر زینب نے مختصر الفظوں میں بہت ہی عمدہ سبق دیا ویل ڈن۔ سلسلے وار دونوں ناول تو ہیں ہی بہت خوب۔ حافظہ مون شاہ نے قاری محمد عثمان غنی قادری سے ملاقات بہت اچھے سے کروائی۔ ''ردا کی ڈائری'' میں تمام بہنوں کی ڈائری کا انتخاب پسند آیا۔ اس ماہ کی نظم اس ماہ کی اچھی بات بہت پسند آئی۔ باقی سلسلے بھی خوب تھے۔ ''سندیسے'' میں تو رونق بہت خوب سے خوب تر ہوتی جا رہی ہے۔ سبھی پیاری بہنوں کا شکریہ جو ہمیں یاد رکھتی ہیں۔ پیاری فریدہ فرید، کیوٹ سی گیتی آراء، ہر دل عزیز عانیہ

نیازی، پیاری بہن ثناء کنول اور تمام تمام بہنوں کا Thanks۔ اس بار سندیسے میں نئے نام بھی نظر آئے سب کو خوش آمدید۔ شہلا گل آپ کو شادی کی پہلی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ دوستوں کے نام پیغام میں میرے پیغام کو شامل اشاعت کرنے کے لیے صالحہ اپیا آپ کا بہت شکریہ۔ سحر مبین، عانیہ نیازی، سیدہ فرزین، ریما نور، طیبہ علی سمیت نوشین مدثر سبھی کا پیغام پسند آیا۔ سحر مبین، عانیہ نیازی اور پیاری سی بہن ثناء کنول یاد آوری کا شکریہ۔ رامین ناز ہمارے گروپ میں آپ کو خوش آمدید۔ یہ ردا بھی آپ کا ہے اور ہم بھی اور آج سے آپ بھی ہماری دوست ہیں۔ ردا کی شہزادیوں کو دیکھ کر از حد خوشی ہوئی۔ شہلا گل آپ نہ بھی کہیں تب بھی میں ذکر خاص ضرور کرتی۔ بہت سادہ سا تعارف لیے آپ کی آمد دل کو بھائی پر آپ نے اپنی Dob تو بتائی ہی نہیں چلیے خیر! ویسے آپ کا انداز پسند آیا۔ عائشہ اکمل خوش آمدید آپ کے بارے میں جان کر اچھا لگا خاص کر یہ کہ آپ کا ثناء کنول سے ڈبل اور خاص رشتہ ہے۔ اللہ آپ لوگوں کے بیچ پیار و محبت بنائے رکھے، آمین۔ ڈیئر شیریں تبسم آپ کا تعارف پڑھ کر اور آپ کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ ''کچن'' میں اس بار تو زبردست ریسیپی منتظر ملیں۔ الغرض ہمیشہ کی طرح ردا دل کو بھایا۔ تمام پیاری پیاری قارئین اور میری بہنوں کے لیے افشاں علی کی جانب سے یہ تحفہ مختصر اور ان قارئین کے لیے بھی جن کی دسمبر میں برتھ ڈے ہے

تیرے رخسار پر نہ گرے کبھی کوئی غم کا آنسو

خدا تیری ہر دعا تیری تقدیر بنا دے

(آمین)

رابعہ افضال خان ـــــــ کراچی

محترم صالحہ آپی، نورین ملک اور ردا سے جڑی تمام سکھیوں کو رابعہ افضال خان کا محبتوں سے سجا سلام قبول ہو۔ ٹھنڈی ٹھنڈی سی نومبر کی ڈھلتی شام کو ردا ہاتھوں میں آیا۔ سرورق پر فریش سی اسمائل کرتی نیلم ہمیں بھی فریش کر گئیں۔ ''گوشۂ آگہی'' کو پڑھتے ''ردائے جنت'' میں بکھرے موتی چنتے آگے بڑھے اور قمروش شہک کے ناول ''تیرے پیار کی خوشبو'' پر بریک لگائی مگر آخری قسط کے ٹائٹل پر نظر پڑتے ہی دل اداس ہو گیا۔ بہر حال قمروش جی اتنا زبردست اور خوب صورت ناول لکھنے اور اس کامیابی پر ڈھیر ساری مبارک باد قبول کیجیے۔ شازیہ مصطفیٰ بھی بڑی خوب صورتی سے آگے بڑھتی جا رہی ہیں۔ نائلہ طارق آپ کی تو کیا ہی بات ہے۔ مکمل ناول میں ''محبت کا دکھ'' فرزانہ حبیب، ''ایثار وفا'' رابعہ ولی آپ دونوں نے بہت اچھا لکھا۔ ''شاہ پیا تیری چاہ پیا'' شمائلہ دلعباد کا ناولٹ بھی بہت اچھا تھا۔ افسانے میں عائشہ حمد، ماریہ یاسر، عمارہ یعقوب، ازیبہ بلوچ، ریما نور رضوان، زینب ملک ندیم سب ہی نے کیا خوب لکھا۔ قاری محمد عثمان غنی قادری کا انٹرویو پسند آیا۔ آئی تھنک اریبہ بلوچ، عمارہ یعقوب اینڈ ماریہ یاسر نے ردا کی محفل میں فرسٹ ٹائم انٹری دی ہے ہم آپ کو دل سے ویلکم کرتے ہیں۔ ''ردا کی ڈائری'' سے شہلا گل سحر، بتول امتیاز کا انتخاب دل کو چھو گیا۔ اس ماہ میں اس ماہ کی نظم پسند آئی۔ ''خوشبو'' میں ہر لفظ ہی خوشبو کی طرح مہکتا ہوا تھا۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' میں سب کا کلام ہی دل میں اتر گیا۔ ''سندیسے'' کی محفل میں سب ہی سکھیوں نے کیا خوب محفل جمائی بس اپنی کمی بہت محسوس ہوئی (ہاہاہا)۔ سوئیٹ سی افشاں علی سندیسے کی پسندیدگی کے لیے بہت شکریہ۔ کیوٹ سی شہلا گل سحر پسندیدگی کے لیے جزاک اللہ۔ پیاری سحر مبین! آپ نے ہمیں اپنے پیغام میں یاد رکھا، بہت شکریہ۔ ڈیئر عانیہ نیازی اپنی محبت اور پر خلوص دعا کے لیے دل سے تھینکس۔ سوئیٹ سی رامین ناز ردا کی محفل میں آپ پہلی بار شریک ہوئی ہیں ہم آپ کو دل سے ویلکم کرتے ہیں اور ہمیں آپ کی دوستی دل سے قبول ہے۔ کیوٹ سی اینڈ سوئیٹ سی فریدہ فرید آپ کی دوستی اور محبت دونوں پر

بہت فخر محسوس ہوتا ہے کہ آپ مجھے ہمیشہ یاد رکھتی ہیں۔ میرے افسانے اور خط کی تعریف اور پسندیدگی کے لیے بنڈل آف تھینکس اور نظم ہنڈریڈ پرسنٹ ذاتی تھی۔ اڈاپٹڈ ہرگز نہیں۔ ''ردا کی شہزادیاں'' میں شہلا گل سحر، عائشہ امل، شیریں تبسم سب کا تعارف دلچسپ تھا۔ ''کچن'' ہمیشہ کی طرح سجا ہوا تھا۔ ''سنگھار'' بھی مکمل تھا۔ آخر میں ردا کے لیے ڈھیر ساری دعائیں اس کے ساتھ ہی اپنی جانی پہچانی دوست رابعہ افضال خان کو اجازت دیں، اللہ نگہبان۔

صبا عبدالغنی ______ کراچی

سب سے پہلے دل کی گہرائیوں اور دعاؤں کے ساتھ سلام الفت قبول ہو اور اب کرتی ہوں معذرت میں نے دو مہینے آپ لوگوں کو اپنے پیارے سندیسے کے دیدار سے محروم رکھا، سو سوری۔ پچھلے منتھ کے شمارے پر تھوڑا سا تبصرہ کرنا چاہوں گی۔ توبیہ ملک، بسمہ ناز، ثناء ناز، مریم شاہ بخاری اور شیریں تبسم آپ لوگوں کے لیے بس اتنا کہنا چاہوں گی ''زبردست''۔ سحر مبین! زبردست یار تمہاری تحریر بہترین تھی۔ مون شاہ! اتنا دلچسپ اندازِ تحریر تھا آپ کا کہ پورا پڑھے بغیر رسالہ نگاہوں کے سامنے سے ہٹایا تک نہیں ویلڈن۔ سب سے زیادہ ایقان علی کی تحریر نے متاثر کیا۔ زیب النساء کا کردار بہت پاورفل تھا۔ فرح ناز رفیق! آپ ہمیشہ وطن سے محبت کا درس دیتی ہیں جو مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ ثناء کنول! بہت اچھی تحریر تھی۔ افشاں علی! میں آپ سے ناراض ہوں کیونکہ ایک تو آپ نے مجھے سسٹر کہا اور دوسری طرف تھینکس بھی۔ اب جلدی سے مجھے منائیں اور اتنی ڈھیر ساری دعاؤں اور محبت کے لیے (جو فقط ایک شعر میں بیان ہوگئیں) جزاک اللہ۔ رابعہ افضال! آپ نے شکریہ کہا، بہت غلط بات ہے۔ آپ کا بھی شکریہ کہ میرا شعر آپ کو پسند آیا (حساب برابر)۔ چلیے اب بات ہوجائے اس ماہ کے شمارے کی تو سرورق پر سرسری سی نظر ڈال کر آگے بڑھے۔ فہرست پر نظر دوڑائی تو کئی نئے نام نظر آئے۔ ''گوشہ آگہی'' میں صالحہ آپی نے اپنے دل کی باتیں شیئر کیں بہت اچھا لگا۔ قمروش شہک کے ناول کی آخری قسط کا سن کر سوری پڑھ کر جلدی سے قمروش شہک کے ناول کی طرف بڑھے۔ پڑھ کر واہ واہ کر اٹھے۔ قمروش آپی! کتنا مکمل اینڈ کیا ہے آپ نے، کہیں کوئی کمی محسوس نہ ہوئی لیکن پھر بھی اتنے اچھے ناول کا اینڈ ہونے پر تھوڑی سی اداسی ضرور ہے۔ ''جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے'' پڑھ کر بے ساختہ شکر ادا کیا کہ خرمن کو عقل آگئی۔ اب بس منیزہ اور ہارون کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔ عارش کی نعمت اور عثمان کی رحمت نے کہانی میں نئے سرے سے جان ڈال دی ہے۔ ''تجھ سے مانگوں میں تجھ کو'' شازیہ آپی! اب تو ضمران اور حسنیٰ پر رحم کر دیں اور انہیں ایک خوشگوار زندگی گزارنے کا موقع دے دیں۔ ''محبت کا دکھ'' اور ''ایثارِ وفا'' دونوں غمگین اور اداس تحاریر تھیں۔ گل رخ کے کردار میں بہت میچورٹی نظر آئی اور کمال زیدی کے کردار میں سنگدلی۔ ہر طرز سے کہانی بیسٹ تھی۔ رابعہ ولی! ڈیری گڈ یار۔ اتنے اچھے ناول کے ساتھ آپ کی انٹری نے دل خوش کر دیا۔ ''شاہ پیا، تیری چاہ پیا'' شائلہ دلعباد کہانی کا نام بہت پیارا اور انٹرسٹنگ تھا۔ حیرت ہے بیرون ملک میں رہتے ہوئے نہ صرف آپ نے منظر نگاری بہترین کی بلکہ اتنی اچھی اردو نے بھی کافی متاثر کیا۔ آپ کا سندیسہ اور ناولٹ دونوں بہترین تھے۔ عائشہ حمد! سب سے پہلے تو خوش آمدید۔ تجسس سے بھرپور تحریر تھی۔ آخر میں جب راز سے پردہ اٹھا تو بے ساختہ ہنسی نکل گئی۔ کچھ نیا تھا اس لیے اچھا لگا۔ ''بس ایسے ہی'' ماریہ یاسر! آپ نے جھوٹ پر جو افسانہ لکھا وہ واقعی اچھا تھا۔ اریبہ بلوچ! کہانی بہت بہترین تھی۔ خاص کر کہ شعر مجھے بہت پسند آیا۔ آپ کا اندازِ تحریر کافی پختہ تھا، ویلڈن۔ ریما نور رضوان! آپ تو

ہمیشہ اچھا لکھتی ہیں۔ اس بار بھی اچھا لکھا۔ زینب ملک ندیم! یو آر دی بیسٹ۔ اندازِ تحریر، کردار، جملے، کہانی اور سبق سب کچھ بہترین تھا۔ آگے بھی ہمارے لیے ایسی سبق آموز کہانیاں لکھتی رہیے گا۔ باقی تمام مستقل سلسلے اپنی اپنی جگہ بہترین رہے۔ ''ردا کی شہزادیاں'' سلسلہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی اور خاص کر کہ شہلا گل سحر سے ملنا بہت اچھا لگا۔ عائشہ امل اور شیریں تبسم سے ملاقات اچھی رہی اور بہت مزہ آیا۔ عائشہ بھابی (آپ ... ثناء کنول کی بھابی ہیں تو میری بھی بھابی لگیں، ہے ناں)۔ اب مسلسل شامل رہیے گا۔ فریدہ فرید، عانیہ نیازی، افشاں علی، ثناء کنول، فرزانہ حبیب اور رامین ناز آپ لوگ مجھے اس بار بھول گئے لیکن مجھے آپ کے کہے گئے جملے ہمیشہ یاد رہیں گے۔ رامین ناز! ردا کی فیملی میں ویلکم۔ میرا نام تو نہیں لکھا پر پہلے دوستی کا ہاتھ بڑھانا کوئی بری بات نہیں۔ اس لیے میں تم سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ امید ہے رد نہیں کرو گی۔ گیتی آراء! ہم بھی ردا میں شامل ہیں۔ میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اور پلیز میری رہنمائی کے لیے میری کوئی غلطی بتا دیجیے تاکہ میں وہ سدھار سکوں، نور الصباء اپنی شاعری جاری رکھیے گا اچھی لگتی ہے۔

ثناء کنول اللہ دتہ ——— لودھراں

السلام علیکم! سب سے پہلے پیاری سی فرزین حبیب اور دانیہ آفرین، اللہ آپ دونوں کو صبر اور ہمت عطا کرے اور آپ کے پیاروں کو جنت میں اعلیٰ مقام۔ پیاری سی صبا عبدالغنی! یار تھینک یو سو مچ اتنی محبت کے لیے۔ سچ اب میں کبھی اداس ہوتی ہوں نا تو تمہیں دل سے یاد کرتی ہوں۔ میری ساری اداسی غائب ہو جاتی ہے۔ بہت اچھا لگا یہ سوچ کر کہ تمہیں میری اداسی کی پرواہ ہے۔ تھینک یو سو مچ میری دوست تم میری زندگی کا انعام ہو۔ عائشہ الیاس! اتنی محبت اور دعاؤں کے لیے شکریہ بہت چھوٹا سا لفظ ہے۔ خدا تمہاری ہر دعا قبول کرے۔ اپنے نام پیغام دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی تم نے مجھے خوشی دی ہے۔ خدا تمہیں خوشی دے تھینک یو سو مچ۔ پیاری سی فریدہ فرید! میری دوست کبھی کبھی تازہ تازہ سنجوگ ہی عمر بھر کا روگ بن جاتا ہے اور انسان کو پتا تک نہیں چلتا کہ کیا ہوا کیسے ہوا۔ رابعہ افضال میری دوست پتا ہے میں سوئیٹ کیوں ہوں کیونکہ تم خود بہت ہی سوئیٹ ہو اور جو لوگ خود اچھے ہوتے ہیں انہیں سب ہی اچھے لگتے ہیں۔ پتہ ہے جب میں ردا میں ایک بھی جگہ پر اپنا نام دیکھتی ہوں نا تو دھوپ میں میرا چل کر ڈاک کروانا ڈائجسٹ لے کر آنا یہ سب تکلیف بہت پیچھے رہ جاتی ہے تب پھر صرف ایک احساس ہوتا ہے کہ میں بھی کسی کے لیے خاص ہوں جیسے افشاں علی کے لیے، تمہارے لیے عائشہ الیاس کے لیے۔ سب کے لیے تب جو احساس دل میں آتا ہے وہ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔ یہ ہی احساس ہے جو مجھے ردا کے ساتھ بندھا ہوا ہے اور تا عمر بندھے رکھے گا۔ پیاری سی رامین ناز آئی نو کہ تم اپنے نام کی طرح بہت ہی پیاری ہو گی مجھے تمہاری محبت بھری دوستی قبول ہے اور ردا میں ویلکم، ہمیشہ لکھتی رہنا ردا سے اپنا سفر کبھی ختم مت ہونے دینا کیونکہ تم سے ہی ہم ہیں اور ہم سے ہی تو تم ہو۔ شہلا گل سحر میری دوست کیسی ہو۔ شادی کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو، سدا خوش رہو اور خدا تمہارے شوہر کو بھی لمبی عمر عطا کرے خدا اور بہت سی سالگرہ منانا نصیب کرے تمہیں، آمین۔ اریبہ بلوچ، عمارہ یعقوب، عائشہ حمد، ماریہ یاسر، رابعہ ولی، شمائلہ دلعباد، شیریں حیدر ویلکم ویلکم سب کو۔ میری دوستوں ہمیشہ ردا میں لکھتی رہنا جب تک ہے جان۔ عانیہ یار کبھی کوئی کہانی تو لکھو کیا پتا کہ تم مجھ سے بھی بہتر لکھ لو۔ افشاں علی، کشف ضیاء کہاں ہے پلیز اسے دوبارہ ردا میں لے آؤ نا میرے لیے۔ حمیرا عروش خدا تمہیں آباد رکھے تم تو شادی کر کے مجھے بھول ہی گئی ہو جلدی سے ردا میں لکھو۔ حنا آپی ہمیشہ خوش رہو مسکراتی رہو نا امید مت ہونا خدا تمہارے ساتھ ہے۔

صالحہ آپی کبھی تو ہمارے نام بھی کچھ لکھیں کہ دل نادان کو تسلی عشق ہو۔ خدا حافظ فی امان اللہ۔

ثوبیہ ملک ـــــــ کراچی

پیاری آپی السلام علیکم! پیاری صالحہ آپی جی اور نورین آپی کو خلوص بھرا سلام۔ امید ہے آپ سب اور تمام قارئین ٹھیک ہوں گے۔ تو جناب اب بات کرتے ہیں پیارے ردا کی تو جیسے ہی سرورق پر نظر پڑی تو ماڈل نیلم کو دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ پھر آگے بڑھے تو ''گوشۂ آگہی'' کو دل میں اتارا۔ پھر جیسے ہی نظر پڑی ''تیرے پیار کی خوشبو'' کی آخری قسط تو چھلانگ لگا کر جلدی سے پہنچے۔ زبردست قمروش آپی کیا اختتام کیا ہے میں تو یہی کہوں گی کہ آپ نے ہر کردار کے ساتھ انصاف کیا ہے ویلڈن۔ ''تجھ سے مانگوں میں تجھ کو'' کی قسط بھی اچھی رہی۔ مکمل ناول میں فرزانہ حبیب کا ناول زبردست رہا لیکن ''ایثار وفا'' بھی اچھا رہا۔ ناولٹ ''شاہ پیا، تیری چاہ پیا'' بہت اچھا تھا اس کے علاوہ اگر افسانوں کی بات کی جائے تو اریبہ بلوچ کا سب سے زیادہ اچھا تھا اور باقی سب افسانے بھی زبردست تھے۔ ردا کے مستقل سلسلے بھی زبردست رہے۔ آخر میں پیاری آپی آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جو آپ نے اکتوبر کے شمارے میں میری تحریر شائع کی اور اس کے علاوہ میری کہانی کو پسند کرنے کے لیے افشاں علی، فریدہ فرید، سحر مبین کا بہت شکریہ۔ اب اس دعا کے ساتھ اجازت چاہوں گی کہ اللہ تعالیٰ ردا کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے، آمین۔

سحر مبین ـــــــ فیصل آباد

السلام علیکم! خیریت سے ہیں سب (یار دل کو دل سے راہ ہوتی ہے)۔ خوب سردیاں انجوائے کی جا رہی ہوں گی یقیناً۔ بات ہو جائے ردا کی۔ اس ماہ کا ردا بھی ہمیشہ کی طرح اچھا تھا۔ سب رائٹرز نے بہت اچھا لکھا۔ مستقل سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح شاندار رہے۔ سلسلہ وار ناول بھی خوب جا رہے ہیں۔ سب کیوٹ اور پیاری سی دوستوں کو ڈھیروں دعائیں اور سردیوں سے بچنے کی ڈھیروں تلقین۔ ہاں انجوائے خوب کیجیے۔ سردیاں میرا فیورٹ موسم ہے۔ سردیاں اور آئس کریم اور ڈائجسٹ واہ واہ۔ او کے جی۔ خیال رکھیے اللہ حافظ۔''

زاہدہ ہاشمی زاہدی ـــــــ کراچی

دل و جان سے عزیز صالحہ آپی اور تمام ردا اسٹاف و قارئین کو زاہدہ ہاشمی کا سلام قبول ہو۔ بعد از سلام خیریت کی طالب خود بخیریت! احوال دیگر یہ ہے کہ آپی ردا بہت لیٹ ملا۔ آج ہی ردا ہاتھ میں آیا تو بس ''گوشۂ آگہی'' اور ''سندیسے'' پڑھ کر میں خط لکھنے بیٹھ گئی ہوں۔ صالحہ آپی کیا کمال کا لکھا آپ نے اور بہت پیاری نصیحت کی گوشہ آگہی میں کہ غیبت سے بچنا چاہیے اور حسد تو ایسی وبا ہے کہ جو ہماری نیکیوں کو ایسے کھا جاتی ہے جیسے خشک لکڑی کو آگ۔ اللہ پاک ہم سب کو حسد سے اور حاسدوں سے محفوظ رکھے، آمین۔ اور اب سندیسے کی باری ہے۔ پیاری افشاں آپ میری صحت کے لیے دعا کرتی ہیں۔ یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے اور آپ کو زندگی کے ہر موڑ پر کامیابیوں سے نوازے آمین۔ اور میری باقی تمام سسٹرز نے بھی بہت اچھے سندیسے لکھے۔ ثناء ناز، گیتی آراء، افشاں علی اور تمام بہنوں کو جن کے نام نہیں لکھے ان سب کے لیے میری ڈھیروں دعائیں۔ دانیہ آفرین کی امی کا اور فرزانہ حبیب کے ابو کی ڈیتھ کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور آپ کو صبر جمیل عطا کرے، آمین۔ ہمیشہ کی طرح آپ سب کی دعاؤں کی منتظر رہوں گی۔ 27 نومبر کو میری شادی کو چار سال ہو جائیں گے۔ آپ سب دعا کریں کہ اللہ مجھے صحت کے ساتھ ساتھ اولاد کی نعمت سے سرفراز فرمائے، آمین ثما آمین۔''

...... ☆ ......

دوستوں کے نام پیغام

بہت پیاری صالحہ آپی کے نام

آئی مس یو ریئلی

فلک پہ جتنے تارے ہیں اتنی زندگی ہو تیری
چاند سے زیادہ زمین پر روشنی ہو تیری
تو خوش رہے دنیا کی ہر خوشی ہو تیری
تو سلامت رہے یہ دعا ہے میری

☆☆☆

تیرے چہرے پہ ہنسی سدا رہے
میرے ہر لفظ میں تیرے لیے دعا رہے
زندگی میں پاؤ خوشی ہر دم
دور تم سے دنیا کی ہر بلا رہے

روشنی فاطمہ فیصل۔ کراچی

فرینڈز کے نام

السلام علیکم! ردا سے وابستہ سبھی لوگوں کو میرا سلام۔ افشاں علی، صبا عبدالغنی، زاہدہ ہاشمی، ثناء کنول اللہ دتہ، میرے دل کے بہت قریب گیتی آراء صاحبہ، فریدہ فرید، رابعہ افضال خان، مصباح مسکان رؤف، امینہ رؤف۔ آپ سب کی اتنی چاہتوں کا بے حد شکریہ۔ ہمارا ردا یونہی پروان چڑھتا رہے اور ہمارا تعلق ردا کے توسط سے مزید گہرا ہوتا رہے۔

جب نہ ہوگا اس دنیا میں میری ہستی کا وجود
تو یاد کرلینا مجھے اس تحریر کے ساتھ

ریما نور رضوان۔ کراچی

ہماری ردا فیملی

احبابِ ردا اور سکھی سہیلیوں کو سلام خلوص اور قلمی دوستی قبول ہو۔ سبھی قلبی تعلق تو معاشرے کی اساس ہیں ہی ردا کی سرزمین پر آ کر سیکھا کہ قلمی تعلق بھی کم پرتاثیر نہیں ہوتا محض چند لائنیں جو قلم سے کسی کے نام نکلتی ہیں وہ کتنی دلکش و دلچسپ لگتی ہیں اب جانا۔ آپی جانی اور نورین جی کی وساطت سے ردا فیملی کتنی وسیع اور قریب ہوتی جا رہی ہے کہ لفظوں میں بیان مشکل ہے لیکن میں ایک کریڈٹ عانیہ نیازی کو دوں گی۔ اسٹوریز کے ساتھ ساتھ شرکاء رسالہ کا تذکرہ کرنا سب سے پہلے عانیہ جی نے ہی اسٹارٹ کیا تھا۔ وہ ہر ایک کی دلعزیز اسی لیے ہیں کہ وہ سب کو عزیز رکھتی ہیں اور ردا فیملی میں نئی روح پھونکنے والی پیاری سی افشاں علی کا ذکر تو ہمارا قلم خود بخود کرنے لگتا ہے۔ افشاں جی کا ذکر ہم نہیں ہمارا دل کرتا ہے جس طرح ہر فیملی میں ایک نٹ کھٹ بچہ سارے گھر کی رونق ہوتا ہے ویسے ہی ہماری افشاں ردا فیملی کی رونق ہیں اور پھر جو ذرا سی تناؤ اور دوری کی لکیر تھی اسے توڑ ڈالا ہماری رابعہ افضال اور صبا عبدالغنی نے رابعہ کی معصوم مخاطبت اور پُرحدت پیش قدمی سیدھا ہمارے دل پر آ کر پڑاؤ ڈالتی ہے۔ رابعہ افضال کے ذکر کی تو جیسے عادت سی ہو گئی ہے۔ نہ دل پر اختیار ہے نہ عادت بدلنے پر قادر ہیں۔ صبا عبدالغنی انتہائی دور بین اور وسیع قلب کی حامل ہماری سکھی ہر ایک سے یکساں پرخلوص روابط روا رکھتی ہیں ہر ایک کا خیال رکھنے والی پیاری سکھی ہمیشہ ہمارے خیال میں رہتی ہیں۔ یونہی ہماری گیتی آراء کو ہر ماہ کسی نہ کسی سلسلے کے زیریں پڑھنا ہمیں اتنا ہی

ضروری لگتا ہے۔ جتنا سانس لینا، ہماری مصروف سی سکھی ریمانور کم کم آتی ہیں مگر ہمارے اندر سے گزرے بنا نہیں جاتیں رواں تحریر کی مالک ریما ہمیشہ میری دعاؤں کا حصہ رہتی ہیں۔ یونہی کبھی حاضر کبھی غائب مصباح مسکان رؤف کی تحریر کے ہم ہر ماہ منتظر ہوتے ہیں۔ ہماری اداس بلبل شاہ کنول اور قدرے ناراض معلوم ہوتی صبا سحر اور سحر مبین ردا فیملی کا حسین حصہ ہیں۔ آفتاب سسٹرز، سیدہ فرزانہ، فرح ناز ردا کی انگوٹھی میں جڑے نگینے ہیں۔ مون شاہ سنا ہے آپ شہباز فرید کی بہن ہیں اور وہ پاکپتن کے نعت خواں ہیں تو کیا ہمیں آپ کا پڑوسی ہونے کا شرف حاصل ہے۔ کیوٹ سی رامین ناز ردا فیملی کسی کی میراث نہیں اس لیے میں آپ کو ویلکم نہیں کہوں گی مگر آپ ہمارے دل کا ٹکڑا ہو یقین کرلو دوستی سے بھی بڑھ کر خلوص آپ پر نچھاور کرتے ہیں۔ شہلا گل سحر انتہائی باغ و بہار اور نٹ کھٹ سی شخصیت آتے ہی چھا گئیں ہیں آپ کا تعارف پڑھ کر حیران رہ گئے کیا کوئی ٹیچر بھی اتنا شوخ وشنگ ہوسکتا ہے۔ شہلا گل اگر اجازت ہو تو ردا فیملی میں آپ کو گل جی کے نام سے پکارا کریں اچھا لگے گا اور میں واقعی میں ڈیسنٹ ہوں (ہاہاہا)۔ وانیہ آفرین ردا فیملی میں آپ تنہا نہیں ہو ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔ اسماء، شیریں تبسم، عائشہ اکمل آپ لوگوں سے ملاقات بہت دلچسپ رہی فخر ہوتا ہے کہ اتنے پیارے پیارے لوگ ردا فیملی کا حصہ ہیں اللہ ردا فیملی کو سلامت رکھے۔“

فریدہ فرید۔ پاکپتن شریف

پیارے دوستوں کے نام

پیاری اور سوئیٹ سحرش رانا! 9 دسمبر تمہارا جنم دن ہے۔ بہت بہت مبارک ہو۔ 9 دسمبر کو ایک عدد پٹاخہ پھوٹا تھا جس کے اثرات ہم ابھی تک بھگت رہے ہیں۔ (ہاہاہا)۔ کمال ہے یار! پٹاخہ ہو بالکل خدا تمہیں لمبی اور کامیاب زندگی عطا فرمائے اور تمہیں نان اسٹاپ بولنے کی مزید توفیق دے۔ ہمیشہ یونہی بونگوں کی طرح چہچہاتی رہو (ہاہاہا)۔ انارکلی! کیسی ہو؟ اللہ تمہیں ہمیشہ ٹھیک ٹھاک رکھے۔ 12 دسمبر کو اس دنیا میں تشریف آوری فرما کر اس دنیا کی رونق دوبالا کردینے کا سہرا سجانے کا مرتبہ حاصل کرنے والی پیاری سی انارکلی کو ہماری طرف سے سالگرہ پر ڈھیروں مبارک باد۔ اللہ تمہیں ہر خوشی دے، آمین۔ ناویہ! 26 دسمبر کو اس دنیا میں آکر مزید سردی میں اضافہ کرنے کی وجہ بننے کا بہت شکریہ (سردیاں پسند ہیں مجھے یار)۔ سالگرہ مبارک ہو۔ خدا تمہیں کامیاب اور خوشگوار زندگی عطا فرمائے، آمین۔ بنیامین! میرے پیارے سویٹ کیوٹ لولی برادرز 26 دسمبر کو ہمارے گھر میں پیدا ہو کر ہمارے گھر کی رونق بڑھانے۔ ماما، پاپا کو بہت خوشی دینے کا بہت شکریہ۔ سولہویں سالگرہ مبارک ہو۔ خدا تمہیں لمبی زندگی دے، آمین۔ سب کو اگین Happy Birth day۔ ٹریٹ کو ہرگز مت بھولیے گا۔ وہ تو میں معاف کروں گی نہیں۔

سحر مبین۔ فیصل آباد

ان کے نام جو میری زندگی کی خوشیاں ہیں

السلام علیکم! صالحہ آپی، نورین آپی، میری پیاری بہنوں، دوستوں کیسی ہو۔ امید ہے کہ ٹھیک ٹھاک ہوں گی۔ حمیرا عروش پلیز جلدی سے ردا میں لکھو نا آئی مس یو یار کہاں گم ہو پلیز کم بیک ناؤ۔ افشاں علی میری دوست خدا تمہیں خوش رکھے، آمین۔ کیسی ہو یار کیا ہو رہا ہے آج کل، پلیز تم تو باقاعدگی سے ردا میں انٹری دیا کرو یہ میرا حکم ہے کچھ بھی پاگل۔ صبا عبدالغنی ہاؤ آر یو میری دوست کیا ہو رہا ہے آج کل ویسے اب تم ردا میں کوئی کہانی لکھو جلدی سے او کے میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ صبا سحر، دھنک ناز، ملالہ اسلم، ریمل آرزو، صائمہ قریشی، ثناء ملک، اریشہ کیسی ہو تم سب امید ہے کہ فٹ فاٹ ہی ہو۔

ریمل آرزو، صبا سحر، دھنک ناز، اب تم تینوں ردا میں جلدی سے اپنی کہانی بھیجو سدا خوش رہو، آمین۔ ملالہ اسلم ڈیلکم ہوم ردا میں ڈیلکم ہر مہینے انٹری مارا کرو۔ میری پیاری سی دوست ملالہ اسلم خوش رہو۔ کشف ضیاء میری کیوٹ سی دوست ہاؤ آر یو؟ تم مجھے بہت عزیز ہوائے کاش میں تم سے مل سکتی بٹ الکس او کے ملوں نہ ملوں ہم دوست تو ہیں ہی ناں؟ ثناء خادم مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ تمہاری شادی ہوگئی ہے مبارک ہو بھئی۔ پر تم نے مجھے اپنی شادی میں بلایا بھی نہیں تو تھوڑا دکھ ضرور ہوا، خیر خوش رہو۔ ایک نام جو میری خوشی ہے عائشہ عبدالقیوم تم نے مجھے میری دوستی کا جواب بھی نہیں دیا تو کوئی بات نہیں بس تم خوش رہو اچھا اچھا لکھتی رہو، آمین۔ حناء کنول شہزاد میری پیاری بہن سدا خوش رہو۔ تمہارا بیٹا ابراہیم 24 فروری کو پیدا ہوا ہے تو میری طرف سے ڈھیڑوں مبارک باد قبول ہو، او کے۔"

ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

اپنی بہنوں کے نام

میری اور انعم کی طرف سے ہماری دونوں سوئیٹ، کیوٹ، لٹل سی سسٹرز ماریہ اینڈ کائنات کو سالگرہ بہت بہت مبارک ہو دونوں کے اس اہم اور خوب صورت دن پر چند الفاظ ان کے اس اہم دن پر نذر کرتی ہوں۔

Happy Birth day my little sisters

اس خوب صورت دن کے طلوع ہونے پر
بے ساختہ اک دعا لبوں سے آزاد ہوئی
تم جیو ہزاروں سال
سال کے دن ہو پورے پچاس ہزار
تمہیں خوشیاں ملیں بے حساب
کوئی تم کو کبھی نہ ستائے
تمہاری زیست کا ہر لمحہ مسکرائے
تم ہر قدم پر آباد رہو شاد رہو
تم زندگی کے ہر لمحے میں ہر پل میں مسکراؤ

رابعہ افضال خان۔ کراچی

سانحہ پشاور کے لواحقین کے نام

سانحہ پشاور والا واقعہ ہرگز فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ سانحہ پشاور کے شہید معصوم پھولوں کے لواحقین کے نام۔ اللہ انہیں صبر عطا کرے، آمین۔

بچھڑے ہوئے معصوم لخت جگر کی یاد میں دل اداس ہے
اے صبح عید ویران دل کے ساتھ گھر کو سجاؤں تو کس لیے

ریمانور رضوان۔ کراچی

دوستوں کے نام

دوست وہ ہوتا ہے جو بن بلائے
آئے بے وجہ سر کھائے
آپ ایک بولیں وہ چار سنائے
کبھی روئے کبھی ستائے
تعریف کرو تو منہ چڑائے
گالی دو تو مسکرائے
ہر بات میں کمینا پن دکھائے
بات بتائے بنا آپ کا
بیلنس چرائے
آپ کی پلیٹ سے ساری بوٹیاں اٹھا کر کھائے
چاٹ کی پلیٹ چھین کر بھاگ جائے
(مگر ہمیشہ ساتھ نبھائے)
میری جان سے پیاری دوستو
جہاں بھی رہو ہمیشہ مسکراتی رہو، آمین

ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

☆

کچن

چکن ہاٹ اینڈ ساور سوپ

اجزاء

چکن (بون لیس)	: ایک کپ (لمبائی میں کاٹ لیں)
بند گوبھی (لمبائی میں کاٹ لیں)	: ایک کپ
گاجر (لمبائی میں کاٹ لیں)	: آدھا کپ
ہری پیاز (آدھا انچ کے اسٹرپس)	: آدھا کپ
شملہ مرچ (لمبائی میں کاٹ لیں)	: آدھا کپ
ادرک (لمبائی میں کاٹ لیں)	: ایک کھانے کا چمچہ
شلجم (لمبائی میں کاٹ لیں)	: ایک عدد
کیچپ	: ایک کپ
نمک	: حسب ذائقہ
سفید مرچ پاؤڈر	: آدھا چائے کا چمچہ
چلی سوس	: ایک کھانے کا چمچہ
سرکہ	: دو چائے کے چمچے
سویا ساس	: ایک کھانے کا چمچہ
چینی	: ایک کھانے کا چمچہ
یخنی	: چھ کپ
انڈے (پھینٹ لیں)	: دو عدد
کارن فلور	: آدھا کپ
پانی	: آدھا کپ

ترکیب: یخنی میں چکن ڈال کر 5 منٹ پکائیں اور نمک، سفید مرچ پاؤڈر، چلی سوس، سرکہ، سویا سوس، چینی، کیچپ ڈالیں ایک ابال آئے تو بند گوبھی، گاجر، ہری پیاز، شملہ مرچ، ادرک، شلجم ڈالیں 5 منٹ پکا کر کارن فلور پانی میں مکس کرکے ڈالیں۔ گاڑھا ہونے پر چولہا بند کردیں اور انڈے مکس کردیں۔ ڈھکن ڈھک کر دو منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔ سرونگ باؤل میں نکال کر گرم گرم پیش کریں۔

انڈے والا چکن سوپ

اجزاء

چکن	: ایک کپ
یخنی	: چار کپ
سیاہ مرچ پاؤڈر	: حسب ذائقہ
نمک	: حسب ذائقہ
چائنیز سالٹ	: آدھا چائے کا چمچہ
انڈے (ابلے ہوئے)	: تین چار عدد
کارن فلور	: پون کپ
پانی	: آدھا کپ

ترکیب: چکن کو ابال کر چھوٹے ٹکڑے کرلیں۔ انڈے کاٹ کر رکھیں۔ چکن یخنی میں نمک، چائنیز نمک، سیاہ مرچ پاؤڈر اور تھوڑی چکن ڈال کر ابال لیں۔ کارن فلور پانی میں مکس کر کے سوپ میں ڈالیں۔ گاڑھا ہونے پر چولہا بند کردیں۔ سوپ ڈش میں سوپ نکالیں سوپ کے اوپر باقی بچی ہوئی چکن اور انڈے ڈالیں اور گرم گرم پیش کریں۔

چکن نوڈلز سوپ

اجزاء

چکن (لمبائی میں کاٹ لیں) : ایک کپ

نوڈلز (ابلے ہوئے) : ایک کپ

چائنیز سالٹ : آدھا چائے کا چمچہ

سرکہ : ایک چائے کا چمچہ

چکن یخنی : چار یا چھ کپ

نمک : حسب ذائقہ

سفید مرچ پاؤڈر : آدھا چائے کا چمچہ

کارن فلور : ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب: چکن کی ہڈیوں میں آٹھ کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ چھ کپ یخنی رہ جائے تو یخنی کو چھان لیں۔ یخنی میں چکن کے ٹکڑے ڈال کر پانچ منٹ پکائیں اور نمک، سفید مرچ پاؤڈر، سرکہ، چائنیز سالٹ اور نوڈلز ڈال کر دو منٹ پکائیں۔ کارن فلور تھوڑے پانی میں گھول کر سوپ میں ڈالیں گاڑھا ہونے پر سوپ کو سرونگ ڈش میں نکال لیں اور سوسز کے ساتھ سرو کریں۔

چکن بینز اینڈ نوڈلز سوپ

اجزاء

چکن : ایک کپ (کیوبز، بون لیس)

انڈے (پھینٹ لیں) : دو عدد

سفید مرچ پاؤڈر : آدھا چائے کا چمچہ

چکن یخنی : چار کپ

انڈے : دو عدد (ابلے ہوئے)

چائنیز نمک : آدھا چائے کا چمچ

نوڈلز (ابلے ہوئے) : آدھا پیکٹ

نمک : حسب ذائقہ

چینی : ایک چائے کا چمچہ

فرنچ بینز : آٹھ عدد

ترکیب: سوس پین میں یخنی میں چکن ڈال کر پکائیں چکن گل جائے تو نمک، سفید مرچ پاؤڈر، چینی، چائنیز، نمک اور فرنچ بینز ڈالیں۔ پانچ منٹ پکا کر انڈے ڈالیں۔ سرونگ ڈش میں نوڈلز ڈالیں اس پر چکن سوپ ڈالیں۔ ابلے ہوئے انڈوں کے ساتھ سرو کریں۔

چائنیز سوپ

اجزاء:

چکن (بون لیس) : آدھا کلو

کارن فلور : کھانے کے تین چمچے

پیاز : ایک عدد (باریک کٹی ہوئی)

انڈے : دو عدد (صرف سفیدی)

کالی مرچ : چائے کا ایک چمچہ

چائنیز نمک : کھانے کا ایک چمچہ

ہری مرچ : دو عدد

سویا ساس : کھانے کا ایک چمچہ

نمک : حسب ذائقہ

ترکیب: مرغی کے پیس اچھی طرح دھو لیں۔ ایک ساس پین میں مرغی، باریک کٹی ہوئی پیاز، سیاہ مرچ، نمک اور پانی ڈال کر یخنی تیار کریں۔ گوشت گل جائے تو یخنی چھان کر الگ نکال لیں۔ ابلی ہوئی بوٹیوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرلیں۔ ایک پیالی پانی میں کارن فلور کو اچھی طرح سے حل کریں۔ یخنی میں کارن فلور کا آمیزہ اور چھوٹے چھوٹے گوشت کے ٹکڑے ڈال کر دھیمی آنچ پر چند منٹ تک پکائیں۔ جب سوپ آپ کی پسند کے مطابق گاڑھا ہو جائے تو انڈے کی سفیدی ملا دیں اور چمچہ سے سوپ میں خوب اچھی طرح مکس کریں، مزے دار چائنیز سوپ تیار ہے۔

عربین سوپ

اجزاء:

سفید لوبیا : سوا پیالی (ایک گھنٹہ بھگوئیں)

مغز بادام : ایک پیالی (چھیل کر پیس لیں)

لہسن : پانچ جوے (پسا ہوا)

زیتون کا تیل : کھانے کے دو چمچے

ڈبل روٹی : دو سلائس

نمک : حسب ذائقہ

پودینہ : چند پتیاں یا حسب ضرورت

سفید زیرہ : کھانے کا ایک چمچہ

کالی مرچ : کھانے کا ایک چمچہ

ترکیب: لوبیا کو ابال لیں، جب گل جائے تو چھلنی میں ڈال کر پانی نکال کر رکھ لیں۔ پسے ہوئے باداموں میں پسا ہوا لہسن، اچھی طرح ملا دیں۔ لوبیا کے پانی میں زیتون کا تیل ملائیں۔ لہسن اور بادام والا آمیزہ شامل کر کے خوب پکائیں۔ جب گاڑھا ہونے لگے تو لوبیا، نمک، پسا ہوا مصالحہ اور پودینے کے پتے شامل کر کے پیالی میں ڈالیں اور نوش کریں۔

چقندر کریمی سوپ

اجزاء

چقندر (چوپ کر لیں) : دو عدد

کریم : آدھا کپ

نمک : حسب ذائقہ

مکھن : ایک چائے کا چمچہ

یخنی : دو سے تین کپ

پیاز : دو کھانے کے چمچے

سفید مرچ پاؤڈر : آدھا چائے کا چمچہ

کارن فلور : ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب: ایک سوس پین میں مکھن گرم کریں۔ اس میں پیاز نرم ہونے تک فرائی کریں اور چقندر ڈالیں۔ فرائی کر کے ایک کپ یخنی ڈالیں۔ ہلکی آنچ پر پکائیں۔ چقندر نرم ہو جائیں تو بلینڈر میں پیس لیں اور دوبارہ سوس پین میں ڈال کر یخنی میں شامل کر کے پکائیں۔ نمک، سفید مرچ پاؤڈر، کارن فلور ڈالیں گاڑھا ہونے پر آدھی کریم مکس کر دیں۔ سرونگ ڈش میں نکال کر باقی کریم ڈال کر سرو کریں۔

تھائی سوپ

اجزاء

چکن (بون لیس) : ایک پاؤ

چکن ہڈیوں کی یخنی : پانچ یا چھ کپ (ادرک کا ٹکڑا، گاجر ڈال کر پکائیں)

چاول (اُبلے ہوئے) : ایک کپ (فرائی کر لیں)

ہری مرچیں : پانچ چھ عدد (لمبائی میں دو کر لیں بیج نکال لیں)

نمک : حسب ذائقہ

لیموں کا رس : آدھا کپ

ادرک (سلائس کر لیں) : پون کپ

سیاہ مرچیں (کٹی ہوئی) : حسب ضرورت

ترکیب: چکن کی ہڈیوں میں 8 کپ پانی، ادرک کا ٹکڑا اور ایک گاجر ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ پانچ چھ کپ یخنی رہ جائے تو یخنی چھان لیں اور یخنی میں چکن ڈال کر پکانے رکھ دیں۔ چکن گل جائے تو نمک، ہری مرچیں، ادرک، لیموں کا رس ڈال کر پانچ منٹ پکائیں ابلے چاول کو کرسپی فرائی کر لیں اور ٹشو پر نکال لیں۔ سرونگ ڈش میں فرائی کیے ہوئے چاول ڈالیں اوپر سے سوپ اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر پیش کریں۔

......☆......

شہلا مشائق

سنگھار

سردیوں کی آمد کے ساتھ ہی ہوا میں نمی کا تناسب کم ہو جاتا ہے۔ جس کا اثر ہماری جلد پر پڑتا ہے اور جلد کھردری اور خشک ہونے کے ساتھ پھٹنے لگتی ہے۔ ماہرین کے مطابق سرد موسم میں جلد کی حفاظت پر تھوڑی سی توجہ دے کر اس کی خوب صورتی اور نکھار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

ماہرین امراض جلد کے مطابق زیادہ دیر تک گرم پانی سے نہانا بھی خشکی کا باعث بنتا ہے اس لیے سرد موسم میں غسل کرتے وقت اس بات کا دھیان رکھیے کہ پانی نیم گرم ہو اور غسل کا دورانیہ بھی دس منٹ سے زیادہ نہ ہو اس کے علاوہ جلد کی حفاظت کے لیے نہانے سے پہلے پانی میں بے بی آئل یا کوئی تیل لے کر اس کے چند قطرے ڈال دیں اور سرسوں (کھوپرے کے تیل سے جسم پر مالش کریں یہ طریقہ جلد کو شاداب رکھنے میں انتہائی معاون ہوتا ہے اس کے علاوہ نہانے کے بعد بدن اچھی طرح خشک کرلیں اور کسی اچھے سے باڈی لوشن سے مساج کریں روزانہ رات سونے سے قبل منہ دھو کر اچھی سی کولڈ کریم لگانا بھی فائدہ مند ہے۔

سردیوں میں صابن کا استعمال کم کرنا چاہیے کیونکہ اس سے جلد کی قدرتی نمی میں کمی ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ صابن کو جسم پر زیادہ رگڑنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح جلد پھٹنے اور متاثر ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق چہرے کی صفائی کے لیے بیسن کا لیپ بہترین طریقہ ہے جس سے چہرہ چکنائی سے پاک اور فریش ہو جاتا ہے اگر کسی شخص کی جلد قدرتی طور پر خشک ہو تو اس کے لیے صابن سے پاک موئسچرائز کا استعمال بھی فائدہ مند ہوسکتا ہے۔ جن لوگوں کی جلد نازک ہوتی ہے سردیوں کے موسم میں ان کے ہاتھوں کی جلد بہت اترتی ہے اس کے لیے ایک گلاس گلاب کے عرق میں دو چمچے گلیسرین ایک بڑے لیموں کا رس ملا کر کسی بوتل میں محفوظ کرلیں رات کو سوتے وقت مساج کریں اور صبح دھولیں اور کوئی اچھا سا لوشن لگالیں۔

سردیوں میں جلد کو تروتازہ اور شاداب رکھنے کے لیے رات کو سوتے وقت معیاری کولڈ کریم اور موئسچرائزر کا استعمال کرنے سے جلد میں ضروری نمی برقرار رہتی ہے اور یہ طریقہ اسے سرد موسم کے اثرات سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔

ماہرین کے مطابق سرد موسم میں جلد کو تروتازہ رکھنے کے لیے زیادہ پانی پینا چاہیے۔ سردیوں میں مالٹے، سنگترے، گاجر، مولی اور دیگر موسمی پھلوں سے بھی جسم میں پانی کی کمی پوری کی

جاسکتی ہے اور پانی سے ہم اپنی جلد کے لیے ضروری نمی حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طرح جلد کی شادابی برقرار رہتی ہے اور جلد موسم کے اثرات سے محفوظ رہتی ہے۔

موسم کوئی بھی ہو پانی جسمانی درجہ حرارت کو اعتدال میں رکھتا ہے جدید دنیا میں ماحولیاتی آلودگی کی وجہ سے ہماری جلد متاثر ہوتی ہے جسم اور چہرے کی جلد کو تروتازہ رکھنے کے لیے زیادہ پانی پینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ پانی پینے سے چہرے پر خاص قسم کی چمک آجاتی ہے جس سے آپ کی جلد تازہ اور خوب صورت نظر آتی ہے اور چہرے کے کیل مہاسوں کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے اور چہرہ نکھرا سا نظر آتا ہے۔ چہرے اور ہاتھوں میں پانی پینے سے نمی برقرار رہنے میں مدد ملتی ہے جس کے لیے اکثر لوگ موسچرائزر رنگ لوشن، کریم اور شیمپو استعمال کرتے ہیں۔

ماہرین روزانہ 10 سے 12 گلاس پینا لازمی قرار دیتے ہیں۔

جلد کو نرم و ملائم بنانے کے ساتھ ساتھ اچھی غذا بھی ضروری ہے۔ شہد، پھل اور لیموں میں تقریباً وہ تمام اجزاء موجود ہوتے ہیں جو نہ صرف انسانی نشوونما، بلکہ افزائش حسن کے لیے اہم ہیں لہٰذا اپنی جلد کی حفاظت باقاعدگی سے کریں، تاکہ حسن و صحت برقرار رہ سکے۔

جلد کو نرم و ملائم رکھنے کے لیے روزانہ رات کو روغن زیتون میں لیموں کا رس ملا کر چہرے اور گردن کی مالش کریں اور صبح منہ دھولیں۔

بدن کے داغ دھبوں پر عرق گلاب 100 ملی لیٹر میں لیموں کے رس کے دو چائے کے چمچے ملا کر چند دن مالش کریں۔ جلد صاف ہو جائے گی۔

کھیرا جلد کے لیے بہترین ہے۔ کھیرے کے پتلے ٹکڑوں کو اپنے چہرے پر لگائیں اور کچھ دیر آرام کریں تاکہ کھیرے میں موجود قدرتی تیل کو جلد اپنے اندر جذب کرلے۔

کچا دودھ رات کو سونے سے پہلے چہرے پر لگائیں اور آدھے گھنٹے کے بعد دھولیں۔ چہرہ نرم اور ملائم ہو جائے گا۔

پسے ہوئے بادام لیں، ایک چمچہ عرق گلاب شہد ایک چمچہ ملا کر چہرے پر لگائیں اور نیم گرم پانی سے چہرہ دھولیں۔

دہی میں لیموں کا پانی ملا کر چہرے پر لگائیں۔ ایک خاص قسم کی چمک، دلکشی اور تازگی محسوس ہوگی۔

دال مسور، گائے کے دودھ اور کیلے کے گودے کے ساتھ پیس کر ابٹن کی طرح تین دن تک لگانے سے مہاسے دور ہو جاتے ہیں۔

گندھک کو دودھ میں بھگو دیں۔ سوتے وقت چہرے پر لگا کر مساج کریں، صبح کچے دودھ میں پانی ڈال کر منہ دھوئیں۔

سنگترے کے چھلکوں کا ایک چمچہ سفوف، عرق گلاب میں ملا کر چہرے پر لگانے سے چھائیاں دور ہو جائیں گی اور جلد ملائم و پرکشش نظر آئے گی۔

عرق گلاب میں چائے کے چار چمچے، گلیسرین اور لیموں کا رس دو دو چمچے ملا لیں، منہ دھونے کے بعد چہرے اور ہاتھوں پر لگائیں۔

......☆......